بفیض: حضور مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ



رضا اکیڈمی کا دینی، علمی، اصلاحی و ادبی مجلہ

سالنامہ

یادگارِ رضا

2012-13

مؤسس: الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی

مرتب غلام مصطفیٰ رضوی

رضا اکیڈمی ممبئی

به فیض حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مؤسس : الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی

رضا اکیڈمی ممبئی کا دینی، علمی، اصلاحی وادبی مجلّہ

سال نامہ

یادگارِ رضا

۱۴۳۳-۳۴ھ/۲۰۱۲-۱۳ء

مرتب: غلام مصطفیٰ رضوی

ناشر: رضا اکیڈمی

۵۲ ڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک، ممبئی ۴۰۰۰۰۹

Ph.: (022) 66342156 www.razaacademy.com

e-mail : gmrazvi92@gmail.com

مشمولات یادگار رضا بہ یک نظر

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اداریہ

امام احمد رضا

ترجمانِ فکرِ اسلامی

داعیانہ فہم وفراست کے ساتھ امام احمد رضا محدث بریلوی (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) نے دین متین کی خدمت کا فریضہ انجام دیا۔ جس کے باعث آپ کی خدمات میں وسعت وگہرائی اور گیرائی ہے، ساتھ ہی تحقیق وتدقیق اور فکر وشعور کی بالیدگی بھی ہے۔ آپ کی تحقیقات علمیہ سے استفادہ کر کے قوم کی تعمیر وترقی کا فریضہ انجام دیا جاسکتا ہے۔ آپ نے ایسے دور میں جب کہ انگریزی اقتدار سے یاسیت کے اندھیرے چھا چکے تھے اپنے حوصلہ افزا افکار سے قوم کے وجود کو تابناک بنادیا۔

افق ہندستان پر جتنی تحریکیں ابھریں خواہ وہ دینی ہوں یا سیاسی، سماجی ہوں ہو یا تعلیمی یا فکری ان تمام سے متعلق امام احمد رضا کے افکار قرآن، حدیث اور تعلیمات سلف وصالحین کی روشنی میں قوم کی رہ نمائی کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی خدمات سے استفادہ امت مسلمہ میں دینی بیداری اور باطل نظریات کے تدارک میں معاون اور ممکن العمل ہے۔ آپ نے قرآن مقدس کے چشمۂ صافی سے استفادہ کیا۔ کسی بھی علم وفن کی معاملہ ہو، آپ ہر ایک میں قرآن مقدس کو ہی اپنا رہ نما بناتے ہیں، اسی سے رجوع واستفادہ کی ترغیب وتعلیم دیتے ہیں۔ اپنے معاصر دانش ور پروفیسر حاکم علی بی اے کو نصیحت آمیز انداز میں قرآنی احکام سے رجوع کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''محبِ فقیر سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کرلیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی، نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل میں اسے خلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ دلائل سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جابجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو۔''

(نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان، ص ۵۶، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۵ء)

۱۹ ؍ویں صدی میں ہندستان پر قبضے کے بعد انگریز نے مسلمانوں کو ہر طریقے سے تباہ کرنے کے لیے لائحۂ عمل بنایا۔ داخلی وخارجی طور پر جو کچھ سازشیں اپنائی گئی تھیں ان کے زیر اثر مسلمان نیم جاں

ہو چکے تھے۔ علم وفن، سیاست وتمدن کی راہ سے بھی اسلامی فکر وبصیرت چھیننے کے لیے انگریز نے ہر حربہ آزمایا۔ نظام تعلیم میں لادینی افکار رائج کیے گئے جس سے الحاد و بے دینی کو راہ ملی، اقبالؔ نے اسی تناظر میں کہا تھا:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

علم وفن کا جو تصور اسلام نے دیا اس کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ علم وفن کی بہاریں ہیں وہ مسلم علما و محققین، اصحابِ علم وفن کی ہی بدولت ہیں۔ اسلام کے مقابل جتنے علوم رائج کیے گئے ان میں عمومی طور پر انسانیت کے لیے تباہی و بربادی کا پیغام ہے۔ دوسری طرف طبعی وسائنسی علوم کے ذریعے مسلمانوں نے وہ اصول ومبادیات وضع کیے جن سے ترقی کی راہیں ہموار ہوئیں۔ جب کہ اسی راہ پر جب یورپ چلا تو دنیا نے ایٹم کے منفی استعمال کا وہ تجربہ جھیلا جس سے انسانی قبا تار تار ہو کر رہ گئی۔ سائنس جب تک اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنا سفر طے کرے گی، راحت پہنچائے گی۔ امام احمد رضا نے درحقیقت سائنس کو اسلام کا خادم بنادیا۔ قرآن مقدس کی روشنی میں سائنس اور دوسرے علوم کی جانچ وپرکھ کا جو ضابطہ عطا کیا وہ آج بھی ہمارے لیے لائق عمل اور رہ نما ہے۔

یورپی نومسلم دانش ور ڈاکٹر محمد ہارون، سابق پروفیسر کیمبرج یونی ورسٹی (م ۲۰۰۸ء) نے مشاہدہ ومطالعہ کے بعد کہا تھا: ''آپ (امام احمد رضا) کا نظریہ تھا کہ سائنس کو کسی طرح بھی اسلام سے فایق اور بہتر تسلیم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کسی اسلامی نظریے، شریعت کے کسی جزیا اسلامی قانون سے گلو خلاصی کے لیے اِس کی کوئی دلیل مانی جاسکتی ہے۔ اگر چہ وہ (امام احمد رضا) خود سائنس میں خاصی مہارت رکھتے تھے لیکن اگر کوئی اسلام میں سائنس سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے کوئی تبدیلی لانا چاہتا تھا آپ اُسے ٹھوس علمی دلائل سے جواب دیتے تھے۔''

(امام احمد رضا کی عالمی اہمیت، ص ۸-۹، نوری مشن مالیگاؤں)

امام احمد رضا نے انگریز کی سازشوں اور اُن کے اسلام مخالف منصوبوں سے قوم کو باخبر کرنے کی غرض سے علم وفن کے درجنوں گوشوں پر اعلیٰ معیار کی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ وہ تصور علم دیا جس میں عزم محکم ہے، حوصلۂ تابندہ ہے۔ آپ کی علمی تنقیدات سے اسلامی علوم کی عظمت اور صہیونی علوم کی اصلیت ظاہر ہو جاتی ہے، فرماتے ہیں:

''یورپ والوں کو طریقۂ استدلال اصلاً نہیں آتا۔'' (نزول آیات فرقان، ص ۵۵)

اہل یورپ (یہود و نصاریٰ) کا ہر کام چاہے ایجادات و اختراعات سے متعلق ہو یا سیاسی و سماجی مسائل سے متعلق ہو، اسلام دشمنی کا مظہر ہوتا ہے۔ انھیں استدلال کی اسی لیے تمیز نہیں کہ استدلال سے اسلام کی حقانیت و سچائی کا نور پھوٹتا ہے، بے شک! استدلال کی قوت اسلام میں ہے۔ اسلام سے رجوع میں ہی نجات ہے، اسی میں کام یابی ہے، اسی تناظر میں درج ذیل تصانیف رضا کا مطالعہ اور ان میں غور وخوض قوم کے تعلیمی و تعمیری ورثہ میں ترقی کا سبب بنے گا، ارباب علم وفکر ان تصانیف سے استفادہ کر کے قومی عروج و ترقی کے لیے ذہن سازی کریں:

(۱) الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ...... تفسیری مباحث پر مبنی یہ کتاب ہندستان کے سیاسی حالات میں مسلمانوں کی اسلامی فکر سازی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی

(۲) کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم...... عمرانیات و معاشیات کے موضوع پر عربی زبان میں تحریر کی، اردو ترجمہ بھی شائع ہے۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی

(۳) کشف العلۃ عن سمت القبلۃ...... ہیئت و فلکیات کے موضوع پر اہم کتاب۔ مطبوعہ بریلی و کراچی و ممبئی

(۴) فوز مبین در رد حرکت زمین...... حرکت زمین کے رد میں اسلامی سائنسی اصولوں پر مبنی ناقابل تردید دلائل سے آراستہ کتاب، مغربی فلاسفہ کے لیے آج بھی ایک علمی چیلنج۔ مطبوعہ بریلی و ممبئی و کراچی

(۵) نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان...... قرآنی دلائل سے مزین ایمان افروز کتاب۔ مطبوعہ ممبئی و کراچی

(۶) الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ...... فلاسفہ کے قدیم افکار کے رد میں تصنیف کی۔ مطبوعہ ممبئی و کراچی

(۷) معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین...... سائنسی موضوع پر امریکی ہیئت داں البرٹ ایف پورٹا کی پیش گوئی کے رد میں سائنسی استدلال سے مزین تحریر۔ مطبوعہ بریلی و ممبئی و کراچی

(۸) رسالہ در علم لوگارثم...... علم لوگارثم پر علمی دقائق سے پر تحریر۔ مطبوعہ ممبئی و کراچی

(۹) مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید...... فلاسفہ و سائنس کے طبعی افکار پر اسلامی فکر و نظر کی توضیح۔ مطبوعہ مبارک پور، بریلی، ممبئی و لاہور

یہ صرف ایک جھلک ہے، تصانیف رضا جن کی تعداد ہزار کے لگ بھگ ہے ان میں علم و تحقیق کا دریا رواں دواں ہے، درجنوں علمی مباحث قلم رضا سے تحریر ہو کر منصۂ شہود پر آئے ہیں۔ خوشہ چینانِ بزم علم و فن نے مطالعہ و تجزیہ کے بعد اسلوبِ رضا، علم رضا، فکر رضا، نثر و نظم رضا کا کھلے طور پر اعتراف کیا ہے اور آپ کو اپنے عہد کا ''عبقری'' اور ''نابغہ'' مانا ہے جب کہ تحقیقاتِ رضویہ کا فیضانِ علمی آج بھی رہ بر و رہ نما ہے۔ مجموعہ فتاویٰ ''فتاویٰ رضویہ'' (قدیم ۱۲ر جلدیں۔ جدید ۳۰ر جلدیں) تو علم و فن کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ جس کی گہرائی و گیرائی سے متعلق مولانا کوثر نیازی فرماتے ہیں:

''فقہ حنفی میں ہندستان میں دو کتابیں مستند ترین ہیں۔ ان میں سے ایک ''فتاویٰ عالم گیریہ'' ہے جو در اصل چالیس علما کی مشترکہ خدمت ہے۔ دوسرا ''فتاویٰ رضویہ'' ہے، جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام چالیس علما نے مل کر انجام دیا وہ اس مرد مجاہد نے تنہا کر کے دکھا دیا۔ اور یہ مجموعہ ''فتاویٰ رضویہ'' ''فتاویٰ عالم گیریہ'' سے زیادہ جامع ہے۔ اور میں نے جو آپ کو امام ابو حنیفہ ثانی کہا ہے وہ صرف محبت یا عقیدت میں نہیں کہا بلکہ ''فتاویٰ رضویہ'' کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے ابو حنیفہ ہیں۔ آپ کے فتاویٰ میں مختلف علوم و فنون پر جو بحثیں کی گئی ہیں ان کو پڑھ کر بڑے بڑے علما کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کاش کہ اعلیٰ حضرت کی حیات اس دور کو میسر آ جاتی تا کہ آج کل کے پے چیدہ مسائل حل ہو سکتے۔ کیوں کہ آپ کی تحقیق حتمی ہوتی، مزید کی گنجائش نہ ہوتی۔''

(امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت، ص ۳۰۔۳۳، رضا اسلامک مشن بنارس)

فکر رضا کا ایک اہم نکتہ ''وقت'' کا صحیح و درست استعمال ہے۔ آپ کی زندگی وقت کی قدر ظاہر کرتی ہے۔ جس قدر دینی و علمی اور تحقیقی کام آپ نے انجام دیے انھیں دیکھا جائے تو حیرت بڑھتی جاتی ہے، اور آپ پر اللہ کریم کی عطا و نوازش کا جلوہ کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ آپ نے ایسے عہد میں جب کہ انگریز نے اغوائے فکر کے تمام حربے آزما ڈالے تھے اسلامی عقائد و تعلیمات کی حفاظت و صیانت کے لیے ہزار کے قریب کتابیں قوم کو عطا کر کے وقت کی قدر سکھائی ہے۔ آپ کے نزدیک باطل عقائد سے پر کتابوں کا مطالعہ ناروا اور مضر ہے اور ان میں انہماک تضییع اوقات۔ امام احمد رضا ایسی تعلیم میں مشغول ہونا فضول اور حرام قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

''جو چیز اپنا دین و علم بقدر فرض سیکھنے میں مانع آئے حرام ہے اس طرح وہ کتابیں جن میں نصاریٰ کے عقائد باطلہ مثل انکار وجود آسمان وغیرہ درج ہیں ان کا پڑھنا بھی روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، ص ۵۳۳، برکات رضا پور بندر گجرات)

موجودہ حالات میں جب کہ علم و فن حاصل کیے بغیر اسلام مخالف نظریات کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ضروری ہے کہ مسلمان قرآن کے آئینے میں ہر علم و فن میں موشگافی کریں۔ دین کا علم پہلے حاصل کریں، اور پھر جدید علوم سائنس و فلسفہ، معاشیات و سیاسیات، سماجیات و عمرانیات، حیاتیات و طبعیات سبھی میں آگے بڑھیں، امام احمد رضا کی مبارک زندگی اس کی مثال ہے کہ ہر ہر علم و فن میں آپ یکتائے روزگار نظر آتے ہیں۔ آپ نے عہد غلامی میں حوصلہ افزا تاریخ رقم کی۔ سیوطی و غزالی، رازی و ابن عربی، مجدد الف ثانی و شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علم کی یاد تازہ کر دی۔ گزری کئی صدیوں میں آپ جیسی تہ دار اور ہمہ جہت شخصیت کوئی اور نظر نہیں آتی۔ آپ کے معاصرین، یا متاخرین کی تصانیف کی علمیت اپنی جگہ لیکن جیسی تحقیقی بصیرت تحقیقات رضویہ میں ہے اسے منفرد و ممتاز اور فائق ہی کہا جا سکتا ہے۔ اور پھر آپ

کی تحقیقات وتحریرات میں موجودہ عہد کے مسائل کا حل موجود ہے اس لیے ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی تصانیف رضا کی افادیت کم نہ ہوئی بلکہ زمانے کو ان کی ضرورت ہے۔ان میں اسلاف کرام کی صدیوں کی کاوشات کا نچوڑ ہے۔

اسلامی بنیادوں پر سائنسی علوم کے احیا وفروغ کے لیے فکر رضا کی روشنی میں تلامذہ وخلفاے رضا نے بھی نمایاں کردار ادا کیا۔مقصد یہی تھا کہ مسلمان جدید فتنوں کے مقابلہ کے لیے معاصر علوم سے آگاہ ہو کر اسلامی تعلیمات پر استقامت اختیار کرلیں۔اسلام کے عظیم داعی شاگردِ رضا مولانا عبدالعلیم میرٹھی رضوی فرماتے ہیں:

''رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف شنگھائی(Royal Asiatic Society of Shanghai) کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے میں نے واضح کیا تھا کہ سائنس اور مذہب کے باہمی تضاد کا مفروضہ صرف غلط فہمیوں کی بنیاد پر ہے اور مجھے انتہائی مسرت ہوئی کہ میری اس بات کو غیر معمولی طور پر سراہا گیا۔بلاشبہہ جن لوگوں کے نزدیک مذہب اور سائنس کے مابین تضاد موجود ہے وہ حقیقتاً مذہبی نظریہ کو غلط معانی دیتے ہیں، وہ دراصل مذہب نہیں ہے وہ دیومالائی قصے ہیں اور توہمات کے سوا کچھ نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ مذہب بہ ذات خود ایک سائنس ہے۔''

(سائنس کے فروغ میں مسلمانوں کا حصہ، مترجم رضا فاروقی، مشمولہ تبرکات مبلغ اسلام، ص۴۹۱، اویسی بک اسٹال گوجرانوالہ۲۰۰۴ء)

سائنس کا مطالعہ جب بھی قرآن کی روشنی میں کیا جائے گا اسلام کا حسن نکھر کر سامنے آئے گا، اسلام کی سچائی ذہن وفکر کی بزم کو روشن ومنور کردے گی۔امام احمد رضا نے سائنس کی اسی مثبت حیثیت کو اجاگر کر کے قرآن سے مسلمانوں کو قریب کیا ہے۔اور آپ کی مقبولیت کا یہ بھی ایک سبب ہے جس کی بنیاد پر اسلامی معاشرہ میں امام احمد رضا کے نام وکام کی گونج سنائی دیتے رہتی ہے۔نومسلم ڈاکٹر محمد ہارون نے اسلامی حکمت ودانائی کے تناظر میں مشنِ رضا کی اس خوبی کو اپنے مقالہ Islam and Limits of Science میں ان الفاظ میں اجاگر کیا ہے:

''ہمارا بنیادی مقصد بہر صورت یہ ہونا چاہیے کہ ہمیں پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حکمت ودانائی کو دوبارہ سے بحال کرنا ہے، یہ مقصد حیات حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تھا اور یہی نظریہ تمام اسلامیان اہل سنت کا ہونا چاہیے۔''

(اسلام اور سائنس کے حدود، ص۴۸، رضا اکیڈمی برطانیہ۲۰۰۶ء)

یاد رکھیے! کام یابی وکامرانی صرف اسلام میں ہے، اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں ہے،امام احمد رضا کے نزدیک اسلامی احکام کو فوقیت حاصل تھی، وقت اور حالات کے دھارے اسی سبب

آپ کی فکر کو زیر نہ کر سکے، آپ کی اسلامی حمیت کو ختم نہ کر سکے، اکابر نے باطل کی تیز وتند آندھیوں سے چمن اسلام کی حفاظت کی خاطر جو قربانیاں پیش کیں انھیں کی جھلک امام احمد رضا نے زمانے کو دکھلا دی، حکیم محمد حسین بدر علیگ نے سچ کہا: ''آپ نے وہی فریضہ ادا کیا جو حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ نے اپنے وقت میں انجام دیا تھا۔''

(سات ستارے، ص۴۲، کنزالایمان سوسائٹی۲۰۰۶ء)

امام احمد رضا نے مسلمانوں کی معاشی وتعلیمی، اعتقادی وفکری رہ نمائی کی غرض سے ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں ۴رنکاتی منصوبہ ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' اور ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء میں دس نکاتی منصوبہ (مطبوعہ فتاویٰ رضویہ، رضا اکیڈمی ممبئی، جلد۱۲) پیش کیا جس کا مقصد مسلمانوں میں اسلامی بصیرت کے ساتھ ساتھ تعلیمی استعداد ولیاقت پیدا کرنی تھی، اس منصوبے کی اسی دور میں اشاعت ہوئی، راقم نے اپنے ایک مقالے میں ان منصوبوں کا تجزیہ علمی وتعلیمی نقطۂ نظر سے کیا ہے...... بہر کیف! ان نکات میں قومی لحاظ سے رہ نمائی کا وہ ضابطہ موجود ہے جس میں آفاقیت کے ساتھ ساتھ قوت عمل کی تحریک بھی ہے۔اس وقت کے سیاسی حالات جن میں ایمانی بصیرت کے خاتمہ کے سامان کیے جاچکے تھے ان نکات میں حوصلہ افزا فکر کے ساتھ ساتھ اسلامی تشخص کا مکمل دستور بھی ملحوظ رکھا گیا، ان نکات کی بابت برطانوی دانش ور ڈاکٹر محمد ہارون لکھتے ہیں:

''یہ تعلیمی پالیسی خواہ وہ ہمارے اپنے اداروں کا نظام تعلیم ہو یا دیگر لوگوں کا مقرر کردہ نظام تعلیم ہو۔ ہر ایک کے لیے یک ساں اہمیت کی حامل ہے۔اگرچہ امام احمد رضا نے یہ نکات تقریباً ایک صدی قبل پیش فرمائے تھے، لیکن ان کی اہمیت اور افادیت سے آج کے موجودہ نظام تعلیم میں بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔''

(امام احمد رضا کے جدید اصلاحی اسلامی تعلیمی نظریات، ص۱۹، رضا اکیڈمی یوکے۲۰۰۵ء)

امام احمد رضا کی سیاسی رہ نمائی بھی قرآن کے آئینے میں تھی۔یہی وجہ ہے کہ وہ تحریکات جن کی امام احمد رضا نے مخالفت کی تھی وقت اور حالات نے ان کی اصلیت کھول کر رکھ دی۔دنیا نے دیکھا کہ جن بنیادوں پر امام احمد رضا کی مخالفت کی گئی تھی وہ کھوکھلی تھیں، مخالفت کرنے والے مشرک لیڈران کی تجاویز آنکھیں بند کر کے تسلیم کر رہے تھے اور ان کا نتیجہ صرف تباہی مسلمین کی صورت میں سامنے آیا، مشرکین کی اسلام مخالف پالیسی کھل گئی۔امام احمد رضا کے سیاسی افکار میں گہرائی تھی، ملت اسلامیہ کا درد تھا، انھیں اسلام کا وقار عزیز تھا، اسی لیے وہ اتحاد اسلامی کے قائل تھے۔اتحاد کے وہ نعرے جن سے اسلامی تشخص جاتا رہے اس کی وہ شدید مخالفت کرتے تھے، اور یہی دوراندیشی اور حکمتِ مومنانہ بعض نادانوں کو نہیں بھائی، جب کہ ہونا تو یہ تھا کہ امام احمد رضا کی فکر وبصیرت سے استفادہ کر کے امت مسلمہ

میں اسلامی بنیادوں پر اتحاد کی راہ ہموار کرنے کی طرف پیش قدمی کی جاتی، اور بچے کھچے ملی سرمائے کو داؤ پر لگانے سے احتراز کیا جاتا، عربی کے ممتاز استاذ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے مشاہدے کی بنیاد پر لکھا:

''ان کی فکر کو حدود میں قید کرنے کی سعی لاحاصل بھی ہوئی اور ان کی شخصیت کو بھی چھپانے اور ڈھانپنے کے جتن ہوتے رہے مگر جس فکر کا محور و مرکز حضرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں بھلا وہ کہیں حدود و قیود کو قبول کر سکتی ہے اور جس شخصیت کو فکر قرآنی نصیب ہوا سے اندھیروں میں تو نہیں چھپایا جاسکتا۔'' (مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس، ص ۱۴، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۱۱ء)

الحمد للہ! اب حالات تیزی سے بدل رہے ہیں منفی افکار دم توڑ رہے ہیں۔ امام احمد رضا کی دینی و علمی خدمات کا شہرہ بڑھتا اور پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ امام احمد رضا نے فکر اسلامی کی حفاظت و ترجمانی میں جو عظیم ذخیرۂ علم عطا کیا ہے اس کی اشاعت و توسیع ہم سب کی ذمہ داری ہے، اس سے جہاں ہماری قومی تاریخ کا دھارا ارتقا پذیر ہوگا وہیں نسلِ نو کے لیے تعمیری ذہن سازی کا سبب بھی ہوگا۔ تمام اہل سنت کو چاہیے کہ اتحاد اہل سنت کے لیے امام احمد رضا کے علمی نوادرات و آثار سے اکتساب فیض کریں۔ یہی ہم سب کی ذمہ داری ہے، یہی وقت اور حالات کا تقاضا ہے، ہر فن، ہر شعبۂ علم و تحقیق میں امام احمد رضا کے افکار کو رہ نما بنا لیا جائے تو یاسیت کے اندھیرے دم توڑ دیں گے اور امید کے اجالے ذہن و فکر میں خوش گوار انقلاب برپا کریں گے:

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز   ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

☆☆☆

احیائے دین اور ہماری غفلت

''احیائے ملت اور حمایتِ دین مسلمانوں کے لیے تمام ضروریات میں سب سے اعلیٰ ضرورت ہے اس کا احساس و ادراک کریں۔ اور علما کی معاش کی طرف سے غفلت نہ برتیں مگر بجائے اس کے ان پر یہ الزام لگانا کہ وہ بے کار ہیں دین کو بے کار سمجھنا ہے۔''

تاج العلما سید محمد میاں مارہروی قدس سرہٗ

(پاسبان الٰہ آباد، جون ۱۹۶۳ء، ص ۲۰)

کنز الایمان اور تفہیم القرآن کا تقابلی جائزہ

مولانا محمد صدیق ہزاروی سعیدی ازہری، لاہور

قرآن مجید واحد کتاب ہے، جس کی تلاوت باعث اجر و ثواب اور اس پر عمل رفعت و سرفرازی کا اہم زینہ ہے، یہ کتاب جسمانی اور روحانی بیماریوں سے شفا کا اہم ذریعہ بھی ہے۔ اور طہارت و تزکیہ کے حصول کی ضمانت بھی۔ الہامی کتب کی یہ آخری سوغات کتاب ہدایت ہے اور تقدیس خداوندی ناموس رسالت اور احترام مسلم کی حفاظت کا سامان بھی۔

قرآن مجید کا نزول اس زبان میں ہوا جو اس کے پہلے مخاطبین اور اس رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان ہے یعنی عربی۔ اور یہی بات رحمت خداوندی کا تقاضا اور حکمت الٰہیہ کا مطلوب رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نمائندے (رسل عظام) اسی زبان کے ساتھ تشریف لائے، جو ان کی قوم اور اس ماحول میں بسنے والی قوم کی زبان تھی جہاں ان کو مبعوث کیا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (سورۃ ابراہیم: ۴)

''اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انھیں صاف بتائے۔''

لیکن رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ صرف خاتم النبیین بن کر اور ختم نبوت کے تاج سے سرفراز ہو کر تشریف لائے بلکہ عالم گیر اور دائمی پیغام رسالت آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ کی نبوت و رسالت کے دامن رحمت سے وابستہ لوگ قوم نہیں، اقوام ہیں، لغت واحدہ نہیں لغات متعددہ کے حامل ہیں اس لیے جہاں یہ بات ضروری ہے کہ قرآن مجید تلاوت و قراءت اور اثر آفرینی کے اعتبار سے اپنی اصل زبان (عربی) میں قائم و ثابت رہے اور ہر قسم کے دست برد سے محفوظ رہے اور اس عظیم مقصد کے لیے اس کو تحفظ کے حصار میں لیا جائے اور یوں اعلان کر دیا جائے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورۃ الحجر: ۹)

''بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہ بان ہیں''

وہاں منشائے خداوندی یہ بھی ہے کہ اس کے افادہ و استفادہ کو عام کرنے کے لیے اس کو دوسری زبانوں میں منتقل کیا جائے تا کہ مشرق و مغرب، شمال و جنوب اور عرب و عجم کے لوگ اس کی ہدایت کو حرز جاں بنا کر ھُدًی لِّلنَّاسِ کے اعلان خداوندی پر مہر تصدیق بھی ثبت کر دیں اور کائنات انسانیت ضلالت و گم راہی کی وادیوں میں بھٹکنے کے بجائے شاہراہِ ہدایت پر جادہ پیما بھی ہو جائے۔ اسی

عظیم مقصد کے حصول کے لیے دیگر زبانوں کی طرح اردو میں بھی قرآن مجید کے تراجم لکھے گئے اور برصغیر کے لوگوں کے لیے قرآن مجید کی راہ آسان کر دی گئی۔

کسی مضمون کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرتے ہوئے جہاں لغت کا خیال رکھنا پڑتا ہے وہاں یہ بات پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ ہر زبان کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں، ایک لفظ عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے تغیرات مختلف ہوتے ہیں۔ جب ہم اس کو اردو زبان میں منتقل کرتے ہیں تو اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے کہ یہاں کون سی تعبیر مناسب ہے اور ایسی تعبیر سے بچنا لازم ہو جاتا ہے جس سے تقدیس خداوندی یا ناموس رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حرف آئے یا منشائے خداوندی کی نفی ہوتی ہو۔ مثلاً لفظ مکر عربی زبان میں معیوب نہیں کیوں کہ اس کا معنی خفیہ تدبیر ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ لفظ مخالفین اسلام کفار کے لیے ذکر فرمایا وہاں اپنی ذات کے لیے بھی ذکر فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ط (سورۃ آل عمران:۵۴)

''اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی''

لیکن اردو زبان میں لفظ ''مکر'' فریب اور دھوکا دہی کے لیے استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے فلاں شخص بڑا مکار ہے گویا اردو زبان میں یہ لفظ کفار کے لیے تو استعمال کیا جا سکتا ہے منافقین پر تو چسپاں ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا شان کے لیے اس کا استعمال ممنوع ہے۔ اس لیے یہاں خفیہ تدبیر والا ترجمہ کرنا ہی مناسب اور ادب کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

لفظ ''ضال'' کا ایک معنی ''گم راہ'' ہے تو اس کے ساتھ ساتھ دیگر کئی معانی بھی ہیں، اگر یہ لفظ گم راہ لوگوں کے لیے استعمال کیا جائے تو اس سے گم راہی مراد لینا اور اردو ترجمہ میں لفظ گم راہ کا استعمال درست ہوگا لیکن جب یہی لفظ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوا تو یہاں اس معنی کو ترک کرنا فرض ہو گیا ورنہ معاذ اللہ ہادی دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب ہی نہیں خلاف وضع بات بھی لازم آئے گی کہ جس ذات کو ہادی بنا کر بھیجا گیا اس ذات کے لیے اس کے برعکس معنی کا استعمال کر کے مقصد نبوت و رسالت کی نفی کا جرم عظیم بھی لازم آئے گا۔

برصغیر میں مختلف مکاتب فکر کے زعما اور قائدین نے قرآن مجید کو اردو قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی اور بہ زعم خویش امت کی راہ نمائی کا قصد و ارادہ کیا لیکن یہ بات افسوس سے کہنا پڑتی ہے کہ ان لوگوں کے تراجم میں بعض مقامات مفید ہونے کی بجائے نقصان دہ ثابت ہوئے اور جن ذوات کی عزت و احترام کو دین پر عمل کی بنیاد قرار دیا گیا تھا اور وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (سورۃ الفتح:۹) ''اور رسول کی تعظیم

و توقیر کرو'' ...... ایسے اہم اعلان کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کو ناموس رسالت اور یہودیوں کی اعتقادی بداعتدالیوں کی طرف وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (سورۃ انعام:۹۱) ''اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی''

کے ذریعے اشارہ کر کے امت مسلمہ کو تقدیس خداوندی اور ناموس رسالت کے تحفظ کے نورانی پرچم کو تھامنے کی طرف متوجہ کیا گیا تھا، ان تراجم نے امت مسلمہ کو اس سے محرومی کی راہ دکھائی جب کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فقیہ اسلام مجدد دین و ملت الشاہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر رسا کے نتیجے میں ''کنزالایمان'' کے نام سے ایک ایسا ترجمۂ قرآن منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا جو ان تمام خوبیوں کا حامل ہے جن کا کسی ترجمۂ قرآن میں ہونا ضروری ہے اور ان تمام خرابیوں سے مبرا ہے جو دیگر تراجم میں نظر آتی ہیں۔

برصغیر کے تراجم قرآن اور کنزالایمان کے درمیان تقابلی جائزہ متعدد بار علمائے کرام نے پیش کیا اور دلائل کی روشنی میں کنزالایمان کی عظمت اور افادیت کو ثابت کیا ہے۔

مولانا مودودی ایک خاص فکر کے حامل لوگوں کی امارت و قیادت کے منصب پر فائز ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا تعارف دیگر ممالک میں بھی ہے، انھوں نے ''تفہیم القرآن'' کے نام سے قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر لکھی لیکن افسوس! کہ انھوں نے بھی بعض مقامات پر ٹھوکر کھائی اور تقدیس خداوندی اور ناموس رسالت کے تقاضوں کو نظر انداز کر گئے۔ ہم نے اسی سلسلے میں چند آیات کا انتخاب کیا ہے جن کے حوالے سے کنزالایمان اور تفہیم القرآن کا تقابلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے یقیناً اسے پڑھنے کے بعد کوئی بھی منصف مزاج شخص اس اقرار سے فرار کی راہ اختیار نہیں کر سکتا ہے کہ اس سلسلے میں فکرِ رضا ہی فکر رسا ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵ر میں ارشادِ خداوندی ہے:

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ اس کا ترجمہ مولانا مودودی نے یوں کیا ہے ''اللہ ان سے مذاق کرتا ہے''۔

جب کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے)''

یقیناً استہزا کسی کو ہلکا سمجھنا ہے، مذاق کے اندر بھی دوسرے کی تحقیر ہوتی ہے۔ لیکن یہاں استہزا کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہو رہی ہے۔ اس لیے ادب کا تقاضا یہی تھا کہ اس کا معنی مذاق نہ کیا جائے یہی لفظ اس سے پہلے آیت نمبر ۱۴ر میں کفار کے قول کے طور پر مذکور ہے کہ وہ اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں:

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ یہاں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں ترجمہ فرمایا:

"ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے تھے"

یہ وہ خوبی ہے جو کنز الایمان کے علاوہ کہیں اور نظر نہیں آتی کیوں کہ کفار یا کسی عام آدمی کا ہنسی مذاق کرنا ان کی شان کے خلاف نہیں لہٰذا اسی لفظ کا یہ ترجمہ فرمایا لیکن چوں کہ ہنسی مذاق کا عمل اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہے لہٰذا آپ نے اللہ تعالیٰ کے حوالے سے یہ ترجمہ نہیں فرمایا۔ اس لیے امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تفصیلی بحث کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ ان کو ان کے استہزا کا بدلہ دیتا ہے۔

سورۃ النمل میں ارشاد خداوندی ہے: وَمَکَرُوْا مَکْرًا وَّمَکَرْنَا مَکْرًا (سورۃ النمل: ۵۰)

یہاں مودودی صاحب ترجمہ کرتے ہیں:

"یہ چال تو وہ چلے پھر ایک چال ہم نے چلی"...... لفظ چال کا اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ذوقِ سلیم پر کتنا بھاری اور ادب کی دنیا سے کس قدر بیگانہ ہے حالاں کہ خود مودودی صاحب سورۃ آل عمران میں اس کا ترجمہ خفیہ تدبیر سے کرتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہاں آکر وہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا مناسب ترجمہ "خفیہ تدبیر" ہی ہے یقیناً کچھ اعتقادی کم زوری ہے جس نے نسیان یا ذہول کی کیفیت پیدا کردی۔ اس موقع پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ترجمہ فرماتے ہیں:

"اور انھوں نے اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی"

کتنا پُر حکمت انداز ہے کفار کے لیے ان کے مناسب اور ذاتِ باری کے لیے اس کے شایانِ شان ترجمہ فرمایا جب کہ مودودی صاحب نے سورۃ آل عمران میں "خفیہ تدبیر" والا معنی کیا لیکن کفار کے لیے بھی یہی لفظ استعمال کیا اور اللہ تعالیٰ کے لیے بھی۔ (دیکھیے تفہیم القرآن سورۃ آل عمران آیت ۵۴) یعنی نمل میں اللہ تعالیٰ اور کفار دونوں کے لیے لفظ 'چال' کا استعمال اور سورۃ آل عمران میں دونوں کے لیے 'خفیہ تدبیر' والا ترجمہ کر کے امتیاز کی راہ اختیار کرنے سے بھی گریز کیا۔

سورۃ الاعراف کی آیت ۹۹ رمیں ارشاد خداوندی ہے:

اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ

یہاں بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اللہ تعالیٰ کے لیے خفی تدبیر کے الفاظ استعمال کر رہے ہیں جب کہ مودودی صاحب نے اللہ تعالیٰ کے لیے "چال" کا لفظ استعمال کیا جب کہ "چال باز" لفظ کا استعمال ایک دین دار مسلمان کے لیے بھی جائز نہیں تو اللہ تعالیٰ کی شان کے لیے کیسے مناسب ہو سکتا ہے؟

سورۃ الاعراف آیت ۸۸ رمیں ارشاد خداوندی ہے:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا

یہاں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کا ترجمہ اس طرح ہے:

"اس کی قوم کے متکبر سردار بولے، اے شعیب! قسم ہے کہ ہم تمھیں اور تمھارے ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں آجاؤ"

مودودی صاحب یہاں ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"اے شعیب! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے ورنہ تم لوگوں کو ہمارے دین میں واپس آنا ہوگا۔"

غور کیجیے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ بھی جانتے تھے کہ "لتعودن" کا معنی بہ ظاہر واپس آنا یا لوٹنا ہے لیکن آپ کی ایمان افروز بصیرت نے آپ کو "واپس آنے" والے ترجمہ سے روکا کیوں کہ واپسی وہاں ہوتی ہے جہاں سے آدمی جاتا ہے تو معاذ اللہ حضرت شعیب علیہ السلام پہلے ان لوگوں کے دین پر تھے جو کفر تھا۔ اور اب ان کو واپس بلایا جا رہا ہے اس لیے آپ نے "واپس آنا ہوگا" کی بجائے یوں ترجمہ فرمایا "تم ہمارے دین میں آجاؤ" جب کہ مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ ورنہ تم لوگوں کو ہمارے دین میں واپس آنا ہوگا۔ مفسرین کرام نے یہاں تفصیلی گفتگو کی ہے جس سے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کنز الایمان کی تصدیق وتائید ہوتی ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ "عاد یعود" "صار یصیر" کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی لوٹنے کی بجائے معنی "آنا" مراد ہوتا ہے۔

(راقم (محمد صدیق ہزاروی) نے اپنے کتابچہ "کنز الایمان تفاسیر کی روشنی میں" مطبوعہ رضا اکیڈمی لاہور میں اس کی تفصیل نقل کی ہے۔)

حضرت آدم علیہ السلام کا مشہور واقعہ یعنی جنت کے درخت سے کھانے کے حوالے سے ارشاد خداوندی ہے:

وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ۝ (سورۃ طٰہٰ: ۱۲۱)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مقام نبوت کے آداب اور ناموس نبی کی حفاظت کو سامنے رکھتے ہوئے اس آیت کا یوں ترجمہ فرمایا:

"اور آدم (علیہ السلام) سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی"

اس مطلب کے حوالے سے صدر الافاضل حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ رقم طراز ہیں:

''اور اس درخت کے کھانے سے دائمی حیات نہ ملی پھر حضرت آدم علیہ السلام توبہ واستغفار میں مشغول ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کی۔'' (تفسیری حاشیہ خزائن العرفان)

مودودی صاحب نے یوں ترجمہ کیا:

''آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہ راست سے بھٹک گئے''

''آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی'' تاج دار بریلی کا یہ ترجمہ کوثر وتسنیم میں دھلی ہوئی زبان اور ناموس رسالت کے تحفظ کا آئینہ دار ہے۔ جب کہ مودودی صاحب حضرت آدم علیہ السلام کو نافرمان قرار دے رہے ہیں اور راہ راست سے بھٹکا ہوا قرار دے رہے ہیں۔ یہ ترجمہ عظمت نبوت کے سراسر خلاف اور ادب واحترام کی دنیا سے بے گانگی کا ثبوت ہے۔ اسی آیت کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

''بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریص کے زیر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے''

''معصیت'' اور ''پستی میں گرنے'' کے الفاظ قابل توجہ ہیں۔ بلاشبہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ الفاظ ان کو عام انسانوں جیسے بشر سمجھنے کی فکر کے عکاس بھی ہیں۔

ہم نے چند مثالوں کے ذریعے قارئین کو یہ بات بتانے کی کوشش کی ہے کہ کنزالایمان کی عظمت، افادیت، فرق مراتب کا لحاظ اور دیگر بہت سے محاسن نے اس ترجمہ کو تمام اردو تراجم میں منفرد مقام عطا کیا ہے اور یہ ترجمہ مترجم کے حسن اعتقاد، فکر آخرت اور اللہ تعالیٰ اور رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی محبت اور ان کے مقام ومرتبہ کو سمجھنے کے حوالے سے اپنی مثال آپ ہے۔

☆☆☆

رئیس الفقہاء امام احمد رضا محدث بریلوی

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی

امام احمد رضا خاں محدث بریلوی (م ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) عہد جدید کے عظیم عبقری تھے، جس پر ان کی علمی تحقیقات وتصنیفات شاہد اور زمانہ خود گواہ ہے۔ زمانے نے ان کو جانچا، پرکھا اور پھر آفتاب، ماہ تاب بنا دیا۔ ان کی روشنی دور دور پھیلی۔ ان کی آواز دور دور پہنچی۔ علمائے عرب نے ان کے فضل وکمال کی کھلے دل سے داد دی اور خوب سراہا۔ چناں چہ شیخ عبدالرحمٰن دھان مکی فرماتے ہیں:

الذی شهد له علماء البلدالحرام بانه السید الفرد الامام [1]

ترجمہ: وہ جس کے متعلق مکہ معظمہ کے علمائے کرام گواہی دے رہے ہیں کہ وہ سرداروں میں یکتا و یگانہ ہے۔

اور شیخ عبداللہ نابلسی مدنی فرماتے ہیں:

وهو لنا درة هذاالزمان وغرة هذاالدهر والأوان......سید الشیوخ والفضلاء الکرام یتیمةالدهر بلاتوان [2]

ترجمہ: وہ نادر روزگار، اس وقت اور اس زمانے کا نور۔ معزز مشائخ اور فضلا کا سردار، بلا تامل وہ زمانے کا گوہر یکتا۔

شیخ محمد عارف بن محی الدین ابن احمد فرماتے ہیں:

فکلامه......یدل علی کمال علمه [3]

ترجمہ: ان کا کلام ان کے کمال علم پر دلالت کرتا ہے۔

اور دمشق ہی کے علامہ شیخ محمد القاسمی تحریر فرماتے ہیں:

جامع الکمالات والفضائل من الخط دون شرفه کل متطاول فانه بن الفضل وابوه والمذعن لفضله اعداؤه و محبوه ،مقداره فی العلم جلیل و مثله فی الانام قلیل [4]

ترجمہ: فضائل وکمالات کے ایسے جامع ہیں جن کے سامنے بڑے سے بڑا ہیچ ہے، وہ فضل کے باپ اور بیٹے ہیں۔ ان کی فضیلت کا یقین دشمن و دوست دونوں کو ہے، ان کا علمی مقام بہت بلند ہے، ان کی مثال لوگوں میں بہت کم ہے۔

پاک وہند کے فضلا ومحققین میں ان کی دھوم ہے۔ چناں چہ پاکستان کے مشہور محقق و دانش ور

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب (سابق صدر شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی حیدر آباد، سندھ) فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اپنے دور کے بے مثل علما میں شمار ہوتے ہیں، ان کے فضل وکمال، ذہانت وفطانت، طبّاعی و درّاکی کے سامنے بڑے بڑے علما، فضلا، یونی ورسٹیوں کے اساتذہ، محققین اور مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے۔[۵]

۱۹۲۱ء میں جب امام احمد رضا کا وصال ہوا تو لاہور کے پیسہ اخبار نے اپنے اداریہ میں ایک تعزیتی نوٹ لکھا جس کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پاک وہند میں امام احمد رضا کا بڑا چرچا تھا اور ان کے فضل و کمال کے سب قائل تھے، اداریہ نگار لکھتا ہے:

آپ ہندستان میں علوم اسلامیہ دینیہ کے آفتاب تھے، بڑے فاضل اور تبحر و جید بعید عالم...... آپ کی وفات سے ہندستان کی ایک ایسی برگزیدہ ہستی اُٹھ گئی جس کی خالی جگہ پر کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔[۶]

امام احمد رضا کے فضل وکمال کے ساتھ ساتھ ان کی وسعت علم کے بھی فضلا و دانش ور قائل نظر آتے ہیں۔ چناں چہ پروفیسر غیاث الدین قریشی (نیو کاسل یونی ورسٹی، انگلینڈ) لکھتے ہیں:

انھوں نے اپنے وسیع اور عمیق علم کے طفیل اپنی ذات میں ایک اسلامی یونی ورسٹی کی بلندیاں جمع کر لی ہیں۔[۷] (انگریزی سے ترجمہ)

اور پروفیسر ایس۔ ٹی۔ علی نقوی (صدر شعبۂ کیمیا، گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ سندھ) لکھتے ہیں:

وہ اپنے عہد کے عظیم فقیہ اور مصنف تھے، ان کا علم وسیع اور بوقلموں تھا۔ وہ ۵۰ر علوم وفنون پر مہارت تامہ رکھتے تھے۔[۸] (انگریزی سے ترجمہ)

عہدِ جدید کے مشہور مصنف مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم وفضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے۔ فی الواقع وہ علومِ دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور ان کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔[۹]

پاکستان کے سن رسیدہ صحافی وقلم کار میاں عبدالرشید اپنی انگریزی کتاب ''پاک و ہند میں اسلام'' (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء) میں لکھتے ہیں:

حضرت احمد رضا خاں بریلوی برصغیر کی چند غیر معمولی شخصیات میں سے ایک تھے۔ وہ ہمہ گیر عبقری، نہایت ذہین اور منتقی اور فقہ اسلامی کے ماہر...... ان کا علم ہمہ گیر تھا۔[۱۰] (انگریزی سے ترجمہ)

بلاشبہ امام احمد رضا اپنے عہد کے ایک عظیم فقیہ تھے۔ طبقات فقہا میں امام احمد رضا کو جو مقام

حاصل ہے وہ ان کے معاصرین میں کسی کو حاصل نہیں تھا۔ فقیہ کا ایک امتیازِ خاص یہ ہے کہ اس کو آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ پر کامل عبور ہو۔ امام احمد رضا کی قوت حافظ قرنِ اول کی یاد دلاتی ہے، وہ خود حافظ قرآن تھے اور معانی ومفاہیم سے آشنا...... ان کے سامنے نہ صرف قرآن کے الفاظ تھے بلکہ اس کے معانی اور روحِ معانی بھی...... ان کا فکر وخیال آیات واحادیث سے آباد تھا۔ حدیث میں ان کے مقام کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خود علمائے عرب ان کی شان میں یہ اظہار فرما رہے ہیں:

کیف لا وھو امام المحدثین [۱۱] ترجمہ: کیوں نہیں، وہ تو محدثین کے امام ہیں۔

اور ڈاکٹر سید محمد عبدالرشید (چیئرمین شعبۂ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی لاہور) نے امام احمد رضا کو ''عبقری فقیہ''، ''صاحبِ نظر مفسّر قرآن'' اور ''عظیم محدث'' قرار دیا ہے۔[۱۲]

سجادہ نشین مارہرہ شریف (بھارت) حضرت حسن میاں مارہروی ۲۸ر جولائی ۱۹۸۴ء کو راقم کے غریب خانے پر تشریف لائے اور دیر تک علمی گفتگو فرماتے رہے، اثنائے گفتگو فرمایا:

''حضرت شاہ اولادِ رسول مارہروی، اعلیٰ حضرت کے لیے فرماتے تھے کہ وہ ''فقیہ النفس'' تھے، ان کے الفاظ اپنی جگہ ایسے تھے جیسے میخ۔''

حضرت شاہ اولادِ رسول مارہروی، امام احمد رضا کے معاصر تھے، صاحبِ علم وفضل اور ۳۰ر کتابوں کے مصنف، ۱۳۷۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی، امام احمد رضا کے ہم خیال نہ ہوتے ہوئے بھی یہ اظہار خیال فرماتے ہیں:

''جزئیات فقہ پر جو ان کو عبور حاصل تھا، ان کے زمانے میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔''[۱۳]

اور جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری (جج سپریم کورٹ آف پاکستان، شریعت بنچ) فرماتے ہیں:

''علومِ دینیہ، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں آپ کو جو عدیم النظیر مہارت حاصل تھی اس میں تو کسی کو کلام نہیں۔''[۱۴]

اس میں شک نہیں کہ بہ حیثیت فقیہ امام احمد رضا جامع فضائل وکمالات تھے...... وہ حق پسند بھی تھے، عدل گستر بھی اور حق گو بھی...... وہ امین بھی تھے، مخلص بھی، زاہد وعابد بھی اور متقی بھی...... وہ معقولیت پسند بھی تھے اور بلند خیال بھی...... وہ بے ریا اور بے نفس تھے...... ایسے صداقت شعار کہ قول وفعل میں اصلاً تضاد نہیں...... وہ باعزت تھے، باوقار تھے، ضدی اور ہٹ دھرم نہ تھے...... جو کہتے اس پر عمل کر کے دکھاتے...... بے باک وگستاخ اور خودسر ومغرور نہ تھے...... زمانے کے نبض شناس تھے اور علوم وفنون کے ماہر...... دوست کی دوستی اور دشمن کی دشمنی سے بے نیاز...... وہ ہشیار تھے، بے خبر نہ تھے...... ان کی نظر ہمہ گیر تھی، اور ان کا قلم جاں نواز...... وہ صاحب بصیرت تھے، ان کی نظر پس منظر اور پیش منظر پر بھی رہتی تھی...... بندگانِ خدا کو مشکل میں نہیں ڈالتے تھے، ان کے خدا ورسول نے جو سہولتیں ان کو دیں ان کا

خیال رکھتے تھے......وہ زمانے کی حرکی قوت سے آگاہ تھے......تہذیبوں اور تمدنوں کے اتار چڑھاؤ اور رسم و رواج کے نشیب و فراز سے واقف تھے......ان کا دماغ روشن......ان کا دل منور تھا......کتب حدیث و فقہ پر گہری نظر تھی......تمام مسائل شرعیہ مع دلائل شرعیہ مستحضر تھے......وہ تصنیف کے ساتھ ساتھ مصنف کے مقام و مرتبے سے بھی آگاہ تھے......ان کو زبان و بیان پر حیرت انگیز قدرت تھی......عربی، فارسی اور اردو میں بے تکان لکھتے چلے جاتے......ان کی فقہی نگارشات میں بہ کثرت ادب پارے ملتے ہیں......انھوں نے تحقیق، تدقیق کا وہ اعلیٰ معیار قائم کیا کہ دور جدید میں جس کی نظیر نہیں ملتی......ان کی طنزیات میں بھی ابتذال نہیں......وہ اپنے قاری کو پہچانتے ہیں اور اس کو مطمئن کر کے چھوڑتے ہیں......وہ اپنے قاری کو کسی الجھن میں مبتلا نہیں کرتے......مطالب و معانی خود ان کے ذہن میں صاف ہوتے ہیں، وہ بڑی صفائی سے اپنی باتیں صاف صاف بتاتے چلے جاتے ہیں جو دل میں اترتی چلی جاتی ہیں......وہ دلائل و شواہد کے اتنے انبار لگا دیتے ہیں کہ قاری کا فکر و خیال پیاسا نہیں رہتا بلکہ ایسا سیر ہو جاتا ہے کہ پھر کبھی پیاس ہی نہیں لگتی......ان کی تحقیقات مبالغہ آرائی اور حشو و زوائد سے پاک ہیں......ان کے اسلوب بیان میں قطعیت ہے......ان کو اپنے حافظہ پر پورا بھروسہ ہے......وہ متن کی صحت کا خاص اہتمام رکھتے ہیں......معاصر شہادتوں کو چھان پھٹک کر قبول کرتے ہیں......علوم و فنون کی مصطلحات سے پوری طرح باخبر ہیں، انھوں نے علوم و فنون کو تفصیل و تشریح عطا فرمائی اور نظم و ضبط دیا......وہ دلائل و براہین کو ترتیب و تدریج کے ساتھ بیان کرتے ہیں......وہ بڑی خوبی سے مضمون پھیلاتے ہیں، پھر سمیٹتے چلے جاتے ہیں اور کمال مہارت سے دریا کو کوزے میں بند کر دیتے ہیں......ان کے ہاں جامعیت، صحت اور دیانت داری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں......ان کی فقہی تنقیدات بھی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات ہیں......وہ جب فیصلہ کر لیتے ہیں تو پیچھے نہیں ہٹتے......ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم، امام احمد رضا کی علمیت و فقاہت اور قوت فیصلہ پر اظہار خیال فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

''ہندستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا......میں نے ان کے فتاویٰ سے یہ رائے قائم کی ہے اور ان کے فتاویٰ ان کی ذہانت، فطانت اور جودت طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں......مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے تھے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے، یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے تھے۔'' [15]

فن فتویٰ نویسی میں امام احمد رضا کا جواب نہ تھا، ان کا سلسلۂ حدیث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے منسلک ہے......انھوں نے فقہ میں سند شیخ عبدالرحمٰن حنفی مکی سے حاصل کی جن کا سلسلہ حضرت عبداللہ بن مسعود تک پہنچتا ہے......امام احمد رضا نے ۱۴ر شعبان ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء کو فتویٰ نویسی کا آغاز کیا اور ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء کو فتویٰ نویسی کی مطلق اجازت مل گئی۔ پھر

جب ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں ان کے والد ماجد علامہ مفتی محمد نقی علی خاں کا وصال ہوا تو امام احمد رضا مستقل طور پر مسند افتا پر فائز ہو گئے......مجموعی طور پر ۵۴ رسال امام احمد رضا نے فتوے لکھے، ان کی سرعت تحریر کا یہ عالم تھا کہ مسودات کو چار نقل کرنے والے بیک وقت نقل کرتے جاتے، یہ فارغ بھی نہ ہوتے کہ پانچواں صفحہ تیار ہو جاتا......اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا نے اپنی زندگی میں کتنا کچھ لکھا ہوگا......امام احمد رضا کے ہاں ساری دنیا سے استفتا اس قدر آتے کہ کسی مفتی کے پاس اتنی تعداد میں فتوے آتے نہ سنے......ایک وقت میں پانچ پانچ سو استفتا جمع ہو جایا کرتے......خود امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں:

''فقیر کے یہاں علاوہ......دیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کار فتویٰ اس درجے وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے۔ شہر و دیگر بلاد و امصار جملہ اقطار ہندستان، بنگال و پنجاب و ملیبار، برما و ارکان و چین و غزنی و امریکہ و افریقہ حتیٰ کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتا آتے ہیں اور ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے ہیں۔'' [16]

امام احمد رضا کے مجموعہ فتاویٰ کی بارہ جلدیں یادگار ہیں بقول مولانا افتخار احمد قادری (رکن المجمع الاسلامی، مبارک پور اعظم گڑھ، بھارت) فتاویٰ رضویہ کی پانچ جلدیں مبارک پور سے شائع ہو چکی ہیں، چھٹی جلد کتابت ہو رہی ہے، ساتویں اور آٹھویں دار الاشاعت مبارک پور میں محفوظ ہیں، اس کے بعد مزید چار جلدیں بریلی میں محفوظ ہیں۔ [17] امام احمد رضا کے مجموعہ فتاویٰ کی فقہی اور دینی حیثیت تو مسلّم ہے، لیکن دوسری کئی حیثیات سے بھی اہم ہے......تاریخی، سیاسی، علمی، لسانی، ادبی، عمرانیاتی، اقتصادی، معاشرتی، سوانحی وغیرہ وغیرہ......فتاویٰ رضویہ اپنے دامن میں بہت سے علوم و فنون کو سمیٹے ہوئے ہے......امام احمد رضا کے فتاویٰ عربی، فارسی، اردو میں ہیں اور ہر زبان میں ایسی پیاری تحریر گویا یہ ان کی مادری زبانیں ہیں......بعض فتوے انگریزی زبان میں ترجمہ کیے گئے ہیں، کیوں کہ مستفتی جس زبان میں سوال کرتا تھا اس کو اسی زبان میں جواب بھیجا جاتا تھا......انگریزی زبان میں ایک استفتا ۱۹۰۸ء کو محمد قادر غنی نے رنگون (برما) سے بھیجا تھا، جس کا جواب ۲۸ رمئی ۱۹۰۸ء کو ارسال کیا گیا۔ اس کا عکس معارف رضا (کراچی ۱۹۸۲ء) میں شامل ہے......امام احمد رضا اس کا لحاظ تو رکھتے ہی تھے کہ جس زبان میں استفتا آئے اسی زبان میں جواب لکھا جائے لیکن اس کا بھی اہتمام رکھتے تھے کہ استفتا منثور آتا تو جواب منثور دیا جاتا اور منظوم استفتا آتا تو جواب منظوم دیا جاتا......''فتاویٰ رضویہ'' میں منظوم فتوے بھی ہیں۔ امام احمد رضا کی فقہی تحقیقات اور فاضلانہ فتوے نے بہت سے علما کو مفتی بنا دیا۔ مخالف و موافق سب ان کے فتووں سے استفادہ کرتے ہیں، بعض ان کا حوالہ دیتے ہیں اور بعض یہ تکلیف گوارا نہیں کرتے اور امام احمد رضا کی تحقیقات کو اپنے حساب میں لگا لیتے ہیں۔ بہرکیف امام احمد رضا اجر و ثواب

سے محروم نہیں رہتے۔

امام احمد رضا کے مجموعۂ فتاویٰ ''العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ '' کو قانون کے ماہرین نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے، چناں چہ ہندوستان کے مشہور قانون داں اور ممبئی ہائی کورٹ کے جج پروفیسر ڈی۔ ایف ملا نے امام احمد رضا کے فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ عالم گیریہ کو فقہ اسلامی کا شاہ کار قرار دیا ہے۔ [18]

اور پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد (استاذ شعبۂ علوم اسلامیہ، کراچی یونی ورسٹی، کراچی) لکھتے ہیں:

''فقہ کے میدان میں آپ کے فتاویٰ فقہ اسلامی کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہیں جو آپ کو مجتہد کے درجے پر فائز کرنے کے لیے کافی ہیں۔'' [19]

ہندستان کا مشہور عالم شہرت یافتہ علمی مجلّہ ''معارف'' (اعظم گڑھ) فتاویٰ رضویہ اور امام احمد رضا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''دینی علوم خصوصاً فقہ و حدیث پر ان کی نظر وسیع اور گہری تھی۔ مولانا جس دقتِ نظر اور تحقیق کے ساتھ علما کے استفسارات کے جواب تحریر فرماتے ہیں اس سے ان کی جامعیت، علمی بصیرت، فقہی جز رسی، استحضار، ذہانت، طبّاعی کا پورا پورا اندازا ہوتا ہے...... ان کے عالمانہ اور محققانہ فتاویٰ مخالف و موافق ہر طبقے کے مطالعہ کے لائق ہیں۔'' [20]

شیخ ابو الفتاح ابو غدہ (پروفیسر کلیۃ الشریعہ محمد بن سعود یونی ورسٹی، ریاض) نے فتاویٰ رضویہ کا صرف ایک عربی فتویٰ مطالعہ کیا تو وہ حیران رہ گئے، خود فرماتے ہیں:

''عبارت کی روانی اور کتاب و سنت و احوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران ہو گیا اور ششدر رہ گیا اور اس ایک فتوے کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کر لی کہ یہ شخص کوئی عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے۔'' [21] (عربی سے ترجمہ)

مشہور محقق و قلم کار اور امام احمد رضا کے معاصر مولانا وحید احمد مسعود بدایونی نے بڑی دل لگتی بات فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا علم نافع ان کی فقاہت پر منتہی تھا...... اسی سے انھیں مقبولیت حاصل ہوئی اور اسی سے ان کا نام زندہ ہے۔'' [22]

یہ فضلا وہ ہیں، جو دل کی آواز پر لبیک کہتے ہیں...... جو نفس کے اشاروں پر نہیں چلتے...... جو روزِ روشن میں آنکھیں بند نہیں رکھتے...... وہی کہتے ہیں، جو ان کا دل کہتا ہے...... عالم اسلام کے موافق و مخالف فضلا و دانش وروں نے جن جن القاب و آداب سے نوازا اور ان کے علم و فضل پر جو جو اظہار خیال کیا اس کو بیان کرنے کے لیے ایک دفتر چاہیے...... ان حضرات کے تاثرات پر مشتمل پاکستان اور

ہندستان سے اب تک چھ مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور مزید شائع ہونے والے ہیں۔

امام احمد رضا کے مستفتیوں میں علما و فضلا کے علاوہ پاک و ہند کی عدالت ہائے عالیہ کے جج بھی شامل ہیں اور کلیات و جامعات کے پروفیسر بھی...... جسٹس محمد دین مرحوم (چیف، کورٹ بہاول پور) جب ایک مقدمہ کا فیصلہ نہ کر سکے، مفتیوں سے آٹھ فتوے لیے پھر بھی وہ مطمئن نہ ہو سکے تو انھوں نے ہدایت کی کہ پورا مقدمہ متعلقہ فتوؤں کی نقول کے ساتھ امام احمد رضا کی خدمت میں پیش کیا جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ:

''ان تمام فتاویٰ کو ملاحظہ فرمادیں اور ان سوالات حل طلب کے متعلق اپنی رائے کا مع استناد جواب تحریر فرما کر بہت جلد مرحمت فرمادیں...... مقدمہ چوں کہ عرصے سے دائر ہے اس لیے نتیجہ کے بھجوانے کی استدعا کی جاتی ہے کہ بہت جلد عدالت ھٰذا میں بھجوادیا جاوے۔'' [23]

اسی طرح اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر ریاضی اور پرنسپل مولوی حاکم علی مرحوم، امام احمد رضا سے سائنسی، علمی اور سیاسی موضوعات پر گفتگو فرماتے اور فتوے لیتے تھے...... تحریک ترک موالات (۱۹۲۱ء) کے زمانے میں انھوں نے امام احمد رضا سے جو فتویٰ لیا (اور جو ڈاکٹر اقبال کی نظر سے بھی گزرا) مشہور و معروف ہے۔ [24] اس فتویٰ نے تحریک ترک موالات کے حامیوں کی اصلاح کی اور ان کو (مسلمانوں کو) تباہی سے بچایا۔

امام احمد رضا نے فن فتویٰ نویسی میں جن کی تربیت فرمائی وہ بھی اپنے عروج کو پہنچے...... ان میں قابل ذکر حضرات یہ ہیں: مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا سید شاہ غلام بہاری، مولانا محمد ظفر الدین بہاری، حکیم سید عزیز غوث اور مولانا نواب مرزا وغیرہ۔

مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ، امام احمد رضا کے چھوٹے صاحب زادے تھے، فن فتویٰ نویسی میں اپنی مثال آپ تھے۔ امام احمد رضا نے مولانا امجد علی اعظمی اور آپ کو منصب افتا و قضا پر مامور فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

''ان دونوں کو نہ صرف مفتی بلکہ شرع کی جانب سے دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں کہ ان کے فیصلے کی وہی حیثیت ہو گی جو ایک قاضی اسلام کی ہوتی ہے۔'' [25]

علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں کا مجموعہ فتاویٰ ''فتاویٰ مصطفویہ'' کے نام سے ۱۹۸۴ء میں ادارۂ تصنیفات امام احمد رضا (کراچی) نے شائع کر دیا ہے۔ اس سے قبل ہندستان سے بھی یہ شائع ہو چکا ہے۔

مولانا امجد علی اعظمی، امام احمد رضا کو دنیا بھر سے آنے والے استفتا سنایا کرتے تھے اور امام احمد رضا جواب میں جو ارشاد فرماتے وہ املا کرتے تھے، طبیعت اخاذ تھی۔ طرز سے واقف ہو گئے اور فتوے لکھتے رہے، فقہ میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ ''بہار شریعت'' ان کی مشہور تصنیف ہے۔ ان کا مجموعہ فتاویٰ

’’فتاویٰ امجدیہ‘‘ ہندستان سے شائع ہو چکا ہے......مولانا ظفر الدین بہاری بھی فقہ وحدیث میں بہت بلند مقام کے مالک تھے، فن حدیث میں ان کی تالیف ’’صحیح البہاری‘‘ قابل ذکر ہے۔[مولانا ظفر الدین بہاری کا مجموعہ فتاویٰ ’’فتاویٰ ملک العلما‘‘ کے نام سے بریلی سے شائع ہو چکا ہے-مرتب]

امام احمد رضا کے پر پوتے علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری (ابن علامہ محمد ابراہیم رضا خاں ابن علامہ محمد حامد رضا خاں ابن امام احمد رضا خاں) آج کل بریلی میں منصب افتا پر فائز ہیں۔ وہ جامعہ ازہر (قاہرہ، مصر) کے فارغ ہیں، بے تکان عربی لکھتے ہیں اور علم فقہ وحدیث میں مہارت رکھتے ہیں جس کا اندازا ان کے مطبوعہ فتوؤں سے ہوتا ہے۔

فتاویٰ کے علاوہ امام احمد رضا کی دیگر کتب وتصانیف خاص اہمیت رکھتی ہیں، جن کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہیں۔ ان کتب وتصانیف میں شروح وحواشی اہل علم کی توجہ کے مستحق ہیں۔ امام احمد رضا کے ایک جلیل القدر معاصر مولانا ہدایت رسول لکھنوی (م ۱۹۱۵ء) امام احمد رضا کے حواشی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’اعلیٰ حضرت کے حواشی خود ان کے افاضات وافادات ہوتے ہیں۔‘‘ ۲۶

خانقاہ مجددیہ مظہریہ دہلی کے سجادہ نشین علامہ ابوالحسن زید فاروقی الازہری دسمبر ۱۹۸۳ء میں پاکستان تشریف لائے۔ کراچی میں ایک ملاقات میں اثنائے گفتگو راقم سے فرمایا کہ وہ حیدر آباد دکن تشریف لے گئے، وہاں ردالمحتار پر امام احمد رضا کے عربی حاشیہ جدالممتار کے چند اوراق دیکھے تو حیران رہ گیا ۲۷...... جہاں صاحب ردالمحتار ایک دو کتابوں کا ذکر کرتے ہیں وہاں امام احمد رضا آٹھ دس کتابوں کے حوالے دے ڈالتے ہیں۔

شاہ اولاد رسول مارہروی (م ۱۳۷۲ھ) اسی حاشیے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اعلیٰ حضرت کو میں ابن عابدین شامی پر فوقیت دیتا ہوں کیوں کہ جو جامعیت اعلیٰ حضرت کے ہاں ہے وہ ابن عابدین شامی کے ہاں نہیں۔‘‘ ۲۸

سراج الفقہا مولانا سراج احمد (مفتی سراج العلوم، خان پور) امام احمد رضا کے معاصرین میں تھے، ان کے اساتذہ نے ان کو باور کرایا تھا کہ امام احمد رضا کو علم وتحقیق سے کوئی علاقہ نہیں، ان کی کتابیں پڑھنا بے سود ہے لیکن جب سراج الفقہا منصب افتا پر فائز ہوئے اور میراث کے ایک مسئلے میں ان کو الجھن پیش آئی تو مجبوراً انھوں نے امام احمد رضا سے رجوع کیا، امام احمد رضا نے ایسا تشفی بخش جواب عنایت فرمایا کہ سراج الفقہا حیران رہ گئے اور امام احمد رضا کی علمی عظمت کا نقش ان کے دل پر مرتسم ہو گیا...... انھیں ایام میں ان کی ملاقات ایک غیر مقلد عالم مولانا نظام الدین (احمد پور) سے ہو گئی جو ان کے مخلصین میں تھے۔ سراج الفقہا نے امام احمد رضا کا رسالہ ’’الفضل الموہبی‘‘ ان کو دکھایا، تو وہ حیران رہ

گئے اور عالم حیرت میں فرمایا:

’’یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے؟...... افسوس کہ میں ان کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا...... علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر، مولانا کے شاگرد ہیں...... یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں۔‘‘ ۲۹

امام احمد رضا کا تحقیقی معیار بہت بلند تھا، اپنی تصنیف ’’حجب العوار‘‘ (مطبوعہ لاہور) میں انھوں نے ماخذ اور اس کے متن پر علمی بحث کی ہے۔ ۳۰ اسی سے اندازا ہوتا ہے کہ وہ کیسے بلند پایہ محقق تھے۔

برکلے یونی ورسٹی (امریکہ) کے شعبۂ تاریخ کی فاضلہ ڈاکٹر باربرا۔ ڈی۔ مٹکاف اپنی کتاب میں لکھتی ہیں:

’’احمد رضا کی نگارشات کا انداز مدلل تھا جس میں بے شمار حوالوں کے ڈھیر ہوتے تھے جس سے ان کی علمی اور عقلی فضیلت کا اندازا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے مخالفین کی کوتاہیوں کا علم بھی ہوتا ہے۔‘‘ ۳۱ (انگریزی سے ترجمہ)

ڈاکٹر محی الدین الوائی جو پہلے جامعہ ازہر (قاہرہ، مصر) میں تھے اور اب مدینہ یونی ورسٹی میں پروفیسر ہیں اور مسلکاً اہل حدیث ہیں لیکن حق گو ہیں۔ وہ امام احمد رضا کی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’جن علمائے ہند نے مروجہ علوم عربیہ دینیہ کی خدمت میں اعلیٰ قسم کا حصہ لیا ہے ان میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کا نام سر فہرست نظر آتا ہے...... علوم عربیہ اسلامیہ کو آراستہ کرنے میں آپ کا بہترین ریکارڈ ہے۔‘‘ ۳۲

امام احمد رضا کی فقہی اور دینی خدمات پر کام ہو رہا ہے۔ چناں چہ پروفیسر ڈاکٹر محمد حنیف اختر فاطمی (صدر شعبۂ سائبر نٹکس، لندن یونی ورسٹی، انگلینڈ) نے امام احمد رضا کی تین فقہی اور دینی تصانیف کو سامنے رکھ کر انگریزی میں تین مقالات تحریر فرمائے ہیں:

(۱) اسلام کا تصور علم

(۲) اسلام کا تصور جہل

(۳) اسلام کا تصور دولت

پہلا مقالہ لاہور سے چھپ کر مجلس رضا، مانچسٹر (انگلینڈ) کی جانب سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔ پروفیسر محمد حنیف اختر صاحب نے کئی سال ہوئے امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کو انگریزی میں منتقل کیا تھا جو لاہور سے چھپ چکا ہے۔

’’کنزالایمان‘‘ کو پروفیسر شاہ فرید الحق (کراچی) اور سید آل رسول حسنین میاں نظمی (مارہرہ

شریف) انگریزی میں منتقل کررہے ہیں۔ اول الذکر کا ترجمہ مکتبۂ رضویہ نے کراچی سے شائع کردیا ہے۔

پروفیسر غیاث الدین قریشی (نیو کاسل یونی ورسٹی، انگلینڈ) نے امام احمد رضا کی قابل مطالعہ تصنیف ''تمہید ایمان'' کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو عن قریب مجلس رضا مانچسٹر کی طرف سے شائع ہو جائے گا ۳۳...... پروفیسر ڈاکٹر جے۔ ایم۔ ایس بلیان (شعبۂ اسلامیات، لیڈن یونی ورسٹی، ہالینڈ) بھی مجموعہ ہائے فتاویٰ کے تقابلی مطالعہ کے سلسلے میں امام احمد رضا کا فتاویٰ رضویہ مطالعہ کررہے ہیں اور نہایت ہی متاثر ہیں۔

امام احمد رضا کی فکر کا ہر گوشہ تحقیق و تدقیق کا متقضی ہے اور ایک الگ مقالے کا محتاج ہے...... راقم کو امام احمد رضا پر تحقیق کرتے ۱۴ رسال گزر چکے ہیں مگر ایسا محسوس ہوتا ہے ابھی ساحل سمندر تک بھی رسائی نہ ہوسکی، شناوری اور غوّاصی تو بہت دور کی بات ہے...... امام احمد رضا کی شخصیت بہ زبان حال یہ کہتی ہوئی معلوم ہوتی ہے:

دل ہر قطرہ ہے ساز اناالبحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

ہندستان کے مشہور محقق و فاضل علامہ شبیر احمد غوری (جن کے علمی مقالات سالہا سال سے علمی مجلّات کی زینت بن رہے ہیں) فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ پر امام احمد رضا کی تصنیف ''الکلمۃ الملھمہ'' پر اپنے مقالے ''عہد حاضر کا تہافۃ الفلاسفہ'' میں تبصرہ کرتے ہوئے امام احمد رضا کو امام غزالی کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں اور یہ دل لگتی بات فرماتے ہیں:

''مجدد مائۂ حاضرہ جیسے نادرۂ روزگار کی عبقریت کی کماحقہٗ تصویر کشی کے لیے جن جامع منقول و معقول فضلا کی کاوش و تحقیق درکار ہے، وہ نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔'' ۳۴

بلاشبہ امام احمد رضا کا ایوان علم و دانش ایک ایسا حیرت کدہ ہے جہاں زمانے کے بڑے بڑے دانش ور گم ہوتے نظر آتے ہیں۔

آخر میں ہم اس مقالے کو لیڈن یونی ورسٹی، ہالینڈ کے شعبۂ علوم اسلامیہ کے فاضل و محقق پروفیسر ڈاکٹر جے۔ ایم۔ ایس بلیان کے تاثرات پر ختم کرتے ہیں جس کا اظہار انھوں نے بعض خطوط میں کیا ہے۔

۱...... احمد رضا خاں کی تصانیف کو میں جتنا پڑھتا جاتا ہوں اتنا ہی نہیں ان کی وسعت مطالعہ سے متاثر ہوتا جاتا ہوں۔ وہ اپنے موضوعات سے واقف ہیں اور ایک اچھے ماہر تعلیم کی طرح اپنے عوام کو بھی جانتے ہیں بالخصوص وہ ان کی ضروریات اور احتیاجات سے بھی اچھی طرح باخبر ہیں اور اس واضح شرط کے ساتھ ان کو بہت سے رسم و رواج کی اجازت دیتے ہیں کہ ان کی نیت صالح ہونی چاہیے۔ (ترجمہ مکتوب

محررہ ۹ رجنوری ۱۹۸۷ء، از لیڈن، ہالینڈ)

۲...... جہاں تک احمد رضا خاں کا تعلق ہے میں فقہ اسلامی میں ان کی وسعت علم سے بہت متاثر ہوا ہوں...... ان کے افکار و خیالات بالعموم بہت ہی متوازن ہوتے ہیں حتیٰ کہ ایک غیر بریلوی کے لیے بھی قابل فہم ہوتے ہیں۔ (ترجمہ مکتوب محررہ ۱۱ رجون ۱۹۸۷ء، از لیڈن، ہالینڈ)

حواشی و حوالے

(۱) احمد رضا خاں، امام، حسام الحرمین، مطبوعہ لاہور، ص ۸۳
(۲) احمد رضا خاں، امام، الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص ۹۴-۹۶
(۳) محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، امام احمد رضا اور عالم اسلام، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء، ص ۱۳۷
(۴) ایضاً، ص ۱۳۹
(۵) محمد مرید احمد چشتی، جہان رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۱۸۸
(۶) پیسہ اخبار (لاہور) شمارہ ۲ رنومبر ۱۹۲۱ء، اداریہ
(۷) پیغام برائے مجلس رضا مانچسٹر انگلینڈ، محررہ ۹ راکتوبر ۱۹۸۱ء
(۸) الہاشم (ٹھٹھہ سندھ) شمارہ ۱۹۸۳ء، ص ۱۵
(۹) عبدالنبی کوکب، قاضی، مقالات یوم رضا، ج ۲، ص ۲۰، مکتوب محررہ ۲۸ رمئی ۱۹۶۸ء
(۱۰) میاں عبدالرشید، پاک و ہند میں اسلام (Islam in Ind-o-Pak) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء
(۱۱) شیخ محمد یٰسٓ احمد الخیاری مدنی، علامہ، بہ حوالہ رسائل رضویہ، مطبوعہ لاہور، ج ۲، ص ۱۴۸
(۱۲) محمد مقبول احمد قادری، پیغامات یوم رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۳۵
(۱۳) ابوالحسن علی ندوی، مولوی، نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ج ۸، ص ۴۱
(۱۴) عبدالنبی کوکب، قاضی، مقالات یوم رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء، ج ۲، ص ۲۹
(۱۵) عابد احمد علی، ڈاکٹر، تحریر محررہ یکم اگست ۱۹۶۸ء (شریک مجلس اقبال)
(۱۶) احمد رضا خاں، امام، العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، ج ۴، ص ۱۴۹
(۱۷) مکتوب محررہ ۲۵ راپریل ۱۹۷۹ء، از مبارک پور بہ نام راقم
(۱۸) مکتوب علامہ نور احمد قادری، از سفارت خانہ انڈونیشیا، اسلام آباد، مؤرخہ ۷ رجنوری ۱۹۸۱ء
(۱۹) سید ریاست علی قادری، معارف رضا، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء، ص ۴۳
(۲۰) معارف (اعظم گڑھ، یو۔پی، بھارت) شمارہ ستمبر ۱۹۴۹ء، ص ۴۳-۴۴
(۲۱) یٰسٓ اختر مصباحی، مولانا، امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، مطبوعہ الٰہ آباد ۱۹۷۷ء، ص ۱۹۴
(۲۲) محمد مرید احمد چشتی، جہان رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۱۶۲

(۲۳) احمد رضا خاں، امام، فتاوی رضویہ، مطبوعہ بریلی ۱۴۰۲ھ، ج ۱۱ص ۱۹۶

(۲۴) محمد صدیق، پروفیسر، پروفیسر مولوی حاکم علی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء، ص ۱۱۲_۱۳۳

(۲۵) محمد امجد علی اعظمی، علامہ، فتاوی امجدیہ، مطبوعہ الٰہ آباد ۱۹۷۹ء

(۲۶) ظفر الدین بہاری، علامہ، حیات اعلیٰ حضرت، مطبوعہ کراچی، ج ۱، ص ۱۳۸

(۲۷) جد الممتار (جلد اول) ۱۹۸۲ء میں حیدرآباد دکن سے چھپ کر المجمع الاسلامی مبارک پور سے شائع ہو گئی ہے اس میں مولانا افتخار احمد قادری (رکن المجمع الاسلامی) نے امام احمد رضا پر ایک وقیع مقالہ قلمبند کیا ہے۔ (ص ۲۴، ۳۹)

(۲۸) بہ روایت علامہ حسن میاں مارہروی سجادہ نشین مارہرہ شریف

(۲۹) المیزان (بمبئی) شمارہ مارچ ۱۹۷۶ء، ص ۱۸۵_۱۸۶

(۳۰) راقم نے اپنے مقالہ ''حیات امام اہل سنت'' (مطبوعہ لاہور ۱۹۸۴ء، ص ۳۸_۴۱) میں اس بحث کا خلاصہ پیش کیا ہے ''حیات امام اہل سنت'' کا ایک ایڈیشن کراچی سے شائع ہوا ہے اور ایک ایڈیشن

(۳۱) مبارک پور سے۔

باربرا منکاف، ہندوستان میں مسلم علما کی مذہبی قیادت(The Reformist Ulama

(۳۲) Muslim Religious Leadership in India 1860-1900) برکلے

(۳۳) ۱۹۷۴ء

(۳۴) صوت الشرق (قاہرہ) شمارہ فروری ۱۹۷۰ء، ص ۱۶

تمہید ایمان کا انگریزی ترجمہ کراچی سے ستمبر ۱۹۸۸ء میں شائع ہو گیا ہے۔

معارف رضا، مطبوعہ کراچی

''مانی ہوئی بات ہے جس کے پاس علم بھی ہو اور شعر و سخن کی فطرت پر پیدا بھی کیا گیا ہو تو اس کا کلام سونے پر سہاگے کی حیثیت رکھے گا اور شعر و سخن اس کی گھٹی میں ہوگا بس یہی حال سرکار مفتی اعظم ہند کا بھی ہے علم فقہ اور دوسرے جملہ دینی علوم کی دولت سے بھی مالا مال ہیں۔ اور اسی کے ساتھ ایسی فطرت پر پیدا کئے گئے کہ ان کے قول و فعل اور رفتار و گفتار کو قریب قریب فقہ کا میزان و ترازو قرار دے دیا گیا۔''

علامہ مشتاق احمد نظامی

(ماہنامہ استقامت کان پور، مئی ۱۹۸۳ء، مفتی اعظم نمبر، ص ۲۷)

کلام رضا کی شعری جمالیات

ڈاکٹر خواجہ اکرام

ایسوسی ایٹ پروفیسر، جواہر لعل نہرو یونی ورسٹی، نئی دہلی

www.khwajaekramonline.com

khwajaekram@gmail.com

اردو شاعری کی تنقید میں کئی اصطلاحیں ایسی ہیں جن کی خود تعریف و تعبیر حتمی طور پر نہیں ہو سکی ہے۔ ان ہی اصطلاحوں میں جمالیات کی اصطلاح ہے۔ اس کی الگ الگ تعبیریں پیش کی گئی ہیں اور جتنی تعبیریں ہیں اسی قدر انتشار بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمالیاتی اقدار تہذیب و تمدن کی اقدار سے ماخوذ ہوتی ہیں۔ حسن کو جمالیات کا مظہر مانا جاتا ہے لیکن حسن کے معیارات طے کرنے میں انتشار ہے۔ کیوں کہ حسن کے معیار علاقے، خطے، تہذیب و تمدن کے لحاظ سے تبدیل ہوتے ہیں۔ عموماً حسن کو عشق کی ابتدا مانا جاتا ہے۔ اور عشق کو ہی کائنات کا حاصل تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن عشق کے معیارات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن حسن و عشق کو جمالیات کی بنیاد مانتے ہیں۔ اسی لیے جمالیات کی تعبیر مفکروں نے اپنے اپنے انداز سے کی ہیں۔

وکی پیڈیا کے مطابق ''جمالیات فلسفے کی ایک صنف ہے جو فن کے حسن اور فن تنقید کی قدروں اور معیاروں سے بحث کرتی ہے۔'' جمالیات کی اصطلاح پہلی بار باؤم گارٹن نے ۱۷۵۰ء میں استعمال کی اور اس سے مراد علم حیسات لی، جس کا بنیادی مقصد حسن کی تلاش قرار دیا۔ کانٹ نے ماورائی جمالیات کی ترکیب استعمال کی جس سے حیساتی تجربے کے بنیادی اصول لیے۔ اس اصطلاح کے جدید معنی ہیگل نے ۱۸۲۰ء میں متعین کیے۔ پرانے زمانے میں جمالیات سے مراد وہ علم تھا جو حسن یا جمال اور رفعت کی ہیئت سے متعلق مجرد تصورات پر بحث کرتا تھا۔ مگر جدید فلسفہ کے نزدیک جمالیات وہ سائنس ہے جو تخلیقی تجزیہ، تجربہ، حسن اور نقد و نظر کی قدروں اور معیاروں سے بحث کرتی ہے اور نوعیت اور عمل کے اعتبار سے منطق اور نفسیات سے مختلف ہے۔'' ادب میں ان اقدار کو بنیاد بنا کر ادبی شہ پاروں پر نقد و تبصرہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں یہ بھی ایک بڑا سوال رہا ہے اور یہاں بھی اختلافات کی گنجائش موجود ہے۔ اس حوالے سے نصیر احمد ناصر نے لکھا ہے کہ:

''ادب کو جمالیاتی بنیادوں پر پرکھنا مناسب ہے یا فلسفیانہ اور اخلاقی قدروں پر، اس بات کا

تعلق فلسفۂ فن سے ہے، جس کی بحث ادب میں بہت قدیم ہے۔ محض فلسفیانہ اور اخلاقی نہیں بلکہ اس بحث کے افادی، علمی، ادراکی، فکری، معاشی، معاشرتی، عمرانیاتی، سائنسی اور کئی دیگر پہلو بھی ہیں۔ جمالیاتی معروض کا تعلق صرف جسمانی یا مرئی مظاہر سے نہیں، غیر مرئی اور داخلی محسوسات اور اظہارات سے بھی ہوتا ہے۔ جمالیاتی تصور آفاقی ہے اور اسے علمی طور پر بھی پرکھا جا سکتا ہے۔ فلسفے اور اخلاق کی اعلیٰ اقدار جمالیاتی سیاق و سباق ہی میں ادب پارے کا روپ دھار سکتی ہیں۔ اس لحاظ سے ادب کو جمالیاتی بنیادوں پر پرکھنا زیادہ مناسب ہے۔"

(نصیر احمد ناصر، اداریہ تسطیر جولائی ۲۰۱۰ء "ادبی جمالیات، مواد، اثرات اور دائرہ کار" سے مقتبس)

بات درست بھی یہی ہے کہ ادب کے قاری ادب کو اپنے ذوقِ مزاج اور تہذیبی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ شاعری جو جذبہ و دل کی ترجمان ہے، اس کو بھی دیکھنے، کہنے اور سننے کا اپنا اپنا جمالیاتی ذوق ہوتا ہے۔ کیوں کہ عشق جو جمالیات کا مظہر ہے اس کے رنگ بھی ہزار ہیں اور جلوے بھی بے شمار ہیں۔ یہ عشق فرزانگی بھی سکھاتا ہے اور دیوانگی بھی۔ لیکن ایک عشق ایسا بھی ہے جو حدِ ادب کو ملحوظ رکھنے کا درس دیتا ہے۔ جی ہاں! یہ بات ذرا عقل و فہم سے دور ہے کہ عشق اور ادب ایک ساتھ ممکن نہیں۔ کیوں کہ عشق دیوانگی سکھاتا ہے تو عقل سنجیدگی کا درس دیتی ہے۔ اسی لیے عشق و عقل ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ کبھی عقل حاوی ہوتی ہے تو کبھی عشق کا پلڑا بھاری ہوتا ہے۔ اقبالؔ جیسے شاعر نے بھی عشق کو عقل پر ترجیح دی ہے اور یہ کہا کہ:

تازہ میرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ، عقل تمام بولہب

☆☆☆

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک

اقبالؔ یہ کہتے ہیں کہ عقل تو گومگو کی کیفیت میں رہتی ہے اور سود و زیاں کا حساب لگاتی ہے، اسی لیے عقل ہمیشہ پیچھے رہتی ہے اور عشق اپنے ایک ہی جست سے کائنات کی کئی پہنائیاں طے کر لیتا ہے۔ تاریخ نے عشق کے بدولت ہی ایسے کارنامے درج کیے ہیں جو عقل سے ممکن نہیں تھے۔ اگر عشق نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم خلیل کے مرتبے تک نہ پہنچتے۔ یہ عشق ہی تو تھا کہ جس نے آتش کو گل زار بنایا:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

عشق کی جلوہ طرازیوں سے انسانی تمدن کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ زندگی کے جس چاک کو عقل نہیں سی

سکتی اس کو عشق اپنی طاقت سے بے سوزن اور بغیر تارِ رفو سی سکتا ہے:

وہ پُرانے چاک جن کو عقل سی سکتی نہیں
عشق سیتا ہے انھیں بے سوزن و تارِ رفو

اس مقابلے عقل سود و زیاں کے پیمانے کو سامنے رکھتا ہے۔ اسی لیے عقل طرح طرح کے حربے اپناتا ہے، عقل کی عیاری اور عشق کی سادگی اور اخلاص کو اقبالؔ نے اس طرح ظاہر کیا ہے:

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ مُلا ہے نہ زاہد نہ حکیم

لیکن اسلامی زندگی کے شعار کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں کو معتدل انداز میں رکھا جائے اسی لیے اقبالؔ نے یہ بھی کہا ہے کہ:

بہتر ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑیئے

کیوں کہ عقل سے شرع محمدی کی تعمیل ہوگی اور دل سے عشق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محفل سجائی جائے گی کیوں کہ:

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بُت کدۂ تصورات

لیکن بات اگر یہاں آ کر ٹھہرتی ہے تو ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اس دنیا کا حاصل بھی عشقِ رسول ہی ہے۔ بغیر عشقِ رسول کے کچھ نہیں مل سکتا، نہ تو دنیا میں امن ممکن ہے اور نہ آخرت کا حصول۔ لیکن یہ عشق یعنی عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا عشق ہے جس میں دیوانگی نہیں فرزانگی کی ضرورت ہے کیوں کہ یہ عشق دنیا کے عشق سے نرالا ہے۔ اسی لیے تو شاعر نے کہا ہے کہ:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

عشق کا تقاضا تو یہ ہے کہ دیوانہ وار خود کو نچھاور کر دیں لیکن امام احمد رضا اس عشق کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

پیشِ نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

یہاں شاعری میں عشق کی جس جمالیات کا ذکر ہے وہ دنیا کی شاعری میں اور کہیں نظر نہیں آئے گا۔ کیوں کہ عشق کا یہ ادب دررسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اور کہیں مل ہی نہیں سکتا۔ یہ عشق حاصل

گُل ہے ع

روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

کہہ کر احمد رضا عشقِ مصطفیٰ کی تڑپ کو بھی برقرار رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں اور عشقِ مصطفیٰ کے آداب کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن عشقِ مصطفیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ بغیر عشقِ الٰہی کے حاصل نہیں کر سکتے۔ اور یہاں اجازت ہے کہ عشق کی دیوانگی کو بے محار چھوڑ سکتے ہیں ع

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

عشقِ حقیقی اللہ کا ایک نایاب تحفہ ہے، یہ عشق دولت و ثروت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یادِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تپش میں اپنے آپ کو جلانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور جب یہ دولت لازوال حاصل ہوتی ہے تب وہ مدحتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرنے کا حق دار ہوتا ہے اور ایسے عشاق کی مدحت پھر صرف شاعری نہیں رہتی اور نہ ساحری بنتی ہے، بلکہ حیاتِ جاودانی کا درس دیتی ہے اور زندگی میں ایسی تازگی کا رس گھولتی ہے جو دائمی ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم نعتیہ شاعری میں جمالیاتی عناصر کی تلاش کرتے ہیں تو سب سے پہلے ہمارے ذہن میں ادب کے وہی بندھے ٹکے معیار نظر آتے جو عشقِ مجازی کے معیار ہیں۔ نعتیہ شاعری میں اس معیار کی تلاش بے سود ہے کیوں کہ یہاں تو وہ معیار نظر آئیں گے جن میں پاکیزگی اور تقدس کے عناصر ملیں گے۔ اسی لیے شاعری کی تنقید کرنے والوں کی نظریں عموماً ان عناصر کی تلاش کرتی ہیں جو عشقِ مجازی کی خصوصیات ہیں۔ لہٰذا وہ نعتیہ شاعری کو فنی جمالیات سے خالی تصور کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نعتیہ شاعری میں فنی اعتبار سے جدت و ندرت دیکھنے کو نہیں ملتی کیوں کہ یہاں بے شمار پابندیاں ہیں اور موضوعات بھی طے ہیں۔ یہاں حد ادب کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے اور نعتیہ شاعری میں مبالغہ اور تخیل کی کارفرمائی کی گنجائش بھی نہیں۔ نعت گو شاعر کے ذہن میں ہمہ وقت یہ بات رہتی ہے کہ شانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کوئی گستاخی نہ ہو جائے۔ نعتیہ شاعری میں ذرا سی لغزش شاعر کو گم رہی اور ضلالت کی طرف لے جا سکتی ہے۔ اسی لیے شاعر محض اپنے عقیدے کا اظہار کرتا ہے۔ لہٰذا اس طرح کی شاعری میں اسلوب و بیان کی جولانیوں کے بجائے سیدھا سادہ بیان اور اسلوب دیکھنے کو ملتا۔ فن کی نیرنگیاں اور زبان و بیان کی لطافتیں نعتیہ شاعری میں عموماً مفقود ہیں۔ جو لوگ نعت کو پسند کرتے ہیں وہ محض عقیدت کی بنیاد پر...... لیکن یہ تمام باتیں یک سر غلط ثابت ہو جاتی ہیں جب ہم نعتیہ کلام کا بغائر مطالعہ کرتے ہیں۔ صرف امام احمد رضا کی شاعری کو دیکھیں تو یہ تمام مفروضات غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔ مثال میں یہاں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی، نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعت نبی لکھنے کو، روح قدس سے ایسی شاخ

ظاہر و باطن، اول و آخر، زیبِ فروع و زینِ اصول
باغِ رسالت میں ہے تو ہی گل، غنچہ، جڑ، پتی، شاخ

ان اشعار میں ایسی شعری جمالیات کی مثالیں موجود ہیں جن کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی، کیوں کہ یہاں صرف اسلوب کی ندرت ہی نہیں ہے بلکہ حقیقت کے بیان میں وہ جدت ہے کہ عقیدت ومحبت کے ساتھ نعت کی عظمت بھی عیاں ہو جاتی ہے۔ اسلوب بھی رنگین ہے اور بیان بھی جدید ہے۔ طوبیٰ کی اونچی اور نازک شاخ کہہ کر امام احمد رضا نے نعتیہ شاعری کی عظمت کے ساتھ ساتھ اس کے آداب کو جس خوبی سے بیان کیا ہے ایسا دل کش اور دل پذیر نمونہ شاعری عشقیہ کلام میں نظر نہیں آتا۔ ان دو اشعار میں اختصار و ایجاز کے ساتھ جس طرح عظمتِ نعت کے ساتھ ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس کائنات گیتی میں آمد اور تمام رسل و انبیا علیہم السلام میں آپ کی اولیت کو ظاہر کیا ہے وہ ان کا انوکھا اسلوب اور نادر انداز بیان ہے۔ ذرا غور فرمائیں کہ نعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھنے والے اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں۔ سعدی شیرازی جب نعت نبی کہنے کا ارادہ کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں:

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب   ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

یا کوئی یہ کہہ کر خاموش ہو گیا ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن امام احمد رضا عجز بیان ظاہر نہیں کرتے بلکہ نعت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھنے کے لیے انتہائی عظیم وسیلے کو ڈھونڈتے ہیں اور تب یہ کہتے ہیں ع

مانگوں نعت نبی لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ

اب آپ زمانہ قدیم کے اس رواج کو نظر میں رکھیں جب قلم کی جگہ سرکنڈے کے قلم کا استعمال کرتے تھے۔ اس عہد میں قلم تراشنے کے لیے شاخ طوبیٰ کی تمنا کرنا بھی اپنے آپ میں بڑی عظمت کا متحمل ہے۔ ان تمام صفات کے باوجود اگر اردو تنقید میں نعتیہ شاعری کو نظر انداز کیا گیا ہے تو یہ اردو تنقید کا المیہ ہے نعتیہ شاعری کا المیہ نہیں کیوں کہ نعت و حمد تو دنیا کے ہر خطے میں گنگنائے جاتے رہیں گے۔ اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متوالے اس سے سرور و کیف حاصل کرتے رہیں گے۔ اردو شاعری میں نعتیہ سرمائے کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ لیکن بہت کم ہی شاعر ہیں جن کو نعتیہ شاعری کے سبب اردو ادب میں مناسب جگہ دی گئی ہو۔ اس حوالے سے اگر کسی کا ذکر ہوتا ہے تو اکثر حفیظ جالندھری اور محسن کاکوروی کا نام آتا ہے۔ محسن کاکوروی کو ان کے مدحیہ قصیدے کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

سمتِ کاشی سے چلا جانب متھرا بادل   برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل

خبر اُڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی　　　　کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا میں بادل

جانبِ قبلہ ہوئی ہے یورشِ ابرِ سیاہ　　　　کہیں پھر کعبے میں قبضہ نہ کریں لات وہبل

یہ وہی قصیدہ معراجیہ ہے، جسے محسن کاکوروی اپنا یہ قصیدہ سنانے کے لیے امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ظہر کی نماز کے بعد محسن کاکوروی نے اشعار سنانے شروع کیے۔ ابھی دو اشعار ہی پڑھ سکے تھے کہ امام احمد رضا نے کہا اب بس کیجیے عصر کی نماز کے بعد بقیہ اشعار سنے جائیں گے۔ اسی ظہر و عصر کے درمیان امام احمد رضا نے بھی ایک قصیدۂ معراجیہ لکھا اور جب مجلس بیٹھی تو پہلے آپ نے اپنا قصیدہ سنایا۔ اسے سن کر محسن کاکوروی نے کہا: ''مولانا اب بس کیجیے اس کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔'' محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی بیان فرماتے ہیں کہ لکھنؤ کے ادیبوں کی ایک شاندار محفل میں حضرت رضا رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدۂ معراجیہ میں نے اپنے مخصوص انداز میں پڑھ کے سنایا تو سب جھومنے لگے۔ میں نے اعلان کیا کہ اردو ادب کے نقطۂ نظر سے میں ادیبوں کا فیصلہ اس قصیدہ کی زبان کے متعلق سننا چاہتا ہوں تو سب نے کہا: ''اس کی زبان کوثر و تسنیم کی دھلی ہوئی ہے۔'' اب ذرا اس قصیدے کے بھی چند اشعار ملاحظہ کریں:

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

اتار کر ان کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

خرد سے کہدو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے

سراغ این و متیٰ کہاں تھا نشان کیف و الیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے

اُدھر سے پیہم تقاضے آنا اِدھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے

قصیدے کے یہ اشعار کسی بھی طرح اردو کے نمائندہ قصائد سے کم نہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قصیدے کی اصل روح لب و لہجے کا پُرشکوہ ہونا ہے اور مبالغہ اس کی جان ہے، تخیلات کے سہارے شاعر اپنے کلام کو دل کش و دل فریب بناتا ہے۔ امام احمد رضا کے اس قصیدہ معراجیہ میں صنف قصیدہ کی تمام خوبیاں اپنے خاص آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں۔ یہاں شعری جمالیات کے وہ عناصر دیکھنے کو ملتے ہیں جن کا ایک سرا اگر ایک طرف انتہائی عقیدت و محبت کی طرف جاتا ہے تو دوسرا سرا قرآن و حدیث سے ملتا ہے۔ اس لیے اس قصیدے میں جن کی جو جلوہ طرازیاں اور جولانیاں موجود ہیں ان کو مئے دو آتشہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اردو شاعری میں پیکر تراشی کو خاص اہمیت دی جاتی ہے کیوں کہ پیکر تراشی کا ملکہ ہر ایک کو حاصل نہیں کیوں کہ پیکر تراشی کا مطلب یہ ہے کہ لفظوں کے ذریعے کسی تصور یا خیال کو اس طرح پیش کرنا کہ اس کی شکل و صورت سامنے آجائے۔ نعتیہ شاعری میں یہ تو نہیں کر سکتے۔ البتہ مراثی میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ نعت میں چوں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت ہوتی ہے۔ اور اس حوالے سے پیکر تراشی کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔ لیکن امام احمد رضا کا شعری اسلوب دیکھیے کہ انھوں نے اپنے اشعار میں ان کے صفات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ پیکر تراشی کا شائبہ ہوتا ہے۔ مثال ملاحظہ فرمائیں:

سرتا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

ایک اور مثال دیکھیں:

خوار و بیمار و خطاوار و گنہ گار ہوں میں　　　　رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

اس شعر میں حضور کے صفات والا کمال کے ساتھ ساتھ جو انداز بیان اور اسلوب ہے اس میں لفظی تلازمے قابل دید ہیں۔ پہلے مصرعے کے مقابل دوسرے مصرعے میں ویسے ہی الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے جو درد کا مداوا ہے اور علاج عاصیاں ہے۔ اس طرح کے اشعار وہی کہہ سکتا ہے جس کو زبان کے ساتھ ساتھ فن پر پوری مہارت حاصل ہو۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام احمد رضا کو نعتیہ شاعری میں جو رتبہ حاصل ہے اس مقام تک (ان کے اور ان کے بعد کے عہد میں) کوئی نہیں پہنچ سکا۔ کیوں کہ انھوں نے نعتیہ شاعری کو اپنی فکر سے نئی جہات سے آشنا کرایا ہے۔ آپ سب جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد تنگ و تاریک قبر ہی سب کا ٹھکانہ ہونے والا ہے۔ لیکن عشق رسول کے دیوانے قبر میں جانے سے ڈرتے نہیں بلکہ قبر میں جانے کی حسرت رکھتے ہیں کیوں کہ قبر میں نور محمدی کا دیدار ہونے والا ہے۔ اب اعلیٰ حضرت کا یہ شعر دیکھیں کہ انھوں نے اسی موضوع کو کس انوکھے انداز سے باندھا ہے:

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے　　　　اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

اس طرح کے اشعار وہی کہہ سکتا ہے جو سچا عاشق رسول ہو کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ جس قبر میں نور محمدی آ جائے وہاں پھر اندھیرا کیسا؟ یا اس شعر کو دیکھیں جو عشق کے انوکھے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے:

کاش آویزۂ قندیل مدینہ ہو وہ دل
جس کی سوزش نے کیا رشک چراغاں ہم کو

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا نازِ دوا اٹھائے کیوں

الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
موراتن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

اب چند ایسے اشعار بھی ملاحظہ کریں جو امام احمد رضا کی فکری وفنی عظمت کی دلیل ہیں:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب
سچے سورج وہ دل آرا ہے اجالا تیرا

دل عبث خوف سے پتہ سا اُڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسا تیرا

عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا
گروں کا سہارا عصائے محمد ﷺ

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

اُن کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں،

ان اشعار کے مطالعے سے بس یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

☆☆☆

امام احمد رضا کا اسلوب تنقید

(اردو ادبیات کے حوالے سے)

پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی
سابق صدر شعبۂ اردو و ڈین فیکلٹی آف آرٹس
ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر یونی ورسٹی، مظفر پور، بہار

امام احمد رضا (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) نابغۂ وقت اور عبقری روزگار تھے۔ ان کا عہد مسعود انیسویں صدی کے نصف آخر سے لے کر بیسویں صدی کے ربع اول تک پر محیط ہے۔ اس میقات میں ایسی جید اور جامع حیثیات وکمالات شخصیت پورے بلاد ہند میں دور دور تک نظر نہیں آتی اور نہ ان کے بعد آج تک منظر عام پر آئی ہے۔ ایسی عظیم المرتبت ہستی جو بہ یک وقت ۵۵ رسے زائد علوم وفنون پر ماہرانہ دست رس رکھتی ہو، آیت من آیات اللہ کہے جانے کی بجا طور پر مستحق ہے۔ دینی علوم کے علاوہ علوم جدیدہ، طبیعیات، کیمیا، ریاضی، الجبرا، علم طبقات الارض اور علم الافلاک وغیرہ میں ان کو جو غیر معمولی مہارت، ادراک اور استحضار حاصل تھا، اس کی تو ان کے معاصر علما میں کوئی مثال ہی نہیں ملتی۔ اس کا احساس واعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے فکری ونظری سطح پر کوئی اختلاف رکھتے ہیں۔ اس لیے یہ بات بلا تکلف کہی جا سکتی ہے کہ وہ ایک شخص نہیں، مستقل ادارہ تھا۔ اور آج ہندو پاک کے کئی اہم ادارے ان کے افکار ونظریات، ارشادات اور تعلیمات کا احاطہ وتجزیہ اور تحقیق وتدقیق کا مرحلۂ شوق طے کرنے میں منہمک ہیں، مگر یہ بڑے اطمینان کی بات ہے کہ کوئے رضا سنسان نہیں، آباد ہے، دھوم مچانے والے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے تلافیٔ مافات کی کوششیں برگ وبار لائیں گی۔

یہ چند کلمات محض بہ طور تمہید معرض اظہار میں آگئے ہیں اب میں اپنے موضوع ''امام احمد رضا کا اسلوب تنقید'' کے تعلق سے اپنی محدود فکر وفہم کے مطابق کچھ عرض کرنے کی کوشش کروں گا، تنقید اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے کھرے اور کھوٹے کی پرکھ کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں کسی ادب پارے کے محاسن ومعائب، بلند وپست اور خوب وناخوب کے اجاگر کرنے اور تعیین قدر کا نام ہے اور بقول آل احمد سرور: اس پرکھ میں تعارف، ترجمانی اور فیصلہ سب کچھ شامل ہے۔ مگر اس منصب سے عہدہ برآں ہونے کے لیے تیز ادراک، زندہ احساس اور وسعت نظر کا ہونا لازمی ہے......(۱) امام احمد رضا ان تمام اوصاف سے بدرجہ اتم بہرہ ور تھے، ان کے اسلوب تنقید میں بھی حد درجہ سنجیدگی، شائستگی اور نفاست پائی جاتی ہے،

وہ سمجھتے ہیں کہ اصلاح مذاق اور پرورش ذوق کے لیے یہی انداز موثر ترین ثابت ہوسکتا ہے۔ اس لیے انھوں نے جہاں کہیں بھی کسی ادبی فن پارہ کے متعلق رائے قائم کی ہے، تو ان چیزوں کا حد درجہ لحاظ کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ امام احمد رضا نے تنقید کے موضوع پر کوئی مستقل تصنیف نہیں پیش کی ہے، یہ ان کا اصل میدان تھا بھی نہیں، لیکن اہل علم وادب کے استفسارات پر شعر وسخن کے الجھے ہوئے مسائل کے تعلق سے جو اظہار خیال فرمایا ہے۔ اس سے آپ کے بالیدہ تنقیدی ذہن وشعور کا ثبوت فراہم ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ کے ادبی مزاج اور فنی مطالعہ میں بڑی وسعت، گہرائی، دور بینی اور ژرف نگاہی پائی جاتی ہے۔ آپ کی مختلف کتابوں اور تحریروں میں بکھرے ہوئے مواد کو یک جا کرنے پر آپ کی تنقیدی نگارشات کا ایک وقیع سرمایہ فراہم ہوسکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ادب کا کوئی سنجیدہ مگر محنتی طالب علم اس سمت میں اپنا تحقیقی سفر شروع کرے، قیام مسرت ہے کہ اس موضوع پر عزیز گرامی ڈاکٹر امجد رضا امجد نے Ph.D کا تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے، وہیں امام احمد رضا کے تنقیدی سرمایہ کو سمیٹنے کی قابل ذکر کوشش کی ہے، اگر یہ شایع ہوگیا تو امام احمد رضا کے اسلوب تنقید کا احاطہ ومحاسبا کرنے کے لیے ایک ٹھوس بنیاد مل جائے گی اور اس وقت یہ ذمے دارنہ رائے قائم کرنے میں سہولت ہوگی کہ ان کے ہم عصروں میں حالی وشبلی ہی تنقید کے مرد میداں نہیں، بلکہ امام احمد رضا کی بھی خاموش تنقیدی خدمات کسی سے کم نہیں اور یہ تو سامنے کی حقیقت ہے کہ جب تک ہم اپنی کسی ایجاد وپیداوار کو بازار میں نہیں لائیں گے، چشم خریدار سے وہ بالکل اوجھل اور محروم توجہ رہے گی۔ اب ہم یہاں امام احمد رضا کی تحریروں سے کچھ ایسے شواہد پیش کریں گے، جن سے ان کی سخن فہمی، سخن سنجی، بالغ نظری اور تجزیاتی انداز کے ساتھ ساتھ ان کے شریفانہ اسلوب کی پرتیں کھلتی نظر آئیں گی۔ اردو کے ایک معروف استاذ شاعر مرزا رفیع سودا ہیں۔ ان کے ایک نعتیہ قصیدہ کی تشبیب کا مطلع ہے:

ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے تسبیح زنار سلیمانی

جناب شاہ نور عالم میاں صاحب مارہروی نے اپنے ایک مکتوب کے ذریعہ اس کی تشریح چاہی، تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: ''ظاہر مطلب شعر جہاں تک شاعر نے مراد لیا ہوگا صرف اتنی مناسبت دیکھ لینا چاہے کہ دانہ سلیمانی میں جس کی تسبیح عباد وزہاد رکھتے ہیں، شکل زنار موجود ہے، اور اس کا رکھنا تمغائے فقر قرار پایا ہے، شاعر کہ مذہباً سنی نہ تھا اور بدگمانی تمغائے شعرا ہے غالباً اس سے زائد کچھ نہ سمجھا ہوگا اور یہ ایک بے ہودہ معنی تھے۔ مگر اتفاقاً اس کے قلم سے ایک لفظ ایسا نکل گیا، جس نے اس شعر کو بامعنی ویر مغز کردیا۔ یعنی لفظ ثابت۔ زنار کہ کفار باندھتے ہیں، زنار زائل ہے کہ ایک جھٹکے میں ٹوٹ سکتا ہے اور دانہ سلیمانی میں اس کی تصویر ثابت ہے کہ جب تک دانہ رہے گا قائم رہے گی...... کفر دو قسم ہے:

ایک کفر زائل جو کفر کفار ہے اور جس کی سزا خلود فی النار ہے، ہر کافر موت کے بعد اس سے باز آتا ہے، دوسرا کفر ثابت جو ابدالآباد تک قائم رہے گا جسے علمائے دین نے جز وایمان فرمایا ہے (مراد کفر سے انکار)...... اب معنی واضح ہوگئے کہ جو کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمان بلکہ جز وایمان ہے بہ خلاف کفر زائل۔'' (۲)

یہ ایک ایسی نفیس تشریح ہے کہ مذکورہ شعر سے متعلق اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا اور شعر کی معنویت بھی برقرار رہ جاتی ہے۔ اسی طرح درج ذیل شعر کا مطلب دریافت کیا گیا:

اہل نظر نے غور سے دیکھا تو یہ کہا
کعبہ جھکا ہوا تھا مدینے کے سامنے

آپ نے جواب دیا: ''شب میلاد کعبہ نے سجدہ کیا اور جھکا مقام ابراہیم کی طرف اور کہا حمد ہے اس وجہ کریم کو جس نے مجھے بتوں سے پاک کیا۔'' (۳)

مختصر الفاظ میں شعر کے مرکزی خیال کو واضح کر کے اس کو بے غبار ثابت کردینا امام احمد رضا کے ذہن کا ہی کمال ہوسکتا ہے۔ یہاں پر اس اہم نکتہ کی طرف بھی اہل علم ودانش کی توجہ چاہتا ہوں کہ اردو کی غزلیہ یا عشقیہ شاعری میں محبوب کج ادا کے لیے لفظ رعنا کا استعمال عام ہے۔ از متقدمین تا متاخرین اکثر شعرا کے یہاں اس کا بلا تکلف استعمال ملتا ہے۔ مگر مزاج شریعت کے اداشناس امام احمد رضا نے اس لفظ کے استعمال کو ناروا قرار دیتے ہوئے سختی سے منع فرمایا ہے ملاحظہ ہو: ''البتہ مولانا کافی کے یہاں لفظ رعنا کا اطلاق جابجا ہے اور یہ شرعاً محض ناروا و بے جا ہے۔ مولانا کو اس پر اطلاع نہ ہوئی ورنہ ضرور احتراز فرماتے۔ حسن میاں مرحوم کے یہاں بفضلہٖ تعالیٰ یہ بھی نہیں، ان کو میں نے نعت گوئی کے اصول بتادیے تھے۔'' (۴)

اس اقتباس میں ''ان کو میں نے نعت گوئی کے اصول بتادیے تھے'' کا ٹکڑا کمال ادب کے لیے توجہ طلب ہے، اس جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ ادب کے معاملے میں امام احمد رضا بھی اصول کے پاس دار تھے، خواہ وہ اصول ان کے اپنے ہی قائم کردہ کیوں نہ ہوں، پھر اشعار کی تشریح کے ضمن میں اصول کی بات کرنا اس بات کی بھی غماز ہے کہ تنقید کے باب میں بھی وہ اصول پسند تھے۔ آپ کے برادر علامہ حسن رضا حسن بریلوی نے جن کا شمار داغ دہلوی کے ممتاز شاگردوں میں ہوتا ہے، اپنی غزل کا ایک شعر آپ کو سنایا:

خدا کرتا ہوتا جو تحت مشیت
خدا ہو کے آتا یہ بندہ خدا کا

آپ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے یہ شرطیہ ہے، جس کے لیے مقدم اور تالی (یہ منطق کی دو

اصطلاحیں ہیں جو شرط و جزا کے معنی میں ہیں) کا امکان ضروری نہیں......" اس کے بعد آپ نے کتاب وسنت اور ارشادات شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالے سے اس کی تائید و توثیق میں دریا بہا دیے ہیں، در بے بہا دیے ہیں۔ بڑی طویل عبارت ہے، اس کا نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ آخر میں خود امام احمد رضا فرماتے ہیں: "میری اجازت کے بعد حسن میاں مرحوم نے یہ شعر داخل غزل کیا اور مقطع میں اس کی طرف اشارہ کیا کہ:

بھلا ہے حسنؔ کا جناب رضا سے
بھلا ہو الٰہی جناب رضا کا" (۵)

سطور بالا میں امام احمد رضا کی سخن فہمی و نکتہ سنجی سے متعلق ایک اجمالی گفتگو کی گئی ہے، اب ہم لسانی اور عروضی نقطۂ نظر سے آپ کی فتوحات کا جائزہ لیں گے۔ ہم عصر شاعر کو جب عروضی اور لسانی سطح پر کوئی دقت لاحق ہوتی تھی تو بلا تکلف آپ سے ہی رجوع کرتے اور یہ تو ہر دور کا مزاج رہا ہے کہ حل مشکلات کے لیے لوگ متخصصین ہی کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ چناں چہ آپ کے ایک ہم عصر شاعر چودھری عبدالحمید خاں نے اپنا ایک شعری مجموعہ "کنز الآخرۃ" کے نام سے مرتب کیا، اس کے بعض اشعار پر ایک عروض داں نے اعتراضات کیے۔ وہ شعر اور اس پر اعتراض ملاحظہ ہو:

ہے وہی خلّاق مخلوقات کا
ہے وہی رزّاق حیوانات کا

اعتراض۔ مخلوقات و حیوانات میں 'ایکا' ہے یوں چاہیے "ہے وہی رزاق مرزوقات کا" شاعر کی طرف سے جواب دیا گیا کہ جمع کے قوافی میں مفرد کا لحاظ نہ رکھا جائے گا مستحسن ضرور ہے، لازم نہیں، جیسے مولانا روم کا یہ شعر:

یا کریم العفوا ستار العیوب
انتقام از ما مکش اندر ذنوب
پس پیمبر گفت استفت القلوب
گرچہ مفتی شاں بروں گوید خطوب

عیوب و ذنوب میں علامت جمع واو ہے، اس کو علاحدہ کر کے دیکھا جائے تو عیب و ذنب کا قافیہ نہ بنے گا، اسی طرح قلوب و خطوب...... امام احمد رضا اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: عیوب و ذنوب اور قلوب و خطوب کے قوافی سے استشہاد صحیح نہیں کہ کلام جمع سالم میں ہے، فقیر نے بھی یہ قافیہ نہ بدلا تھا کہ ضروری نہ تھا بعد اعتراض مرزوقات ہی بنا دینا انسب معلوم ہوا۔ (۶)

اسی کتاب کا ایک شعر ہے:

وہ یگانہ ہے صفات و ذات میں
نیز یکتا اس کے سب افعال ہیں

اس پر اعتراض ہوا کہ "قافیہ صحیح نہیں" مصرعہ یوں ہونا چاہیے تھا ع
نیز یکتا ہے وہ ہر اک بات میں

صاحب کتاب نے یہ جواب دیا کہ:
اختلاف حرکت قافیہ میں اساتذہ کی سندیں حد تواتر پر ہیں۔ جیسے اشعار ذیل:

چوں خواہد کہ ویراں کند عالمے
نہد ملک در پنجۂ ظالمے
(سعدی)

برائے جہاندیدگان کارکن
کہ صید آزمودست گرگ کہن
چوں خدمت گزار تو گردد کہن
حق سالیانش فرامش مکن
کنونت کہ دست است جاری بکن
دگر کے برآری تو دست از کفن
بخائیدش از کینہ دنداں بہ زہر
کہ دوں پرورست ایں خرد مایہ دہر
گفت پیمبر بکن اے رائے زن
مشورت کالمستشار مؤتمن
(مولانا روم)

(مؤتمن بہ کسرۂ میم ثانی بہ معنی امین ہے)

اے زرایت ملک و دیں در نازش و در پرورش
اے شہنشاہ فریدوں فروا سکندر منش
سایۂ حق مست و یارب سایہ اش پاینده دار
زاں کہ فرض است از میاں بادعائے دولتش
(کمال اسماعیل)

(منش اور دولتش کا اختلاف اظہر من الشمس ہے)

اسی طرح حافظ عزیز الدین مؤلف "نادر الترتیب" جو بڑے استاد اور پرانے تجربہ کار شاعر ہیں لکھتے ہیں:

چھ سو بارہ شعر، تیرہ فصل، دو باب، اس میں ہیں
تھوڑے تھوڑے حاشیہ پر ہیں لغت ہر باب میں

اب امام احمد رضا اس جواب پر اور اس میں پیش کیے گئے تمام اشعار پر یوں نقد و محاسبہ فرماتے ہیں:

(الف) "میں اور ہیں" کا قافیہ معیوب ضرور ہے "عالے (اور) ظالے" پر (اس کا) قیاس صحیح نہیں کہ روی جب متحرک ہو، تو قبل کی حرکت میں اختلاف بالاجماع جائز و بے عیب ہے۔ جیسے "دلش وگلش" بہ خلاف اختلاف دل وگل کہ روی ساکن ہے، جیسے یہاں (یعنی میں اور ہیں میں)

(ب) کہن بفتح ہاؤ بضمتین دونوں طرح ہے، جس کی سند یہی اشعار اور ان کی امثال بے شمار ہیں، حضرت مولوی قدس سرہ:

نفس فرعونے ست او را خوار کن
تا نیارد یار از کفر کہن

(ج) جاری بکن غلطی کاتب ہے صحیح خارے بکن ہے،

(د) زہر و دہر بالفتح ہیں،

(ز) حدیث شریف میں مؤتمن بروزن معتمد بفتح میم دوم ہی ہے مؤتمن بالکسر امین دارندہ و بالفتح امین داشتہ شدہ۔ یعنی جس سے مشورہ طلب کیا گیا اسے امین بنایا گیا تو خلاف مشورہ دینا خیانت ہے، لہٰذا فقیر کو ان گزارشوں پر جرأت ہے کہ یہی حکم شریعت و مقتضائے امانت ہے۔"(۷)

اس طرح کی لسانی اور عروضی بحثیں آپ کے یہاں بے حد وافر ملتی ہیں ان سب کا احاطہ و اندراج یہاں مقصود نہیں ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اتنے ہی نمونوں پر اکتفا کرتے ہوئے عرض پرداز ہوں کہ لسانی اور عروضی نکات و مسائل پر اعلیٰ حضرت کی جو نگاہ تھی، وہ ایک عالم دین اور عالم دین بھی کیسا، عالم متبحر بلکہ بحرالعلوم کے لیے نہایت کام یاب شے ہے اور معاصر وجید ناقدین فن سے کسی طرح کم نہ تھی۔ فنی محاکمہ اور محاسبہ کرتے ہوئے امام احمد رضا کسی کی رو رعایت نہیں کرتے۔ فتاویٰ رضویہ سے جو اقتباس ابھی نقل کیا گیا ہے، وہ ان معروضات کی تائید و توثیق کے لیے کافی ہے کہ حضرت ادبی مشورہ ورائے زنی کو بھی نہ صرف مدلل طور پر پیش کرتے ہیں بلکہ اسے "مقتضائے امانت" اور "حکم شریعت" کے تابع رکھتے ہیں اور اصول امانت کے خلاف اظہار رائے کو خیانت تصور فرماتے ہیں، وہ دوسروں کی صحیح رائے کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ جو

"مرزوقات" والی منقولہ بحث سے آشکارا ہے۔ اتنی عمیق نظر اور اتنا وسیع شعری و ادبی مطالعہ مروجہ علم دینی و دنیاوی کے فقیہ ہونے کی حیثیت کے علاوہ امام احمد رضا کے سوا اُن کے اور کسی ہم عصر کو کب میسر ہے؟ کمال بالائے کمال یہ ہے کہ جب وہ فن شعر گوئی پر لکھتے ہیں، تو عالم دین کا ذہن بھی ساتھ ساتھ کارفرما ہوتا ہے۔ مرزا محمد رفیع سودا یا علامہ حسن بریلوی یا اس طرح کے دوسرے کے اشعار کا محاکمہ کرتے ہوئے وہ ایک نظریہ ساز نقاد کے طور پر صرف تنقید کے لعل و گوہر نہیں لٹاتے، بلکہ حق گوئی کے اس معیار کو اپناتے ہیں، جو مولیٰ تعالیٰ اور اس کے رسول صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند آئے۔

حوالہ جات

(۱) فن تنقید اور تنقیدی مضامین مصنفہ پروفیسر نجم الہدیٰ ص ۲-۷ سے ماخوذ دوسرا ایڈیشن
(۲) الملفوظ، مکمل حصہ اول صفحہ ۳۱-۳۲
(۳) نفس مصدر، حصہ اول ص ۳۱-۳۲
(۴) نفس مصدر، حصہ دوم ص ۳۹
(۵) نفس مصدر، حصہ دوم ص ۳۹-۴۰
(۶) فتاویٰ رضویہ ج ۱۲/ ص ۱۸۳
(۷) نفس مصدر، ص ۱۸۰-۱۸۳

☆☆☆

مجدد اسلام اور بدعت

ڈاکٹر شبنم خاتون، ہندو یونی ورسٹی، بنارس

ہندستان اہل علم کا مرکز اور علم وحکمت کا گہوارہ رہا ہے۔ جب ہم صدیوں کی تاریخ کے اوراق کو پلٹتے ہیں تو ہمیں ایسی علمی وادبی شخصیتیں نظر آتی ہیں جن کی عظمت وبزرگی کے سامنے کوہ ہمالیہ کی بلندی بھی سرنگوں دکھائی پڑتی ہے۔ ایسی ہی شخصیات میں ایک نام امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کا بھی ہے جو ۱۳ ویں صدی ہجری کی آٹھویں دہائی میں سرزمین ہند میں پیدا ہوئے اور جن کی عظمت وبزرگی کا اعتراف عرب وعجم کے علما ودانش وروں نے بھی کیا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم وفنون کا وہ خزانہ عطا کیا جس کی وجہ سے آپ علم کے بحر بیکراں اور آپ کی شخصیت چلتی پھرتی انسائی کلوپیڈیا نظر آتی ہے۔ ایسی شخصیتیں کم نظر آتی ہیں کہ محققین اور معترضین بھی اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ آپ کی شخصیت بحر العلوم تھی اور فقہ حنفی میں تو آپ کا جواب نہیں۔

آپ چودھویں صدی کے عظیم المرتبت مفتی، مایۂ ناز محدث اور شہرۂ آفاق فقیہ، بلند پایہ مصنف، مصلح قوم اور باکمال شاعر تھے۔ علامہ بریلوی کی حیرت انگیز ذہانت وفطانت کو دیکھ کر بعض دانش وروں نے انھیں ''عبقری شخصیت'' قرار دیا۔ یہاں تک کہ بعض علماے عرب نے ان کے کلام کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ قرار دیا ہے۔ شیخ محمد مختار بن عطار الجاوی (مکہ معظمہ) لکھتے ہیں:

''بے شک مصنف علام اس زمانے کے علماے محققین کا بادشاہ اور اس کا کلام مبارک حق صریح ہے اور گویا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے جو اس امام کے ہاتھ پر اللہ نے ظاہر فرمایا۔''

افسوس ہے کہ آج مسلم معاشرے کی ہر غلط رسم ورواج کو امام احمد رضا بریلوی کے مسلک سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ جس شرک وبدعت کے خلاف علامہ بریلوی برہنہ تلوار لیے کھڑے رہے اور تاعمر اس کی مخالفت کی بعض جاہل طبقے بدعات میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کا الزام زبردستی امام احمد رضا محدث بریلوی کو دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالاں کہ امام احمد رضا کا دامن ایسی حرکتوں سے پاک ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے عورتوں کے مزارات پر جانے کے خلاف فتویٰ دیا، مزارات پر اصراف کرنے کے خلاف فتویٰ دیا، مردہ کے سوم، چہارم اور چالیسواں کا کھانا (اغنیا اور مال دار کے لیے) کھانے کے

خلاف فتویٰ دیا، شادیوں میں بے جا رسومات اور فضول خرچی کے خلاف فتویٰ دیا اور اولیاء اللہ کے مزارات پر عرس غیر شرعی کے منائے جانے پر سخت گرفت کی۔ ایسی صورت میں غیر شرعی حرکات کے حامل افراد کی سرزنش کی، ان کی اصلاح کی غرض سے حکم شرعی جاری فرمایا۔

محدث بریلوی نے اپنی تمام زندگی تجدید واحیاے دین متین میں گزار دی۔ اپنی زندگی کو ناموس مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قربان کیا۔ تمام عمر گلشن اسلام کی آب یاری میں صرف کی اور اگر کہیں بھی آپ کو محسوس ہوا کہ گلشن اسلام کے سبزہ زار پر آنچ آرہی ہے تو آپ فوراً اپنے خامۂ سحر طراز سے حق واضح فرماتے اور رہزنوں سے دین کی فصیل کی حفاظت فرماتے۔ آپ ایک ایسی شخصیت کے حامل تھے جن کے وصال سے نہ صرف آپ کے ممدوحین تڑپ اٹھے بلکہ جن سے محدث بریلوی کی قلمی چشمک رہی وہ بھی اس اعتراف پر مجبور ہوگئے کہ آج ہندستان کی مسند تحقیق وفقہ سونی ہوگئی۔ اغیار سے منسوب ایسے بہت سے اعتراف ملتے ہیں جن میں امام احمد رضا کی عبقریت اور شان علم کو کلمات تحسین سے نوازا گیا ہے۔

مولانا انور شاہ کشمیری نے اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کیا:

''مولوی امام احمد رضا خاں صاحب ہندستان کے بڑے عالم تھے۔ ان کا اخیر وقت ایک مردہ سنت (اذان بین یدلہ خارج مسجد) کے احیا میں گزرا۔''(۱)

لاہور کے ''پیسہ اخبار'' نے اپنی تعزیتی نوٹ میں لکھا:

''آپ ہندستان میں علوم اسلامیہ دینیہ کے آفتاب تھے، بڑے فاضل اور متبحر وجید عالم۔ آپ کی وفات سے ایک برگزیدہ ہستی اٹھ گئی جس کی جگہ پر کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔ آپ صادق علم کا صادق نمونہ اور پابند شرع تھے اور ہمیشہ ترویج علوم اسلامیہ میں مصروف رہے۔ آپ سے فیض پانے والوں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ہندستان کے تہذیبی حلقوں اور علماے دین میں آپ کی بڑی قدر ومنزلت تھی...... اس میں کلام نہیں کہ مخالفین تک مرحوم کی اعلیٰ اور بے نظیر قابلیت کے دل سے معترف تھے۔''(۲)

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ جب مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے علما نے بھی یہ اعتراف کیا کہ فقہ حنفی میں مولانا بریلوی کا جواب نہیں تو پھر آج بعض حاسدین رضا خلاف سنت کام کرنے والوں کو آپ کا پیرو کار قرار دینے پر کیوں تلے ہوئے ہیں؟ یہ ایک المیہ ہے۔

آج ضرورت ہے کہ بدعات کے خلاف اور سنت کی حمایت میں امام احمد رضا کے جتنے فتوے ہیں انھیں ضرورت کے مطابق یا موقع کے مناسب ہر گھر میں پڑھے جانے والے اخبار ورسائل میں شایع کیا جائے جس سے ہر شخص مستفید ہو سکے اور غلط چیزیں روکی جا سکیں، تب ہی امام احمد رضا محدث بریلوی کے لیے ہماری سچی خراج عقیدت ہوگی۔ ☆☆☆

ماخذ: (۱) حیات اعلیٰ حضرت، مولانا ظفر الدین بہاری، ص ۱۰۱۲ (۲) پیسہ اخبار (لاہور) شمارہ ۲۶، نومبر ۱۹۲۱ء، ص ۲

اصطلاحات حدیث میں امام احمد رضا کی تنقیحات

محمد اسلم رضا قادری
باسنی، ناگور شریف (راجستھان) Cell. 09461380418

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا محدث بریلوی (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ) عالم اسلام کی اس نادرالوجود اور عبقری الشرق والغرب شخصیت کا نام ہے جن کے علمی و تحقیقی، فقہی و کلامی، ادبی و تنقیدی جواہر پارے ان کی تصانیف میں جابجا پھیلے ہوئے ایک منصف مزاج قاری کو دعوت فکر و نظر دے رہے ہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے جن موضوعات پر اپنا اشہب قلم چلایا ان پر دلائل و براہین کی روشنی میں تعقبات و تنقیحات کے وہ دریا بہائے کہ جہانِ علوم و معارف میں اپنی مہارت و دست رس کا لوہا منوالیا، یہ بات مبنی برحقیقت ہے کہ محدث بریلوی نے کسی بھی مسئلہ کی تحقیق و تدقیق میں اپنے موقف کی تائید و توثیق میں مسلم الثبوت ائمہ اعلام ہی کی تصریحات و توضیحات کو پیش کیا ہے۔ ایک فقیہ و محدث کو کن کن علوم و فنون کی ضرورت ہوتی ہے ان تمام میں محدث بریلوی قدس سرہ کو کامل ادراک و عبور حاصل تھا۔ حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"امام احمد رضا بریلوی مروجہ علوم دینیہ مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ و کلام، تصوف، تاریخ، سیرت، معانی، بیان، بدیع، عروض، ریاضی، توقیت، منطق، فلسفہ وغیرہ کے یکتائے زمانہ تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ طب، علم جفر، تکسیر، زیجات، جبر و مقابلہ، لوگارثم، جیومیٹری، مثلث کروی وغیرہ علوم میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔ یہ وہ علوم ہیں جن سے عام طور پر علما تعلق ہی نہیں رکھتے۔ انھوں نے پچاس سے زائد علوم و فنون میں تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے اور ہر فن میں تحقیقات کا اضافہ کیا ہے۔ غرض یہ کہ ایک فقیہ کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب امام احمد رضا بریلوی کو حاصل تھے۔"

(کلمات آغاز، مشمولہ فتاویٰ رضویہ، جلد اول، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

امام احمد رضا محدث بریلوی کی فن حدیث میں مہارت و دسترس:

اصول حدیث و اصطلاحات حدیث میں ان کی تحقیقات و تنقیحات کی ایک جھلک ذیل کی سطور میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ مناظر اعظم شیر بیشۂ اہل سنت علامہ محمد حشمت علی خاں رضوی لکھنوی قدس سرہ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تدقیقات فقہیہ و تحقیقات حدیثیہ اس بلند پائے کی تھیں کہ میں نے خود دیکھا کہ میرے وہابی استادوں کے سامنے جب فقہ و حدیث کا کوئی نامنقح مشکل مسئلہ آجاتا تو حضور پرنور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسائل مبارکہ کی طرف رجوع کرکے انھیں میں دیکھ دیکھ کر اپنی مشکلات حل کرتے۔ ایک مرتبہ میں نے کہا کہ آپ لوگوں کے کہنے کے مطابق تو یہ شخص بدعتیوں کا سردار ہے اور دیوبندی عالموں کو کافر کہتا ہے۔ اور اپنے مریدوں کے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتا۔ پھر آپ لوگ ایسے شخص کی کتابیں کس لیے دیکھتے ہیں؟ جواب دیا کہ اس شخص میں صرف اتنا ہی عیب ہے کہ ہمارے اکابر کو کافر کہتا ہے ورنہ فقہ و حدیث وغیرہا تمام علوم دینیہ میں ہندستان بھر کے اندر اس کے برابر اور اس کے جوڑ کا کوئی شخص نہیں، ہم لوگ اگرچہ اس شخص کے مخالف ہیں پھر بھی اس شخص کے علمی دلائل اور تحقیقات کے محتاج ہیں۔"

(امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، ص ۱۷۶۔۱۷۷، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۸ء)

یہ ہے امام احمد رضا محدث بریلوی کی علم حدیث میں مہارت و حذاقت و وسعت کہ دشمن بھی جس کے فضل و کمال کی شہادت دیں۔ کہا گیا الفضل ما شهدت به الاعداء دشمنوں کی گواہی دینا کمال کی بات ہے یوں تو اکابر علما و محدثین کرام اور ائمہ حدیث نے اپنے اپنے عہد میں علم حدیث کی نمایاں خدمات انجام دیں اور کتب و رسائل بھی تصنیف کیے۔ مگر محدث بریلوی نے حدیث کی معرفت و حجیت پر بحث و تمحیص اور رواۃ حدیث پر جرح و تعدیل کا جو اسلوب اپنایا ہے وہ ایک الگ شان رکھتا ہے۔ خصوصاً مندرجہ ذیل رسائل میں تو طرق حدیث اور معرفت حدیث کی ایک دنیا آباد نظر آتی ہے جنھیں انصاف کی نظر سے پڑھنے کے بعد کوئی شخص علم حدیث میں موصوف کی وسعت کا انکار نہیں کرسکتا:

(۱) منير العين فى حكم تقبيل الابهامين

(۲) الهاد الكاف فى حكم الضعاف

(۳) حاجز البحرين الواقى عن جمع الصلاتين

(۴) مدارج طبقات الحديث

(۵) الفضل الموهبى فى معنى اذاصح الحديث فهو مذهبى

اول الذکر رسالہ (منیر العین) کے تعارف میں حضرت مولانا محمد حنیف خاں رضوی لکھتے ہیں:

"امام احمد رضا قدس سرہ نے اس رسالہ نافع میں اصول حدیث کی وہ معرکۃ الآرا بحث فرمائی کہ ہر وہ شخص جو اس علم سے شغف رکھتا ہے پڑھ کر جھوم اٹھے اور مخالف حیران و ششدر رہ جائے۔ "مقاصد حسنہ"، "موضوعات کبیر" اور "ردالمحتار" میں بس اس قدر ہے کہ انگوٹھے چومنے کے سلسلہ میں کوئی مرفوع حدیث درجۂ صحت کو نہیں پہنچی۔ بس کیا تھا مخالفین نے بے پر کی اڑادی کہ اس سلسلے میں تمام

روایات موضوع ومن گڑھت ہیں۔ اس پر امام احمد رضا نے خوب جم کر نہایت نفیس بحث فرمائی جو ''فتاویٰ رضویہ'' (دوم) میں تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔'' (جامع الاحادیث، مقدمہ، ص ۴۲۳)

امام احمد رضا محدث بریلوی لکھتے ہیں: ''حضور پر نور شافع یوم النشور صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام پاک اذان میں سنتے وقت انگوٹھے یا انگشتانِ شہادت چوم کر آنکھوں سے لگانا قطعاً جائز، جس کے جواز پر مقام تبرع میں دلائل کثیرہ قائم، اور خود اگر کوئی دلیل خاص نہ ہوتی تو منع پر شرع سے دلیل نہ ہونا ہی جواز کے لیے دلیل کافی تھا، جو ناجائز بتائے ثبوت دینا اس کے ذمہ ہے کہ قائل جواز متمسک باصل ہے اور متمسک باصل محتاجِ دلیل نہیں۔ پھر یہاں تو حدیث وفقہ وارشاد علما وعملِ قدیم سلف صلحا سب کچھ موجود، علماے محدثین نے اس باب میں حضرت خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سیدنا صدیق اکبر وحضرت سیدنا ریحانِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سیدنا امام حسن و حضرت نقیب اولیاے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سیدنا ابوالعباس حضرت علی الحبیب الکریم وعلیہم جمیعا الصلاۃ والتسلیم وغیرہم اکابرِ دین سے حدیثیں روایت فرمائیں جس کی قدرے تفصیل امام علامہ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب مستطاب ''مقاصد حسنہ'' میں ذکر فرمائی اور جامع الرموز ''شرح نقایہ''، ''مختصر الوقایہ''، ''فتاویٰ صوفیہ''، ''کنز العباد'' ردالمحتار حاشیۂ درمختار'' وغیرہا کتب فقہ میں اس فعل کے استحباب واستحسان کی صاف تصریح آئی ہے۔ ان میں اکثر کتابیں خود مانعین اور ان کے اکابر وعمائد مثل متکلم قنوجی وغیرہ کے مستندات سے ہیں۔''...... مزید فرماتے ہیں: ''خادم حدیث پر روشن کہ اصطلاح محدثین میں نفی صحت، نفی حسن کو بھی مستلزم نہیں، نہ کہ نفی صلاح وتماسک وضوح تمسک، نہ کہ دعویٰ وضع کذب، تو عندالتحقیق ان احادیث پر جیسے باصطلاح محدثین حکم صحت صحیح نہیں، یوں ہی حکم وضع و کذب بھی ہرگز مقبول نہیں، بلکہ بتصریح ائمہ فن کثرتِ طرق سے جبر نقصان متصور اور عمل علما وقبول قدما حدیث کے لیے قوی، دیگر اور نہ سہی تو فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول اور اس سے بھی گزرے، تو بلاشبہ یہ فعل اکابرِ دین سے مروی ومنقول اور سلف صالح میں حفظ صحت وبصر وروشنائی چشم کے لیے مجرب اور معمول، ایسے محل پر بالفرض اگر کچھ نہ ہو تو اسی قدر سند کافی، بلکہ اصلاً نقل بھی نہ ہو صرف تجربہ وافی، کہ آخر اس میں کسی حکم شرعی کا ازالہ نہیں، نہ کسی سنتِ ثابتہ کا خلاف اور نفع حاصل اور منع باطل۔'' (فتاویٰ رضویہ، ۲/ ۴۲۵، ۴۲۶، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

تنقیحات محدث بریلوی:

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے اپنے اس رسالہ منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں ۳۰/ افادات اور ۱۲/ فوائد تحریر فرمائے ہیں۔ چند پیش قارئین ہیں:

(۱) محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط و باطل

ہے، بلکہ صحیح ان کی اصطلاح میں ایک اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے جس کے شرائط سخت ودشوار اور موانع وعوائق کثیر وبسیار، حدیث میں ان سب کا اجتماع اور ان سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے۔ پھر اس کمی کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں۔'' (۲/ ۴۳۰)

پھر اپنے اس دعویٰ کے ثبوت پر دلائل و براہین پیش کرتے ہوئے ''حلیہ شرح منیہ''، ''صواعق محرقہ''، ''نزہۃ النظر''، ''موضوعات کبیر''، ''جواہر العقدین''، ''شرح مواہب''، ''شرح صراط مستقیم'' اور ''مرقات'' کی تصریحات وتوضیحات تحریر کی ہیں اور پھر حدیث کے اقسام ومراتب کی جانب نفیس اشارات کیے ہیں۔ جیسا کہ امام احمد رضا محدث بریلوی لکھتے ہیں:

''صحیح کے بعد حسن لذاتہ بلکہ صحیح لغیرہ پھر حسن لذاتہ پھر حسن لغیرہ پھر ضعیف بضعف قریب اس حد تک کہ صلاحیت اعتبار باقی رکھے جیسے اختلاط راوی یا سوئے حفظ یا تدلیس وغیرہا۔ اول کی تین بلکہ چاروں قسم کو ایک مذہب پر اسم ثبوت متناول ہے اور وہ سب محتج بہا ہیں اور آخر کی قسم صالح یہ متابعات وشواہد میں کام آتی ہے اور جابر سے قوت پاکر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے اس وقت وہ صلاحیت احتجاج وقبول فی الاحکام کا زیور گراں بہا پہنتی ہے، ورنہ دربارۂ فضائل تو آپ ہی مقبول وتنہا کافی ہے۔ پھر درجۂ ششم میں ضعف قوی ووہن شدید ہے جیسے راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب متروک ہونا، بشرطیکہ ہنوز سرحد کذب سے جدائی ہو، یہ حدیث احکام میں احتجاج درکنار اعتبار کے بھی لائق نہیں۔ ہاں فضائل میں مذہب راجح پر مطلقاً اور بعض کے طور پر بعد انجبار بعدد مخارج وتنوع طرق منصب قبول و عمل پاتی ہے۔...... پھر درجہ ہفتم میں مرتبہ مطروح ہے جس کا مدار وضاع، کذاب یا متہم بالکذب پر ہو یہ بدترین اقسام ہے بلکہ بعض محاورات کی رو سے مطلقاً اور ایک اصطلاح پر اس کی نوع اشد یعنی جس کا مدار کذاب پر ہو۔ عین موضوع، یا نظر تدقیق میں یوں کہیے کہ ان اطلاقات پر داخل موضوع حکمی ہے۔ ان سب کے بعد درجہ موضوع کا ہے یہ بالاجماع نہ قابل انجبار نہ فضائل وغیرہا کسی باب میں لائق اعتبار بلکہ اسے حدیث کہنا ہی توسع وتجوز ہے، حقیقۃً حدیث نہیں محض مجعول وافترا ہے۔'' (۲/ ۴۳۲-۴۳۳)

(۲) کسی حدیث کی سند میں راوی کا مجہول ہونا اثر کرتا ہے تو صرف اس قدر کہ اسے ضعیف کہا جائے نہ کہ باطل وموضوع۔ (۲/ ۴۳۴)

(۳) اسی طرح سند کا منقطع ہونا مستلزم وضع نہیں، ہمارے ائمہ کرام اور جمہور علما کے نزدیک تو انقطاع سے صحت وحجیت ہی میں کچھ خلل نہیں آتا۔ (۲/ ۴۳۷)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں امام محقق کمال الدین محمد بن الھمام (صاحب فتح القدیر)، امام ابن امیر الحاج (صاحب حلیہ)، محدث ملا علی قاری (صاحب مرقات)، امام ابن حجر مکی (صاحب صواعق محرقہ) کی عبارات وتصریحات نقل کی ہیں۔ جس سے دعویٰ

اور مستحکم و مضبوط ہو جاتا ہے۔

(۴) انقطاع تو ایک امر سہل ہے جسے صرف بعض نے طعن جانا، علما فرماتے ہیں: حدیث کا مضطرب بلکہ منکر ہونا بھی موضوعیت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا یہاں تک کہ دربارۂ فضائل مقبول رہے گی بلکہ فرمایا کہ مدرج بھی موضوع سے جدا قسم ہے حالاں کہ اس میں تو کلام غیر کا خلط ہوتا ہے۔ (۲/۴۳۸)

(۵) یوں ہی منکر الحدیث اگر چہ یہ جرح امام اجل محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ رحمۃ الباری نے فرمائی ہو، حالاں کہ وہ ارشاد فرما چکے کہ میں جسے منکر الحدیث کہوں اس سے روایت حلال نہیں، ''میزان الاعتدال'' (امام ذھبی) میں ہے:

نقل ابن القطان البخاری قال من قلت فیه منکر الحدیث فلا یحل الروایة عنه

بایں ہمہ علمائے کرام نے فرمایا: ایسے کی حدیث بھی موضوع نہیں ''تعقبات'' میں ہے: قال البخاری منکر الحدیث فغایة امر حدیثه ان یکون ضعیفًا (۲/۴۴۰)

(۶) ضعیفوں میں سب سے بدتر درجہ متروک کا ہے جس کے بعد صرف مہتم بالوضع یا کذاب دجال کا مرتبہ ہے۔ میزان میں ہے: اردی عبارات الجرح دجال کذاب اووضاع یضع الحدیث ثم متهم بالکذب و متفق علی ترکه ثم متروک...... اس پر بھی علمانے تصریح فرمائی کہ متروک کی حدیث بھی صرف ضعیف ہی ہے۔

حضرت مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی لکھتے ہیں: ''امام احمد رضا محدث بریلوی نے ہر حیثیت سے اصولی بحث فرمائی ہے اور حق تحقیق ادا کر دیا ہے۔ راوی کی جہالت سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے اور مجہول کی کتنی قسمیں ہیں۔ پھر ہر ایک کے جداگانہ احکام اور ہر حکم واثر کی متعلقہ کتب سے تحقیق، تصنیف نیز حدیث منقطع کی وضاحت میں علمائے اعلام کے اقوال سے تائید، مضطرب، منکر اور مدرج کا مقام و حیثیت، راوی کے مبہم ہونے کا اثر، اسباب طعن کی تعداد و شمار اور ان میں سبب غفلت کی حیثیت، متروک راوی کا مقام، یہ تمام باتیں نہایت تحقیق سے بیان فرمائیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث ان میں سے کسی وجہ کے سبب موضوع نہیں ہوتی۔'' (جامع الاحادیث، مقدمہ، ص ۴۲۴، مطبوعہ پور بندر، گجرات)

حدیث موضوع کیسے ہوتی ہے اور اس کی موضوعیت کس طرح متحقق ہوتی ہے امام احمد رضا محدث بریلوی لکھتے ہیں:

''ہاں! موضوعیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ اس روایت کا مضمون (۱) قرآن عظیم (۲) یا سنت متواترہ (۳) یا اجماع قطعی قطعیات الدلالۃ (۴) یا عقل صریح (۵) یا حسن صحیح (۶) یا تاریخ یقینی کے ایسا

مخالف ہو کہ احتمال تاویل و تطبیق نہ رہے۔

(۷) یا معنی شنیع و قبیح ہوں کہ جن کا صدور حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول نہ ہو، جیسے معاذ اللہ کسی فساد یا ظلم یا عبث یا سفہ یا مدحِ باطل یا ذم حق پر مشتمل ہونا۔

(۸) یا ایک جماعت جس کا عدد حد تواتر کو پہنچے اور ان میں احتمالِ کذب یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ رہے۔ اس کے کذب و بطلان پر گواہی مستنداً الی الحس دے۔

(۹) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر واقع ہوتا تو اس کی نقل و خبر مشہور و مستفیض ہو جاتی مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتا نہیں۔

(۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ و بشارت یا صغیر امر کی مذمت اور اس پر وعید و تہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنھیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔ یہ دس صورتیں تو صریح ظہور و وضوح وضع کی ہیں۔

(۱۱) یا یوں حکم وضع کیا جاتا ہے کہ لفظ رکیک و نحیف ہوں جنھیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل مدعی ہو کہ یہ بعینہا الفاظ کریمہ حضور افصح العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔

(۱۲) یا ناقل رافضی حضرات اہل بیت کرام علی سیدھم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اس کے غیر سے ثابت نہ ہوں جیسے حدیث ''لحمک لحمی و دمک دمی'' (تیرا گوشت میرا گوشت، تیرا خون میرا خون)

(۱۳) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع سے یا غضب وغیرہما کے باعث ابھی گڑھ کر پیش کر دی ہے جیسے حدیث سبق میں زیادت جناح اور حدیث ذم معلمین اطفال۔

(۱۴) یا تمام کتب و تصانیف اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتا نہ چلے۔ یہ صرف اجلہ حفاظ، ائمہ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔

(۱۵) یا راوی خود اقرار وضع کر دے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بہ منزلہ اقرار ہو مثلاً ایک شخص سے بلا واسطہ بہ دعویٰ سماع روایت کرے، پھر اس کی تاریخ وفات وہ بتائے کہ اس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔'' (فتاویٰ رضویہ: ۲/۴۴۲-۴۴۳، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

رئیس التحریر حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی مدظلہ نے جب امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی ان تحقیقات و تنقیحات حدیثیہ کو ملاحظہ کیا تو یوں پکار اٹھے:

''اللہ اکبر! بصیرت و ژرف نگاہی کا یہ امنڈتا ہوا سیلاب، آسمان تحقیق و تدقیق کا یہ نیر تاباں، حدیث نبوی اور فقہ حنفی کا یہ قصر عظیم جس کی رفعت خداداد کے سامنے بڑے بڑے کج کلاہوں کی ٹوپیاں

زمین پر آ گریں، حدیث و اصول حدیث کا اتنا زبردست عالم کہ چشم فلک بھی اس کی شہادت و عبقریت دیکھ کر دیدۂ حیران بن جائے۔ میں پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس دور کے بڑے بڑے محدثین اور ارباب علم وفن بھی اگر انصاف و دیانت کے ساتھ ان تحقیقات عالیہ اور وسعت مطالعہ کو دیکھ لیں تو اپنا سارا دعویٰ فضل و کمال بھول کر محدث اکبر امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے تلمذ و شاگردی کو اپنی عین سعادت سمجھیں۔'' (امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت، ص ۴۳۔۴۴)

قارئین کرام! علم حدیث میں امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی مہارت اور وسعت مطالعہ کی ذراسی جھلک آپ نے سطور بالا میں ملاحظہ کی۔ جس سے یہ بات بہ خوبی روشن ہو جاتی ہے کہ امام احمد رضا جہاں فقید المثال فقیہ و مفتی تھے وہیں ایک عظیم الشان محدث بھی تھے۔ اس کے بعد بھی کچھ نام نہاد دانش ور اور روشن خیال، امام احمد رضا محدث بریلوی کو علم حدیث میں کم زور کہتے ہیں۔ خداوند قدوس انھیں فکر سلیم اور نور بصیرت عطا فرمائے اور ہمیں افکار رضا کو پھیلانے کی توفیق دے۔ مولاے قدیر، امام احمد رضا محدث بریلوی کی قبر پر انوار و تجلیات کی بارش نازل فرمائے۔ آمین

بجاہ حبیبہ سید المرسلین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم۔

☆☆☆

الحاج محمد سعید نوری: ایک تاثر

''محترم المقام مکرم جناب فدائی وشیدائی مفتی اعظم ہند الحاج محمد سعید نوری زید مجدہٗ سے مدینہ طیبہ اور پاکستان میں ملاقات وزیارت ہو چکی ہے۔ بڑے کام کے انسان ہیں، بڑے بڑے کارنامے ان کی وجہ سے منصۂ شہود پر ظہور پذیر ہوئے، بلند مرتبت شخصیات کو کتابی صورت میں موصوف نے متعارف کرایا۔''

علامہ محمد منشا تابش قصوری

(اقتباس، مکتوب بنام غلام مصطفیٰ رضوی، محررہ ۶ ر دسمبر ۲۰۱۱ء)

مجدد قادریت امام احمد رضا محدث بریلوی

محمد شمشاد حسین رضوی (ایم۔اے)
صدر المدرسین، مدرسہ شمس العلوم، گھنٹہ گھر بدایوں

تمام علماے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام احمد رضا بریلوی دین وملت کے مجدد اور ماہ کامل تھے، ان کے فکر وفن شعور وادراک، اور تجدیدی کارناموں کی روشنی کسی ایک زاویہ پر مرکوز نہ تھی بلکہ اس روشنی میں کافی وسعت تھی بے پناہ گہرائی تھی۔ دین کے تمام زاویے اس روشنی سے منور تھے اور ملت کے تمام پہلوؤں میں اس کا جلوہ رنگیں پایا جاتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ دین وملت کے ظاہر بھی اس سے سنورے ہوئے تھے اور اس کے باطن بھی...... اذہان بھی اجالوں میں نہائے ہوئے تھے اور قلوب بھی بوئے عرفاں سے مشک بار تھے، یہ کوئی افسانوی طرز بیاں نہیں بلکہ اس کا تعلق زمینی حقایق سے تھا اس لیے اسے ماننے میں کسی کو تردد نہیں ہونا چاہیے، میں ان کی بات نہیں کر رہا ہوں جو امام احمد رضا سے بغض وعناد رکھتے ہیں کہ انھیں نہ ماننا ہے اور نہ ہی مانیں گے۔ ہاں جو انصاف پسند افراد ہیں انھیں یہ تسلیم کرنا بہر حال ضروری ہے کہ امام احمد رضا جب مجدد دین وملت ہیں تو ان کے تجدیدی کارناموں کا جہاں ایک سرا 'شریعت' سے ملتا ہے وہیں اس کا دوسرا سرا 'طریقت' سے بھی ملتا ہے، اگر آپ شریعت کے مجدد ہیں تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ سلوک وطریقت کے بھی امام ومجدد ہیں کہ شریعت وطریقت دونوں لازم وملزوم ہیں، اسی لزومی کیفیت کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے جہاں آپ نے شریعت پر حملہ آوروں کو دنداں شکن جوابات دیے وہیں آپ نے منکرین طریقت کی طرف بھی اپنی توجہ مبذول فرمائی اور ان کی ہر تنقید کا کرارا جواب دیا۔ آج بھی ہمارے حاشیۂ خیال میں ان افراد کی تصاویر موجود ہیں جنھوں نے نہ صرف تصوف پر اعتراض کیا بلکہ فن تصوف کی روح رواں تقدس مآب شخصیتوں کو بھی مجروح کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ بھلا اس موقع پر میرے اعلیٰ حضرت کیسے خاموش رہتے؟ مجدد کا کام خاموش رہنا نہیں بلکہ اس کا کام دفاع واصلاح ہے اور بے جا تنقید کرنے والوں کو مسکت جواب دینا ہے، خواہ یہ تنقید شریعت پر کی جائے یا طریقت پر، سماج پر کی جائے یا معاشرہ پر۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مجدد ہونے کی حیثیت سے آپ کے پاس علم بھی تھا اور فن بھی۔ فکر ونظر بھی تھی اور شعور وادراک بھی۔ علم ظاہر بھی تھا اور علم باطن بھی، شریعت کے اسرار سے بھی واقف تھے اور رموز طریقت سے بھی۔ انھیں تمام امور کے سبب امام احمد رضا کا قلب صاف شفاف تھا،

مصفّٰی اور مزکی تھا یعنی آپ کا دل زنگ آلود نہ تھا، امام احمد رضا کا صاف وشفاف دل ایک زاویہ تھا جسے آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس زاویہ کے بعد اب ایک دوسرا زاویہ بیان کیا جا رہا ہے، اس زاویہ کی تعمیر و تشکیل میں کسی اور کا دخل نہ تھا اگر کسی کا دخل تھا تو وہ آپ کے والد گرامی امام المتکلمین حضرت علامہ مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا تھا، یہ زاویہ بھی مبارک زاویہ تھا جو باعث رشکِ جناں تھا، امام احمد رضا نے خود اسے بیان فرمایا ہے آپ تحریر کرتے ہیں:

''ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک بہت نفیس اور اونچی سواری ہے، حضرت والد ماجد نے کمر پکڑ کر مجھے سوار کیا اور فرمایا: گیارہ درجہ تک تو ہم نے پہنچا دیا آگے اللہ مالک ہے میرے خیال میں اس سے سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلامی مراد ہے۔''

(الملفوظ، حصہ سوم، ص ۵۴۳)

اس خواب کو پیش نظر رکھتے ہوئے مولانا بدرالدین علیہ الرحمہ بڑا اچھا تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اللہ جل مجدہٗ نے اپنے برگزیدہ بندہ احمد رضا کو مقدس دین اسلام کی خدمات جلیلہ کے صلہ میں ولایتِ کاملہ کا منصب عظیم عطا فرمایا تھا اور سرکار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی غلامی نے اعلیٰ حضرت کو قطبیت کا تاج کرامت بخشا تھا چناں چہ اگر ایک طرف آپ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نائب ہیں تو دوسری طرف سیدنا غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ کے مظہر بھی ہیں، آپ نے جس شان سے احیائے دین وتجدید ملت کے فرائض منصبی کو انجام دیا وہ شاہد عدل ہے کہ یقیناً آپ کی ذات گرامی حضور غوث اعظم شہنشاہ بغداد کی تجلی گاہ تھی۔'' (سوانح اعلیٰ حضرت)

الملفوظ کی عبارت اور مولانا بدرالدین صاحب کا تبصرہ اپنی نگاہ میں رکھیے اور غور کیجیے یقینی طور پر آپ بھی یہی کہیں گے کہ گیارہویں درجہ تک رسائی سے مراد صرف اور صرف سرکار غوثیت کی غلامی ہی ہو سکتی ہے اور اس غلامی کے حصول میں آپ کے والد گرامی مولانا نقی خاں علیہ الرحمہ کی کوشش زیادہ تھی اور خود والد گرامی بھی اسی منزل پر فائز تھے۔ ذرا سوچیے جو خود اس منزل پر فائز نہ ہو وہ کسی کو اس منزل پر کس طرح فائز کر سکتا ہے؟ یہی وہ منزل ہے جس پر فائز ہونے سے سرکار غوثیت کے انوار وتجلیات کی بارش ہونے لگی اور اعلیٰ حضرت کی شخصیت تجلیوں میں نتھرنے لگی، سرکار غوثیت نے اپنے اس غلام کو کیا دیا؟ کتنا دیا، یہ کون بتا سکتا ہے؟ لفظوں میں اتنی طاقت وتوانائی کہاں؟ جو اس کا احاطہ کر سکے اور کسی کو یہ بتا سکے کہ یہ دیا یا وہ دیا، الفاظ اگرچہ معانی وخیالات اور جذبات کے حامل ہوتے ہیں مگر غلام و مولیٰ کے مابین جو فرطِ شوق اور اشتیاق ہوتا ہے لفظوں میں اتنی توانائی کہاں جو اسے کشید کر کے خود میں جذب کر سکے؟ ہاں صرف یہ بتایا جا سکتا ہے کہ سرکار غوث نے جو دینا چاہا وہ دیا اور جو عطا کرنا چاہا وہ عطا کیا، اس

سے زیادہ کچھ اور کہنا مشکل ہے مگر اس غلامی سے یہ تو ثابت ہو ہی چکا کہ امام احمد رضا کا دل مثل آئینہ چمکنے لگا، یہ زاویہ بھی کتنا اچھوتا ہے اس کا اندازہ اربابِ شوق بہ خوبی لگا سکتے ہیں۔

امام احمد رضا مارہرہ شریف میں:

اس بات سے ہم اور آپ بھی واقف ہیں کہ امام کا دل صاف ستھرا تھا اور سینہ عرفانِ الٰہی سے مملو تھا، انھیں صرف نسبت کی حاجت تھی اسی نسبت کے حصول کی خاطر آپ اپنے والد گرامی کے ہم راہ مارہرہ مقدسہ پہنچے، یہ وہی مارہرہ مقدسہ ہے جہاں کی خاک 'اکسیر ہدایت' کا درجہ رکھتی ہے اور ذرے 'اوج ثریا' کا مقام رکھتے ہیں، اس کی ہواؤں سے عشق وایماں کی خوش بوئیں آتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں، یہی وہ مقدس سرزمیں ہے جہاں ایک ہی گنبد کے سائے میں ''سات اقطاب'' آرام فرما ہیں۔ جس وقت امام احمد رضا محدث بریلوی مارہرہ مقدسہ پہنچے اس وقت حضور سید آل رسول علیہ الرحمہ کا دور تھا اور آپ کی ولایت کا چرچا ہر طرف پھیلا ہوا تھا، اور آنے والوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے فیوض وبرکات بانٹ رہے تھے، شفقت ومحبت کی برسات کر رہے تھے، لوگ زنگ آلود دلوں کے ساتھ آتے تھے اور صاف ستھرے دلوں کو لے کر واپس جاتے تھے، امام احمد رضا بھی آئے اور آپ کے والد گرامی بھی جو خود میں ''امام المتکلمین'' تھے، وحید عصر اور یگانۂ دہر تھے، جن کے فکر وشعور اور فن وادراک کے سامنے نیر درخشاں کاسۂ گدائی لیے کھڑا رہتا تھا، ان دونوں کو دیکھتے ہی حضور سید آل رسول تبسم ریز ہوئے اور لبوں پر مسکاں پھیل اٹھا، یہ وہ خوشیاں تھیں جو اپنے آپ میں نمایاں نہیں ہوتی ہیں بلکہ اس کے پسِ منظر کسی کا غیبی اشارہ ہوتا ہے، حضرت سید آل رسول علیہ الرحمہ کو کہیں نہ کہیں سے اس بات کا حکم تھا کہ وہ امام احمد رضا کو سلسلۂ عالیہ قادریہ میں داخل کریں اور امام احمد رضا کو اسی سلسلہ سے منسلک ہونے کا حکم ملا تھا، ظاہر ہے یہ حکم کہیں اور جگہ سے نہیں تھا بلکہ سرکار غوثیت مآب سے تھا کہ انھیں کہ سچے غلام اور عاشق صادق تھے اسی حکم کا کرشمہ تھا کہ اندازِ بیعت حسیں ہو گیا۔

کس قدر حسین انداز تھا بیعت کا؟

یہ تو سب کو معلوم تھا کہ آنے والا کوئی عام طالب نہ تھا بلکہ وہ بھیجا ہوا طالب تھا اور علم وفن، فکر وشعور کا جبل راسخ تھا، تحقیق وتدقیق کے میدان کا بہترین شہ سوار تھا، اصابتِ رائے کا زبردست دھنی تھا، اور فکری خطاؤں سے پاک وصاف تھا، اس پر مزید یہ کہ سرکار غوثیت کا خاص غلام تھا، اور ولایت کے گیارہ درجے تک رسائی حاصل کر چکا تھا، جیسا آنے والا تھا اسی کے مطابق بیعت کا نرالا انداز تھا اور یہ کس قدر حسیں انداز تھا؟ کہ آج بھی اس کے تصور سے دلوں میں سرور اور آنکھوں میں نور بھر جاتا ہے، اور دیدۂ حیرت کھلی کی کھلی رہ جاتی ہے اور ہر دماغ کچھ نہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ''یادگار رضا'' کا یہ اقتباس پڑھیے:

"حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رضا اور ان کے والد گرامی مولانا نقی علی خاں کو ریاضت و مجاہدہ کرائے بغیر بیعت بھی کیا اور خلافت و اجازت سے بھی نوازا، یہ عنایت و نوازش کسی اور خانقاہ میں اہمیت نہ رکھتی ہو مگر خانقاہ برکاتیہ ایک ایسی خانقاہ ہے جہاں اسے زبردست اہمیت حاصل ہے اور اس کا افادی پہلو اس قدر روشن و تابناک ہے کہ کوئی بھی دانش ور اسے نظر انداز نہیں کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدنا شاہ آل رسول کے ولی عہد پوتے اور خلیفۂ بے نظیر سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری نے عرض کیا: حضور! آپ کے یہاں بڑی ریاضت و مجاہدہ کے بعد ہی خلافت دی جاتی ہے، حضرت سید شاہ آل رسول نے ارشاد فرمایا: اور لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں اس کے تزکیہ کے لیے ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ دونوں مصفّٰی، مزکّٰی قلب لے کر آئے تھے انھیں ریاضت و مجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ انھیں تو بس اتصالِ نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہوگئی......" (یادگار رضا، سال نامہ ۲۰۱۱ء، ص ۴۲)

عنایتوں کی برسات:

حضور سید شاہ آل رسول کے ارشاد گرامی سے حضور نوری میاں کو پوری طمانیت حاصل ہوگئی کیوں کہ آپ اس کے راہ و رسم سے پوری آگاہی رکھتے تھے...... مرشد گرامی نے اپنی توجہ خاص سے اعلیٰ حضرت کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

حضور اچھے میاں کا مبارک حجرہ ہے جس میں ایک چوکی بچھی تھی اس چوکی پر خود حضور شاہ آل رسول جلوہ فرما ہوئے اور اپنے روبہ رو اپنے مرید خاص احمد رضا کو بٹھایا اور پھر ان پر ایک نگاہ التفات ڈال دی اس نگاہ التفات کا پڑنا تھا کہ میرے سرکار اعلیٰ حضرت اپنے پیر و مرشد کے رنگ میں اس طرح رنگ گئے کہ دونوں میں یک سانیت پیدا ہوگئی اور حجرہ سے دونوں باہر تشریف لائے تو مریدین و متوسلین حیرت میں پڑ گئے کہ وہ سب کے سب پہچان نہ سکے کہ ان میں پیر و مرشد کون ہے اور احمد رضا کون ہے؟ ہاں فرق تھا تو صرف اس بات میں کہ ایک کی ریش مبارک سفید تھی اور دوسرے کی کالی تھی...... اس مثالی توجہ سے سارے شکوک دور ہوگئے اور سب اپنی اپنی جگہ مطمئن ہوگئے بس یہی مقصد تھا اس مثالی توجہ کا......

بات اسی پر ختم نہیں ہوتی ہے اس سے آگے مرشد گرامی فرماتے ہیں:

"مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا: کہ اے آل رسول تو میرے لیے کیا لایا ہے تو میں کیا پیش کروں گا؟ مگر خدا کا شکر ہے وہ فکر دور ہوگئی اس وقت میں احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔"

حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو "چشم و

چراغ خاندانِ برکات" فرمایا......

عنایتوں کی یہ برسات بہت زیادہ چشم کشا ہے اور اس سے بہت سے رازہائے سربستہ کھلتے نظر آرہے ہیں مگر اس کے لیے بصیرت کی آنکھیں چاہیے...... ذیل میں کچھ سربستہ راز پیش کیے جارہے ہیں:

(الف) مثالی توجہ سے امام احمد رضا کی انفرادیت ثابت ہوتی ہے کہ مارہرہ شریف میں کم از کم حضور سید شاہ آل رسول کے عہد خلافت میں کوئی امام احمد رضا جیسا طالب نہیں آیا تھا، کاش! اگر اس طرح کا کوئی طالب آیا ہوتا تو حضور نوری میاں یا پھر خانقاہ برکاتیہ میں موجود مریدین کو کسی طرح کی حیرت نہ ہوتی اور حضور آل رسول نے عملی طور پر مثالی توجہ فرما کر اس نظریہ کی توثیق فرمادی۔

(ب) مثالی توجہ میں اس بات کا اشارہ پایا جاتا ہے کہ حضور آل رسول نے اپنے مرید خاص کو جو دینا چاہا وہ دیا اور جو عطا کرنا چاہا وہ عطا کیا اس میں کسی کو دخل دینے کی اجازت نہیں کہ مرشد نے کیا دیا اور کتنا دیا بلکہ صرف اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ ان کو وہ سب دے دیا جو وہ دے سکتے تھے، مثالی توجہ کا یہ واقعہ سرزمین مارہرہ مطہرہ میں پہلی بار واقع ہوا تھا اگر یہ نہ مانا جائے تو پھر اس بات کے ماننے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے کہ حضور سید شاہ آل رسول کے عہدِ خلافت میں یہ واقعہ یقیناً پہلی بار واقع ہوا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس سے پہلے کوئی اور (ایسا) واقعہ واقع ہوا ہوتا تو حضرت نوری میاں یا دوسرے مریدین و متوسلین کو اس واقعہ پر کسی طرح کی کوئی حیرت نہ ہوتی لہٰذا اس واقعہ پر حیرت کا اظہار کرنا اس واقعہ کی انفرادیت کو ثابت کر رہا ہے......

(ج) مثالی توجہ میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ مرشد گرامی نے اپنے مرید خاص احمد رضا کو ان کی قلبی کیفیت کے مطابق جام قادریت پلا کر سرشار کر دیا اور اس کے فروغ و ارتقا کی ذمہ داری بھی ان کے کاندھے پر ڈال دی اور "مجدد قادریت" کا جامہ بھی زیب تن کر دیا، حقیقت یہی ہے کہ یہ جامہ انھیں کو زیب دیتا ہے......

(د) حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں نے اعلیٰ حضرت کو "چشم و چراغ خاندان برکات" فرمایا جو معنویت سے بھرپور ہے، اس میں زبردست گہرائیاں ہیں اور وسعتیں ہیں، جو صرف دیدۂ بینا کو نظر آتی ہیں، آیئے دیکھتے ہیں اس کا استعمال کن کن معنوں میں ہوتا ہے؟ اس کا استعمال دو طریقے سے ہوتا ہے: حقیقی اور مجازی

چشم و چراغ کا حقیقی معنی: آنکھوں کی روشنی:

اگر حضور نوری میاں کے ارشاد میں اس سے حقیقی معنی مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس ترکیب سے حضرت نوری میاں اپنے خاندان والوں سے یہ ارشاد فرمانا چاہتے ہیں کہ "احمد رضا"

خاندان برکات کی مبارک آنکھوں کی روشنی ہیں لہٰذا جس کی طرف دیکھو تو ''احمد رضا'' کی روشنی میں دیکھو جوان کا ہے وہ تمھارا ہے اور جوان کا نہیں ہے وہ تمھارا نہیں ہے، اسی تناظر میں شہزادگان مارہرہ مطہرہ نے دیکھنے کی کوشش کی اور حضور احسن العلما نے یہاں تک فرمایا کہ: احمد رضا کی محبت ہمیں گھٹی میں پلائی گئی ہے......اور اگر چشم و چراغ سے اس کا معنی مجازی مراد لیا جائے یعنی بہت ہی عزیز، اور آنکھوں کی ٹھنڈک تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے کہ یقینی طور پر اعلیٰ حضرت بزرگان مارہرہ مطہرہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے اور یہاں کے شہزادگان ان کے اوپر اپنے دل و جاں نثار کرتے تھے اپنی مجلسوں میں صرف انھیں کا تذکرہ کرتے تھے اور اعلیٰ حضرت بھی اپنے سرکاروں کا تذکرہ بڑے ہی والہانہ انداز میں کیا کرتے تھے:

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا

بول بالے مری سرکاروں کے

کہا جاتا ہے بزرگوں کی باتوں پر عمل کرنے ہی میں فائدہ ہے اور اسی میں دین و دنیا کی سلامتی ہے اس سے سرمو انحراف خطروں کا سگنل ہے آج ہم اس لیے پریشاں ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کے اقوال کو پس پشت ڈال دیا ہے جو ہمارے لیے رہنما خطوط کی حیثیت رکھتے تھے اور جن پر اپنے قلب و جاں قربان کرنے سے آب حیات نصیب ہوتا تھا، ہمارے بزرگوں نے ہمارے لیے ایک ''نسخۂ کیمیا'' عطا کیا تھا جو 'مسلک اعلیٰ حضرت'' کی صورت میں کل بھی تھا اور آج بھی ہے، جب تک ہم اس مسلک سے جڑے رہے ہم میں اتحاد رہا، اتفاق رہا اور ایک دوسرے کے گلے کے ہار بن کر رہے، اس مسلک پر حملہ کو ہم لوگوں نے اپنی تہذیب اور اپنے کاز پر حملہ تصور کیا اور پھر اسی انداز میں اس کا دفاع بھی کیا۔

(س) حضور نوری میاں علیہ الرحمہ نے سرکار اعلیٰ حضرت کو ''چشم و چراغ'' کہہ کر قوم و ملت کو اس کے پسِ پردہ یہ پیغام دے دیا کہ امام احمد رضا پوری ملت کی ضرورت کا نام ہے کہ اس پیغام کو صرف خاندان تک محدود رکھنا اس کی عالمی معنویت کو کھو دینے کے مترادف ہے میں یا کوئی بھی دانش ور اس کی عالمی معنویت کو کھو دینے پر کسی صورت میں تیار نہ ہوگا، واہ! یہ کس قدر اچھا اور نرالا پیغام ہے کہ اس ضرورت کے تحت ہی کسی کو اعتباریت کی سند مل سکتی ہے جو یہاں نہیں تو وہ کہیں نہیں کہ یہ ضرورت کہیں محدود نہیں ہوتی ہے اس کی وجہ یہ کہ یہ ضرورت خشک یا منجمد نہیں ہے بلکہ ایسے اصول و نظریات پر قائم ہے جو فطری ارتقاؤں پر آگے بڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اوج ثریا کی بلندیوں کو چھونے کا عزم و حوصلہ رکھتے ہیں، ایسی صورت میں جہاں یہ ضرورت ہوگی وہیں اعتباریت بھی ہوگی کیوں کہ:

گوہر کان ز کان ما باشد

واں ہم اندر دُکان باشد

کہ معدنی گوہر بھی ہماری کان یعنی ضرورت سے معتبر ہوتا ہے کہ وہاں بھی ہماری ہی دکان ہے گویا اس پیغام کا خلاصہ یہ ہوا کہ سلاسل طریقت جبھی معتبر ہوں گے جب کہ ان پر مسلک اعلیٰ حضرت کی مہر لگ جائے گی اس لیے میں کہتا ہوں اس وقت ہندستان میں جس قدر بھی خانقاہیں ہیں ان کی تعلیمات وارشادات میں امام احمد رضا کی تعلیمات کا حسن امتزاج بالیقیں پایا جاتا ہے یہ اور بات ہے کہ اس بات کا اعتراف اپنی زباں سے نہ کریں مگر حقیقت حال اس بات کی شہادت ضرور دے رہی ہے......بہر حال مارہرہ مقدسہ کی عنایتوں نے امام احمد رضا کی شخصیت کو ان مول اور نادر و نایاب بنا دیا اور اسے کہیں سے کہیں تک پہنچا دیا، اس بات کا اعتراف خود خاندان برکات کے شہزادوں نے کیا اور برابر کرتے رہے ہیں، حضرت نظمی میاں فرماتے ہیں:

حضرت آل رسول پاک کے فیضان سے

نوجواں احمد رضا اعلیٰ حضرت بن گیا

حضرت نوری میاں نے جس امید و یقیں کے ساتھ اعلیٰ حضرت کو ''چشم و چراغ خاندان برکات'' کہا اعلیٰ حضرت نے تا زندگی اسے نبھانے کی کوشش کی اور ان کے شہزادگان نے بھی اس امید پر کھرے اترنے کی پوری پوری کوشش کی، اس سلسلے میں دقیقہ بھر بھی فروگزاشت سے کام نہ لیا۔

اعلیٰ حضرت اور ان کے شہزادوں نے قادریت کے فروغ و ارتقا میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا آج جو ہندستان میں ہر طرف قادریت کے جلوے اور اس کی توانائیاں پائی جاتی ہیں ان میں ان کی کوششوں کے اثرات ضرور دکھائی دیتے ہیں،

☆☆☆

''مجھے اس سلام (مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام) سے بڑی محبت وعقیدت ہے............میں دنیا میں جہاں بھی گیا وہاں محافل میلاد ہوتی ہیں اور اعلیٰ حضرت کا سلام پڑھا جاتا ہے اور اعلیٰ حضرت اسلام کے مجدد اور عظیم امام تھے، میری نظر میں ان کی کوئی مثال نہیں......''

حضرت سید شیخ یوسف ہاشم رفاعی

سابق وزیر اوقاف کویت

(گلستان اعلیٰ حضرت، از بشیر احمد رضوی، ص۹)

نبی اُمّت کا حامی ہے خدا بندوں کا والی ہے

امام احمد رضا محدث بریلوی

اندھیری رات ہے غم کی گھٹا عصیاں کی کالی ہے
دل بے کس کا اس آفت میں آقا تو ہی والی ہے

نہ ہو مایوس آتی ہے صدا گورِ غریباں سے
نبی اُمّت کا حامی ہے خدا بندوں کا والی ہے

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لے
اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اُجالی ہے

ارے یہ بھیڑیوں کا بن ہے اور شام آگئی سر پر
کہاں کھویا مسافر ہائے کتنا لا اُبالی ہے

اندھیرا گھر اکیلی جان دَم گھٹتا دل اُکتاتا
خدا کو یاد کر پیارے وہ ساعت آنے والی ہے

زمیں تپتی کٹیلی راہ بھاری بوجھ گھائل پاؤں
مصیبت جھیلنے والے ترا اللہ والی ہے

نہ چونکا دن ہے ڈھلنے پر تری منزل ہوئی کھوٹی
ارے او جانے والے نیند یہ کب کی نکالی ہے

رضاؔ منزل تو جیسی ہے وہ اِک میں کیا سبھی کو ہے
تم اس کو روتے ہو یہ تو کہو یاں ہاتھ خالی ہے

(ماخوذ: حدائق بخشش، حصہ اول، مطبوعہ دہلی)

اِس دور اِس صدی کو بھی حاجت رضا کی ہے

فاروق اختر چشتی مالیگانوی

چاہت، محبت اور عقیدت رضا کی ہے
شہرت، قبولِ عام، فضیلت رضا کی ہے

عصری علوم، فقہ و تصوف، سُخن وری
ہر شعبہ میں عظیم مہارت رضا کی ہے

مفتی نعیمؔ دین، بہاریؔ سے ذی وقار
تاریخِ علم و فضل، رفاقت رضا کی ہے

تزئینِ نظم و نثر کوئی سیکھے آپ سے
کیا ہی فصاحت اور بلاغت رضا کی ہے

ہے رشکِ فارسی، عربی، نعت و منقبت
اُردو ادب پہ ایک عنایت رضا کی ہے

گھر کے زمین دار، سِپہ گر تھا خاندان
سرمایۂ کتب ہے جو ثروت رضا کی ہے

لائے کوئی ''حدائق بخشش'' کا کیا جواب
ہر شعر، ہر کلام میں ندرت رضا کی ہے

''ایمان کا خزانہ''، ہمیں دے گئے ہیں آپ
ہے کنزِ آخرت جو عقیدت رضا کی ہے

''الامن والعلیٰ'' میں مِلا سُنیوں کو امن
تصنیف، پاس بانِ شریعت رضا کی ہے

تصنیف ہے جو ''ترکِ موالات'' آپ کی
شانِ صواب دیدِ سیاست، رضا کی ہے

ہے معترف تمام ''فتاویٰ'' کے خوشہ چیں
بے مثل و باکمال فقاہت رضا کی ہے

شاگردِ داغؔ بن کے تو چمکے حسن رضا
اندازِ نعت گوئی میں نسبت رضا کی ہے

تحقیق جامعات میں جاری ہے، رات دن
اعلیٰ ترین علم میں قامت رضا کی ہے

دین حنیف میں ہیں ''امامت کے چار باغ''
بے داغ، بے خزاں حقیقت رضا کی ہے

شاہد ہیں سب اکابرِ مارہرہ آپ کے
رشکِ اکابرین ولایت رضا کی ہے

''کلکِ رضا ہے خنجرِ خوں خوار برق بار''
باطل سے کوئی پوچھے جو ہیبت رضا کی ہے

گستاخ سر پٹکتے رہے، کیا جواب دیں؟
عشق رسول ﷺ آخری حجت رضا کی ہے

زیرِ لوائے حمد بھی ہو گی حشر میں
سُنّی بریلوی جمعیت رضا کی ہے

ہم سُنّیوں کو کاش ہو ادراک آج بھی
کیا کیا تقاضا کرتی محبت رضا کی ہے

مفلس، غریب، نانِ جویں کو ترستے تھے
نعمت کھلانے والی، وصیت رضا کی ہے

ہیں چودھویں صدی کے مجدد بلا شبہ
اس دور، اِس صدی کو بھی حاجت رضا کی ہے

اشعار تاب دار رقم ہوں گے خود بخود
اخترؔ! رضا کے ذکر میں شوکت رضا کی ہے

اشعار رضاؔ کی توضیح و تفہیم اور

شارح رضویات احسن العلما مارہروی

غلام مصطفیٰ رضوی
نوری مشن مالیگاؤں
Cell. 09325028586 gmrazvi92@gmail.com

انیسویں صدی کا اختتام امت مسلمہ کے لیے بڑے چیلنجز لے کر آیا۔ ایمان وعقیدہ اور تہذیب وتمدن پر مخالفین اسلام کی نظر بد لگی ہوئی تھی، اندرونی و بیرونی ہر دو سطح پر اسلام کے گلستاں کو اجاڑنے کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ ایسے حالات میں سب سے زیادہ ناموس وعظمت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ دراصل صدیوں تک اسلامی تاریخ وتہذیب، اسباب عروج، تمدن وسیاست کے مطالعہ کے بعد یورپ کے عالی دماغوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ امت مسلمہ کی کامیابی کا راز ان کی اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت اور عشق ہے، جب تک مسلمان اپنی اس متاع عظیم کو سنبھال کر رکھے رہیں گے انھیں کوئی پسپا نہیں کر سکتا، اول یہی کیا گیا کہ عشق نبوی کی دولت دلوں سے نکالنے کے لیے فتنے پیدا کیے گئے، خارجی طور پر پادریوں، پنڈتوں، آریہ پیشواؤں اور دوسرے اسلام دشمن عناصر سے اہانت رسالت کروائی گئی، جب دیکھا کہ خارجی حملے کارگر نہیں ہو رہے تو کئی فتنے داخلی طور پر تیار کیے گئے، ناموس رسالت میں توہین سے مملو کتابیں لکھوائی اور چھاپی گئیں...... بلا مقصد کوئی کام نہیں کیا جاتا...... ایسی اہانت آمیز کتابوں کی تصنیف کے پیچھے بھی کوئی مقصد تھا اور ان کتابوں سے امت مسلمہ میں انتشار کی بنیاد پڑی...... ان میں جو توہین نبی کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھی گئی ہے وہ بھی منظم و مربوط سازش کے تحت ہی ہے...... ورنہ کوئی اور بھی موضوع چھیڑا جا سکتا تھا...... لیکن! جب دلوں کی دنیا ویران کرنی ہو اور فکروں کو بانجھ بنانا ہو تو صرف ناموس رسالت پر حملہ ہی کافی ہے...... اسی لیے اقبال نے کہا تھا کہ:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

اور اقبال سے کافی پہلے امام احمد رضا نے متاع عشق نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کو یوں سنبھال کر رکھنے کی تعلیم از بر کروائی تھی:

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

امام احمد رضا کی زندگی کا مقصد اشاعت دین اور تبلیغ اسلام تھا۔ ایمان جبھی کامل ہوگا جب رسول انام علیہ التحیۃ والثنا کی محبت واحترام کا نقش دلوں پر ثبت ہو جائے۔ امام احمد رضا نے عظمت رسالت اور تعظیم واحترام کے موضوع پر جو کچھ علمی وتحقیقی کام کیا، ان ذخائر سے استفادہ کرنے والا یقینی طور عشق نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبۂ صادق سے شادکام ہوجاتا ہے۔ اسی جذبۂ صالح کے تحت آپ نے شعرگوئی کی، تصنیف وتالیف کا ذخیرہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

موجودہ عہد میں ارباب علم وادب نے جہاں امام احمد رضا کی تفسیری وفقہی خدمات پر علمی کام انجام دیے وہیں آپ کی شعری وادبی بصیرت پر بھی روشنی ڈالی، جب کہ دنیا کی درجنوں یونی ورسٹیوں میں آپ پر جو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں لی گئیں ان میں زیادہ تر مقالے ''شعروادب'' کے حوالے سے لکھے گئے۔ ان سب کے باوجود ابھی بہت کام باقی ہے۔ بہت سے جلوے ہیں جواب بھی پوشیدہ ہیں۔ ارباب علم کی تحقیق کے منتظر ہیں۔

کلام رضا پر مختلف انداز میں تشریح وتفہیم کا کام انجام دیا گیا ہے۔ جن میں مشہور ادیب و مترجم علامہ شمس بریلوی (م۱۹۹۷ء)، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (۲۰۱۱ء)، مولانا فیض احمد اویسی (۲۰۱۰ء)، صوفی اول رضوی، مولانا عبدالستار ہمدانی، مفتی محمد خان قادری، ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی وغیرہم نے مقالات و مستقل کتابیں تالیف فرمائیں۔ شارح کلام رضا کی حیثیت سے ایک اور معتبر نام شارح رضویات، حافظ حدائق بخشش حضور احسن العلما مولانا سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء) کا ہے۔ اس تحریر میں احسن العلما کی اسی خصوصیت کے حوالے سے اختصار میں روشنی ڈالی جائے گی۔

شارح رضویات حضرت احسن العلما:

سرزمین ہندستان پر اسلام کی اشاعت وتبلیغ کا مقدس فریضہ زیادہ تر خانقاہوں نے انجام دیا۔ حضرت داتا گنج بخش ہجویری لاہوری، خواجہ غریب نواز سے لے کر حضور احسن العلما مارہروی تک اولیاے کرام اور خانقاہی بزرگوں کا ایک سلسلہ ہے جن کی دینی واصلاحی اور فکری خدمات نے ذہن وفکر میں خوش گوار انقلاب برپا کر کے ایمان کو تازگی عطا کی۔ اس خصوص میں خانقاہ برکاتیہ کا کردار بڑا نمایاں رہا ہے۔ اس خانقاہ سے وابستہ اولیا وعلما نے خدمت علم دین کے سلسلے میں تصنیف وتالیف اور ہدایت و ارشاد ہر دو طرح سے کام لے کر ظاہر وباطن دونوں کی آراستگی کا سامان کیا۔ صدیوں پر پھیلی ہوئی اس خانقاہ کی خدمات کا تجزیہ کیا جائے تو ڈاکٹریٹ لیول کا مقالہ تیار ہو جائے۔

احسن العلما اسی خانقاہ کے پروردہ تھے۔ حضرت احسن العلما کی ولادت ۱۰؍شعبان ۱۳۴۵ھ/۱۳؍فروری ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ آپ امام احمد رضا محدث بریلوی کے مرشدان کرام کے سادات گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ والد محترم حضرت سید شاہ آل عبا بشیر حیدر قادری (م۱۹۸۶ء) عظیم صوفی، عالم، ماہر لسانیات، نقاد اور ماہر علوم جدیدہ تھے۔ ۱۴؍ماہ کی عمر میں آپ کے نانا حضرت سید اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی (م۱۳۴۷ھ) نے بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ تربیت میں والد ماجد کے علاوہ حضرت تاج العلما مولانا سید اولاد رسول محمد میاں مارہروی (م۱۳۷۵ھ) نے اہم رول ادا کیا نیز آپ نے خلافت واجازت بھی دی اور اپنی سجادگی بھی۔ احسن العلما کے اساتذہ سے متعلق ان کے صاحب زادۂ گرامی مشہور فکشن نگار سید محمد اشرف مارہروی (انکم ٹیکس کمشنر دہلی) لکھتے ہیں:

''ان کے اساتذۂ کرام میں حضور تاج العلما، حضرت شیخ العلما مولانا غلام جیلانی علیہ الرحمہ گھوسوی، مفتی سندھ خلیل العلما حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قادری برکاتی، حضرت شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی صاحب علیہم الرحمہ جیسے نامی گرامی اساتذۂ کرام تھے۔ اردو کے استاد منشی سعید الدین صاحب تھے۔ انگریزی کے کچھ سبق قبلہ ماسٹر سمیع الدین صاحب مدظلہ سے پڑھے........ قرآن عظیم کے درس کے اساتذہ میں والدہ محترمہ حضرت سیدہ شہر بانو رحمۃ اللہ علیہا اور حافظ سلام الدین اور حافظ عبدالرحمٰن عرف حافظ کلو رحمۃ اللہ علیہم تھے۔'' (۱)

احسن العلما نے خانقاہ برکاتیہ کی علمی وروحانی روایات کو فروغ دیا۔ تصنیف واشاعت کا کام بھی کیا اور مسند درس وتدریس کو بھی زینت بخشی۔ آپ کے ذریعے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ کی عظیم پیمانے پر اشاعت ہوئی۔ اہل سنت کی اشاعت کے لیے آپ کا ذہن بڑا متحرک وفعال تھا۔ ان سب خوبیوں پر مستزاد یہ کہ آپ نے اپنے عہد میں اہل سنت کی خانقاہی قیادت بھی خوب نبھائی۔ آپ پیکر علم ودانش تھے۔ شعری وادبی بصیرت سے مالا مال تھے۔ خطابت کی بزم کے مہر درخشاں تھے۔ شارح کلام رضا تھے۔ عموماً آپ اپنی خطابت کے ذریعے اشعار رضا کی تشریح نہایت آسان وسلیس انداز میں فرماتے۔ اس لحاظ سے آپ کے افادات عالیہ، ارشادات وخطبات کو تحریری شکل دے دی جائے تو کلام رضا کی تشریح وتفہیم پر ایک اہم ذخیرہ تیار ہو جائے۔ اس سمت کسی قدر پیش رفت ہوئی ہے اور بعض تقریریں تحریری شکل میں خانقاہ برکاتیہ کے سال نامہ ''اہل سنت کی آواز'' کے مختلف شماروں میں شایع بھی ہوئیں۔ (۲)

امام احمد رضا سے محبت و الفت:

یہ اللہ کریم کی شان ہے کہ دین متین کی حفاظت وصیانت کے لیے وہ اپنے مخصوص بندوں کو پیدا فرماتا ہے۔ ان سے تجدید جیسا اہم کام لیتا ہے۔ مجددین اسلام کا ایک طویل سلسلہ ہے جن کی خدمات سے اسلامی تاریخ کے صفحات جگ مگا رہے ہیں۔ امام احمد رضا نے فضل الٰہی سے دین کے

مقابل پیدا شدہ فتنوں کا سد باب کیا، آپ کا کارِ تجدید بہت سی جہات کو پھیلا ہوا ہے۔ آپ کے عہد میں اسلامی تہذیب وتمدن کو مسلسل نشانہ بنایا جا رہا تھا، عقائد میں بگاڑ کے لیے انگریز کے زیر اثر اندرونی سازشیں الگ بپا تھیں۔ ہر محاذ پر امام احمد رضا نے اسلام کی حفاظت کی یہی وہ اسباب تھے جن کی بنیاد پر امام احمد رضا کے پیر خانہ (خاندان برکات) نے آپ کے مبارک مشن کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ اور آج بھی خانوادۂ برکاتیہ اسی پر گام زن ہے۔

مجدد برکاتیت حضرت میر ابوالقاسم اسماعیل حسن شاہ جی میاں سے لے کر احسن العلما تک تمام اکابر مارہرہ کی سوانح حیات کی ورق گردانی کر لیجیے۔ مسلکِ رضا، فکرِ رضا، مشنِ رضا، یادِ رضا اور ذکرِ رضا کی فصلِ بہار آراستہ نظر آئے گی۔ ہر جہت سے اکابر مارہرہ نے تعلیمات وافکار رضا کی اشاعت کی ہے۔ احسن العلما کا مشن ہی فکر رضا کی ترویج واشاعت تھا۔ جانشین احسن العلما حضرت امین ملت ڈاکٹر سید امین میاں قادری (سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ) فرماتے ہیں:

''حقیقت ومعرفت کی شمع بظاہر خاموش ہے مگر ان کا مشن زندہ ہے۔ ان کا مشن ہے ایک نکاتی پروگرام اسلام وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت، اس ایک جملے میں گویا سمندر کوزے میں بھر دیا ہے۔'' (۳)

اس تناظر میں صاحب زادۂ احسن العلما حضرت شرف ملت سید محمد اشرف میاں مارہروی فرماتے ہیں:

قبل از وصال بھی وہ بیٹوں سے کہہ رہے تھے
احمد رضا سے جو تھی الفت حسن میاں کی

حضرت اشرف میاں احسن العلما کی عشق والفت اور محبت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں وارفتگی کے تناظر میں لکھتے ہیں: ''اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے حضور احسن العلما کو جو ایک مخصوص والہانہ محبت تھی، وہ بھی غالباً عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دین تھی۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی اساس الفت رسول اور عظمت نبی پر قائم ہے، اسی لیے تو احسن العلما علیہ الرحمہ نے وقت آخر سے دو تین دن پہلے اپنے بچوں کو جو وصیت کی وہ یہ کہ:

''مسلک اعلیٰ حضرت پر مضبوطی سے ڈٹے رہنا۔ میرا جو مرید اس مسلک سے ہٹ جائے، میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔''

وہ مسلک اعلیٰ حضرت کو عشق رسول، عظمتِ نبی اور اپنے بزرگوں کے اقوال سے جدا نہیں جانتے تھے۔'' (۴)

اعلیٰ حضرت سے انسیت اور قلبی تعلق پر حضرت اشرف میاں کا یہ بیان پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے:

''شاعروں میں انھیں سب سے زیادہ کلام امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا یاد تھا۔ ان کا شعر سناتے وقت فرماتے: ''سنو! میرے اعلیٰ حضرت کیا فرماتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا کوئی شعر سناتے۔ کبھی کبھی یوں بھی فرماتے: ''سنو! بریلی والا کیا کہہ رہا ہے۔'' اور یہ کہہ کر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا شعر سناتے۔ اعلیٰ حضرت سے انھیں عشق کی حد تک محبت تھی اور اس کا اظہار وہ خلوت وجلوت، ظاہر وباطن، گفتگو ووعظ غرض یہ کہ ہر مقام پر کرتے تھے۔ اپنے مریدوں کے درمیان بھی اور دوسروں کے درمیان بھی۔ وہ اعلیٰ حضرت کا ذکر ضرورتاً نہیں عادتاً کرتے تھے اور عادتاً بھی نہیں محبتاً کرتے تھے اور محبت پر کسی کا اجارہ نہیں۔ اعلیٰ حضرت کا نام لینے سے پہلے ''چشم وچراغ خاندان برکات'' کا لقب اکثر استعمال فرماتے۔'' (۵)

احسن العلما نے اپنی ایک منقبت میں امام احمد رضا کی شان اور آن بان کو جس انداز میں خراج عقیدت پیش فرمایا ہے وہ دیکھیے، پڑھنے اور محسوس کرنے سے تعلق رکھتا ہے، چند اشعار ملاحظہ کریں اور محبت رضا کی تپش کو اور تیز کریں:

چہرۂ زیبا ترا احمد رضا
آئینہ ہے حق نما احمد رضا
علم تیرا بحر نا پیدا کنار
ظلِ علم مرتضیٰ احمد رضا
تیرے مرشد حضرت آلِ رسول
ان کو تجھ پہ ناز تھا احمد رضا
اپنے برکاتی گھرانے کا چراغ
تجھ کو نوری نے کہا احمد رضا
سنیت کی آبرو دم سے ترے
اب بھی قائم ہے شہا احمد رضا
تیری اُلفت میرے مرشد نے مجھے
دی ہے گھٹی میں پلا احمد رضا

اس منقبت میں مارہرہ وبریلی کے اٹوٹ رشتے پر روشنی پڑتی ہی ہے ساتھ ہی کار رضا کا جو نقشہ سامنے آتا ہے اس کے آئینے میں فیضانِ مارہرہ کی وہ جھلک دکھائی پڑتی ہے جس سے امام احمد رضا کی عظمتوں کی قندیل مزید فروزاں ہو جاتی ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کو اپنے پیر خانہ مارہرہ شریف سے بڑی محبت وعقیدت تھی، اور

قلبی تعلق تھا، اس کے جلوے تصانیف رضا میں جگہ جگہ نمایاں نظر آتے ہیں، مکاتیب رضا میں بھی الفت مارہرہ جلوہ گر ہے، اور حدائق بخشش میں تو حضرت غوث اعظم کے بعد سب سے زیادہ منقبت کے اشعار اکابر مارہرہ کی شان میں ہی نظم ہوئے ہیں۔ کلام رضا پر جو فیضِ نوری مارہروی ہے اس کا ذکر کیسے اچھوتے انداز میں فرماتے ہیں:

اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

بہر حال خانقاہ برکاتیہ کی مدح میں نثر و نظم رضا کے حوالے سے اگر گفتگو کی جائے تو کثیر صفحات پُر ہو جائیں اور کیفیت یہ ہو ع

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

شارح کلام رضا:

حضرت احسن العلما کی شخصیت بڑی ہمہ جہت اور تہ دار تھی۔ نثر و نظم دونوں میں مہارت رکھتے تھے، ادبی ذوق تھا ہی، خانقاہی مزاج بھی اس میں معاون ہوا۔ اس کے نتیجے میں آپ کے مواعظ و ارشادات میں بھی چاشنی عود کر آئی۔ تقریر کا اسلوب بڑا سادہ، عام فہم اور رواں دواں تھا، ایک مشفق استاذ کی طرح بات سمجھا دینا احسن العلما کے خطاب کی خوبی تھی۔ فکر رضا کی اشاعت آپ کے خطاب کا اہم پہلو ہے۔

اشعار رضا کی تشریح کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ احسن العلما کے پیش نظر چوں کہ دینی فکر و بصیرت کی اشاعت تھی، اسی لیے آپ کی تشریحات اسی نقطۂ نظر سے دیکھی جانی چاہیے۔ گرچہ ان تشریحات میں ادبی خصوصیات، فنی مباحث پر بھی ضمناً روشنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم مارہروی لکھتے ہیں:

''شعر فہمی ان کا (احسن العلما کا) خاصا تھا۔ اور کلامِ امام اہل سنت (علیہ الرحمۃ والرضوان) کی تشریح میں تو انھیں ملکہ حاصل تھا۔ شاید ایک طویل مضمون تو اسی پر لکھا جا سکتا ہے کہ انھوں نے کلام امام اہل سنت کی شرح کس طرح بیان کی ہے۔'' (۶)

احسن العلما کی بصیرت و دانش ایسی تھی کہ وہ کلامِ رضا پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے، کلام کے داخلی و خارجی محاسن، ادبی دروبست، فکری پیغام اور شوکتِ الفاظ و سلاست زبان و بیان سبھی پہلوؤں پر آپ کی نظر تھی، صاحب زادۂ احسن العلما حضرت اشرف میاں فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت اور ان کی دینی خدمات پر، ان کی کتابوں اور ان کتابوں میں بیان کردہ مضامین پر اور اعلیٰ حضرت کی شاعری پر انھیں اتھارٹی کا درجہ حاصل تھا۔ دور دور سے اسکالر آتے اور ان

سے چند گھنٹے...... گفتگو کرتے، سیر ہو کر واپس جاتے اور اپنے مقالوں کا وزن بڑھاتے۔ ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم، سابق چیئرمین شعبۂ تاریخ جامعہ ملیہ نے حضور احسن العلما کو ماہر رضویات ہی نہیں ''شارح رضویات'' بھی کہا ہے۔'' (اہل سنت کی آواز ۱۹۹۵ء کا اداریہ) اور بالکل صحیح کہا ہے۔'' (۷)

احسن العلما نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے اشعار کے توسط سے اللہ کریم کی عظمت، شانِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، عشق و محبت نبوی، عظمت اولیا کے نقوش دلوں میں بٹھائے ہیں۔ امام احمد رضا نے اپنی نعت گوئی قرآن مقدس کے آئینے میں کی جس کا اظہار اس شعر میں فرمایا ہے:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

اسی لیے ہر ہر شعر میں قرآنی فکر عطر بیز ہے، اور اپنے کلام کے توسط سے ایمان کو تازگی فراہم کر دیتے ہیں۔ احسن العلما کی تشریحات کا تجزیہ بھی یہ واضح کرتا ہے کہ اشعار رضا کی تفہیم کے لیے احسن العلما، قرآن مقدس، احادیث طیبہ اور روایات اسلاف کی نہایت عمدہ وضاحت فرماتے ہیں جن سے دینی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اشعار رضا کا مفہوم کم پڑھا لکھا شخص بھی نہایت آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔

تلفظ اور احتیاط:

امام احمد رضا نے اپنے کلام کے توسط سے بہت سے متروک لفظوں میں نئی جان ڈال دی ہے۔ ادبی دقایق کی گرہیں کھولی ہیں، نکتہ سنجی نے مفہوم کو وسعت عطا کر دی ہے، فنی فضا بڑی نکھری نظر آتی ہے ہمارے امام کے کلام میں، آپ کا ادبی و لسانی رخ سے یہ کارنامہ ہے کہ اردو زبان کو تاثیر بیان عطا کی ہے۔ نئے لب و لہجے سے آشنائی بخشی، غنائیت و نغمگی عطا کی، یہی سبب ہے کہ سخن داں و سخن ساز جب اشعار رضا کا مطالعہ کرتے ہیں تو امام احمد رضا کے منفرد ادبی مقام کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہتے۔ اشعار رضا کو درست تلفظ کے ساتھ پڑھنا بھی اہل علم ہی کا خاصہ ہے۔ احسن العلما چوں کہ شارح کلام رضا تھے اس لیے آپ کلام رضا کے تلفظ کا بھی خاص خیال رکھتے، اگر کوئی تلفظ میں غلطی کرتا تو ایک مشفق استاذ کی حیثیت سے اصلاح فرماتے یوں ہی کلام میں حزم و احتیاط کا لحاظ رکھتے۔ امام احمد رضا کے مشہور قصیدہ کا شعر ہے:

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

اس ضمن میں مذکورہ پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت اشرف میاں تحریر فرماتے ہیں:

یہ قصیدہ تو وہ بہت ہی استغراق اور وجد کے عالم میں پڑھتے اور اس میں استعمال شدہ صفتوں

کی تشریح ایسے دل کش انداز میں فرماتے کہ ہم بچوں کے ذہن میں بھی بات نقش ہو جاتی۔ اعلیٰ حضرت کا شعر اگر کوئی غلط پڑھتا تو نرم انداز میں ضرور ٹوک دیتے، اکثر فرماتے: ''حدائق بخشش سمجھنا تو الگ، پڑھنا بھی ہر ایرے غیرے کے بس کی بات نہیں ہے'' اس غلام قادری راقم الحروف نے بھی یہ قطعہ اپنے والد معظم کی اسی بات کی یاد کی چھاؤں میں بیٹھ کر لکھا ہے۔ (یہ قطعہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے حاسدین ومخالفین کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے۔):

منارِ قصرِ رضا تو بلند کافی ہے
تم اس کے پہلے ہی زینے پہ چڑھ کے دکھلا دو
فتاویٰ رضویہ تو اک کرامت ہے
ذرا حدائق بخشش ہی پڑھ کے دکھلا دو (۸)

اور بلاشبہ یہ احسن العلما جیسے اکابر علما کا ہی وصف ہے کہ وہ ''حدائق بخشش'' کی تفہیم کے ساتھ ہی اس کی شرح کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔

تشریحات کے چند نمونے:

احسن العلما کے خطبات سے بعض اشعارِ رضاؔ کی تشریح وتوضیح کے چند نمونے ہم یہاں پیش کرتے ہیں، قارئین دیکھیں کہ کس طرح سادہ ودل کش انداز میں وضاحت وصراحت فرماتے ہیں کہ ہر شعر مفہوم ومطلب کے ساتھ حاشیۂ ذہن پر محفوظ ہو جاتا ہے اور تشریح سمجھ لینے کے بعد جو لطف ملتا ہے اسے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ان تشریحات کو پڑھتے وقت یہ ذہن میں رہے کہ حضرت احسن العلما ہر جمعہ نماز سے قبل مسجد برکاتی مارہرہ شریف میں خطاب فرمایا کرتے تھے، جس میں سامعین کی استعداد کے پیش نظر گفتگو فرماتے، اور ذہن نشین کرانے کی غرض سے سامعین سے سوال بھی کرتے، انھیں خطبات سے اشعار کی تشریح والے اقتباس اختصار کے ساتھ اپنے موقف کی دلیل میں ہم پیش کیے دیتے ہیں۔

نمونۂ اول:

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایے کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

احسن العلما فرماتے ہیں: ''وہ (آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) خود نور مطلق کا سایہ ہیں۔ نور مطلق کون؟ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ، اس کا سایۂ رحمت آپ بن کر تشریف لائے ہیں، تو ہم روز دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ہم چلتے ہیں، اٹھتے ہیں، بیٹھتے ہیں، پھرتے ہیں تو ہمارا سایہ پڑتا ہے، لیکن کبھی آپ نے سایے کا بھی سایہ دیکھا ہے؟ پرچھائیں کی پرچھائیں دیکھی ہے؟ اللہ اکبر! تو یہ تو سایۂ رحمت بن کر

تشریف لائے ہیں۔ دوسری بات اور فرمائی علما نے، ایک اور نکتہ بیان فرمایا انھوں نے، کہا دیکھو ایسا ہے کہ جس جگہ آدمی کی پرچھائیں پڑتی ہے اتنی جگہ میں کیا ہوتا ہے؟ (سامعین: اندھیرا ہوتا ہے) اجالا تو نہیں ہوتا ہے نا؟ (سامعین: نہیں) اندھیرا ہوتا ہے۔ اور ان کے یہاں تو اندھیرے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کفر وشرک سب سے بڑا اندھیرا ہے۔ ان کی (آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی) ایک نظر رحمت اٹھ جائے، تو عمر کے بڑے حصے جن کے بیت جاتے ہیں کفر کرتے کرتے لیکن ایک نظر رحمت اٹھی نہیں اور پھر معلوم نہیں کیا سے کیا بن جاتے ہیں۔ (یعنی دل کی دنیا ایمان کے نور سے منور ہو جاتی ہے) اللہ اکبر۔'' (۹)

تبصرہ: نورانیت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موضوع پر امام احمد رضا کے شعر کی کیسی عمدہ وضاحت کی، آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا بے سایہ ہونا آپ کے فضائل سے ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں: ''اب نہ رہے مگر وہ لوگ جنھیں طولِ صحبت روزی ہوا اور حضور کو آفتاب یا ماہ تاب یا چراغ کی روشنی میں ایسی حالت میں دیکھا کہ مجمع بھی کم تھا اور موقع سایہ پر بالقصد نظر بھی کی اور ادراک کیا کہ جسم انور ہم سائیگی سایہ سے دور ہے۔'' (۱۰)

نمونۂ دوم:

تم سے خدا کا ظہور اس سے تمھارا ظہور
لِم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروروں درود

احسن العلما فرماتے ہیں: ''اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ع

تم سے خدا کا ظہور اس سے تمھارا ظہور

لوگوں کی پیشانیوں پر سلوٹیں پڑ جاتی ہیں اعلیٰ حضرت کا نام سُن کر لیکن سنی مسلمان کے ماتھے پر سلوٹ نہیں پڑ سکتی، اس کا چہرہ تو پھول کی طرح کھل جائے گا۔ دیکھو میں اتنی دیر سے ان کی (اعلیٰ حضرت کی) نعت پڑھ رہا ہوں لیکن کیا کروں مجبور ہوں، اللہ اکبر! کوئی چیز چھوڑی ہی نہیں ہے اعلیٰ حضرت نے بیان فرمانے سے، فرماتے ہیں:

تم سے خدا کا ظہور اس سے تمھارا ظہور
لِم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروروں درود

اب میں تمھیں اس کے معنی بتا دوں، تم سے خدا کا ظہور، یہ مصرع بہت صاف ہے۔ تم سے خدا کا ظہور اس سے تمھارا ظہور، لِم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروروں درود، تو یہ لِم اور اِن کیا ہے؟ حافظ صاحب (حافظ شریف برکاتی) بھی پوچھ رہے ہیں مجھ سے کہ یہ کیا دو لفظ، لِم لام میم اور یہ الف نون اِن

کیا ہے؟ یہ لم اور اِن کیا؟ میں بتاؤں آپ کو کہ منطق میں دو دلیلیں بہت مشہور ہیں: ایک ''دلیل لمی'' کہلاتی ہے، اور ایک ''دلیل اِنی'' کہلاتی ہے۔ آپ کہیں گے پھر وہی بات کہ دلیل لمی اور دلیل اِنی۔ ہاں! وہی بات سنو، دلیل کے معنی ہیں کھلی ہوئی روشنی، جو حق چیز کو چمکا دے، جو اس کا مدلول ہے جس کے لیے وہ لائی گئی ہے اس کو بالکل صاف صاف بیان کر دے۔ جیسے آپ سب میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں آپ کے کان بھی دیکھ رہا ہوں، ناک بھی دیکھ رہا ہوں، ایسے ہی آپ میرے دیکھ رہے ہیں۔ پیٹھ البتہ آپ کی مجھ سے پوشیدہ ہے تو آپ کی بھی نظر سے میری پیٹھ پوشیدہ ہے۔ ادھر کی طرف ہے۔ تو دلیل اِنی کہتے ہیں اس کو کہ دلیل سے مدلول پر روشنی پڑے۔ اور دلیل لمی کہتے ہیں کہ مدلول سے دلیل پر روشنی پڑے۔ آ گئی بات سمجھ میں؟ اچھا ابھی نہیں آئی تو اب سنو میں مثال دے کر بتاتا ہوں، مثلاً آپ نے کہا ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود اگر سورج چمک رہا ہے تو دن موجود ہے۔ بولو بھائی اب آئی سمجھ میں۔ وہ تو عربی کا جملہ تھا نہیں سمجھ میں آیا ہوگا۔ ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود اگر سورج موجود ہے، بولو بھائی اس وقت سورج موجود ہے کہ نہیں ہے؟ (سامعین: ہے) یہ رات ہے کہ دن ہے؟ (سامعین: دن) جمعہ کی نماز رات کو پڑھو گے؟ (سامعین: نہیں) جمعہ کا وہی وقت ہے جو ظہر کا وقت ہے۔ ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود اگر سورج چمک رہا ہے تو دن موجود ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ سورج چمکنا یہ دلیل ہے، کا ہے کی؟ دن کے موجود ہونے کی۔ تو دلیل سے مدلول پر روشنی پڑی، آیا سمجھ میں؟ دلیل سے مدلول پر روشنی پڑی۔ اچھا اب تم نے یہ نہیں کہا ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود بلکہ تم نے یہ کہا دن موجود ہے، اس لیے کہ سورج چمک رہا ہے۔ پہلے پھیرے میں تم نے یہ کہا تھا کہ چوں کہ سورج چمک رہا ہے اس لیے دن موجود ہے۔ اب اس کو الٹ کر کہا، یہ دلیل لمی ہے۔ وہاں دلیل سے مدلول پر روشنی پڑی اور یہاں مدلول سے دلیل پر روشنی پڑی۔ اب اس شعر کو سمجھنے کی کوشش کرو:

تم سے خدا کا ظہور اس سے تمہارا ظہور
لم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروروں درود

اللہ اکبر! اللہ ہے اس لیے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اس لیے کہ اللہ ہے، جل جلالہٗ وعم نوالہٗ۔ یاد رکھنا اس بات کو۔'' (۱۱)

تبصرہ: شعر رضا کی شرح میں احسن العلما نے تمثیل سے کام لے کر اصطلاح کی توضیح کی ہے۔ اور موجود حقیقی کے مظہر رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود کو حق تعالیٰ کے وجود کی دلیل بتایا ہے۔ اس طرح خالق کی موجودگی اور افضل الخلق کی عطائے الٰہی سے موجودگی کا فلسفہ بیان کیا ہے۔

نمونۂ سوم:

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عجم
تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزارانِ عرب

احسن العلما شعر مذکور کے تحت اپنے خطاب میں فرماتے ہیں: ''دونوں جگہ 'دام' استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ 'دام' کے معنی 'قیمت' کے ہیں اور ایک جگہ 'دام' کے معنی 'جال' کے ہیں۔ تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عجم۔ تیرے بے دام کے۔ دام کوئی نہیں ٹھہرایا آپ نے۔ معاذ اللہ آپ نے کوئی جال بھی نہیں پھیلایا۔ لیکن جس کو دیکھیے تو معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سب جال میں قید ہیں۔ (یعنی اسیر محبت ہیں) آپ کی آنکھ (مبارک) دیکھی، آپ کے چہرہ (اقدس) پر نظر پڑی۔ بوجہل نے جب کہا کہ انھیں بند کر دو، انھیں جیل میں ڈال دو تو اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا کہ نہیں اس سے بھی کام نہیں چلے گا، ان کا سوشل بائی کاٹ کر دو۔ کسی نے کہا اس سے بھی کام نہیں چلے گا، کہا ان کے گھر آنا جانا بند کر دو۔ کہا اس سے بھی کام نہیں چلے گا، کہا ان کے راستے میں کانٹے بچھا دو، تو کہا اس سے بھی کام نہیں چلے گا اس لیے کہ تم نے بند کر دیا جیل میں، جیل کی سلاخوں کے پیچھے یہ چلے گئے لیکن جوان کو باہر سے دیکھے گا، کسی کی آنکھ میں پیار تیری زبان میں ہے، کسی کی آنکھ میں جادو تیری زبان میں ہے۔ اللہ اکبر! اگر ایک بات بھی کر لی یا بات بھی نہیں کی، ان کی زبان بھی نہیں ہلی، صرف چہرے پر نظر پڑی تو ان کی صورت پاک پر وہ جاذبیت ہے، وہ کشش ہے۔ عام طور پر لوگ ایسے موقع پر بول دیتے ہیں وہ گل موہنی ہے، لیکن میں احترام رسالت کے سلسلے میں یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہتا۔ وہ کشش وہ جاذبیت ہے۔ اللہ اکبر! کہ جو آتا ہے قتل کرنے کے لیے وہ خود قتل ہو کر واپس جاتا ہے۔'' (۱۲)

تبصرہ: احسن العلما نے شعر کی شرح میں وہ عجب دل کش منظر نگاری کی ہے کہ عشق کے قافلے صف در صف نظر آتے ہیں۔ حسد میں لوگ آتے ہیں نبوی عظمت کا چراغ گل کرنے لیکن اک جھلک دیکھ کر قتل (فدا) ہو جاتے ہیں۔ ایمان کی لذت سے آشنا ہو کر اسیر بارگاہِ ناز ہو جاتے ہیں۔ احسن العلما نے سادگی و پرکاری کا عمدہ نمونہ اپنی تشریح میں پیش کیا ہے۔ ہمارے مقررین کو ایسی ہی سادہ تشریح کر کے عوام کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہیے۔

نمونۂ چہارم:

کیا بات رضاؔ اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسینؓ اور حسنؓ پھول

احسن العلما شعر مذکور کے تحت فرماتے ہیں: ''کیا بات رضا...... کیا بات رضا...... یوں تو

بہت چمنستان ہیں، موگرا بھی کھل رہا ہے، موتیا بھی کھل رہا ہے، اور سوسن و یاسمن اور بنفشہ اور گل ونسترن سب ہی موجود ہیں، اللہ اکبر! لیکن کہیں ایسا بھی چھوٹا سا گلستاں مل جاتا ہے، بظاہر چھوٹا سا ہے لیکن اس میں اور کوئی پھول ہے یا نہیں ہے لیکن ''گلِ ہزارہ'' لگا ہوا ہے۔ میاں! جب گلاب کھلتا ہے تو سب کی خوش بوئیں ماند ہو جاتی ہیں اور گلاب ہی میں خاصیت ہے کہ زندہ رہتا ہے تو خوش بو دیتا ہے اور مُرجھا جاتا ہے تو بھی خوش بو دیا کرتا ہے۔ بولو بھائی، سچ ہے! (سامعین: سچ ہے) آئی بات سمجھ میں میری! ارے زندہ رہتا ہے، اس کی پتیاں ہری رہتی ہیں، تازہ رہتی ہیں، تب بھی خوش بو دیتا ہے، اللہ اکبر! اور جب بالکل مُرجھا جاتا ہے، چُو مُر ہو جاتا ہے، عطاروں کے یہاں سے جو گلاب آتا ہے، یونانی دواؤں میں شامل ہوتا ہے وہ خشک ہونے کے بعد بھی خوش بو دیتا ہے۔ سبحان اللہ! یہ گلِ ہزارہ ہی میں خصوصیت ہے، موگرا بھی مُرجھانے کے بعد بے کار ہو جاتا ہے، کوئی خوش بو اس میں نہیں ہوتی۔ اور بہت سے تو ایسے بھی پھول ہیں جن میں کوئی خوش بو ہوتی ہی نہیں ہے، اللہ اکبر! ایسی بات ہے نا؟ (سامعین: جی ہاں) ایک انار ہوتا ہے، ایک گلِ انار ہوتا ہے۔ بولو! گلِ انار میں خوش بو ہوتی ہے؟ اس میں کوئی خوش بو نہیں ہوتی انار کا جو پھل ہوتا ہے اس میں خوش بو ہوا کرتی ہے، لیکن گلِ ہزارہ، گلِ گلاب وہ پورے چمن کی زینت ہوا کرتا ہے۔ تو فرماتے ہیں یہ جو چمنستاں ہے، یہ چمنستانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ہے):

کیا بات رضاؔ اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول'' (۱۳)

[شعر مذکور کے تحت احسن العلما نے آگے حضرت امام حسن وامام حسین کی ولادت، ان پر آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عنایات، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت و عظمت کا تذکرہ کیا ہے نیز مزید تشریحی نکات اجاگر کیے ہیں۔ مکمل تشریح سید محمد اشرف میاں برکاتی کی تالیف ''یادِ حسن'' (مطبوعہ دار الاشاعت برکاتی مارہرہ مطہرہ ۲۰۰۳ء) میں ملاحظہ کریں۔]

تبصرہ: باغبانی کے ماہرین اس تشریح سے کیا حظ اٹھائیں گے، شعرِ رضا کی تفہیم میں گلستاں آباد فرمادیا ہے احسن العلما نے، گلِ برکات نے گلشن بریلی کی وہ بہار ایک شعر کی تشریح میں سمودی کہ طبیعت فرحت و انبساط پاتی ہے اور روح جھوم جھوم اٹھتی ہے۔ گویا یہ تشریح طبعی ہے، جس میں گلوں کی کیفیات کے تناظر میں حضرات حسنین کریمین اور باغِ نبوت کے سدا بہار پھولوں کی نکہت کا ذکر ایسے انداز میں موجود ہے کہ خشک ذہن بھی تازگی محسوس کریں گے یعنی محبت اہل بیت اطہار سے ایمان کے باغ میں بہار آئے گی۔

تفہیم کے سلسلے میں ایک واقعہ:

۱۹۸۵ء میں احسن العلما نے کراچی میں مشہور مترجم و ادیب حضرت شمس

بریلوی (م ۱۹۹۷ء) سے ملاقات کی، اس ملاقات کا مقصد بعض اشعار رضاؔ کی توضیح و تفہیم کے سلسلے میں استفسار تھا۔ حضرت شمس بریلوی نے امام احمد رضا کے کئی ان قصائد پر تشریحی کام کیا تھا جو اصطلاح ہیئت و نجوم، علم فلکیات کے حوالے سے تھے۔ اور کلام رضاؔ کے فنی تجزیہ کے حوالے سے بھی حضرت شمس بریلوی کی خاصی شہرت تھی، ملاقات کے احوال پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری (سکریٹری ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی) کی زبانی ملاحظہ کریں جو اس محفل ملاقات کے شاہد تھے، موصوف لکھتے ہیں:

''حضرت حسن میاں صاحب علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے، اور جا بجا صفحات پر نشانیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت حسن میاں نے فرمایا: شمس صاحب آپ سے اعلیٰ حضرت کے چند نعتیہ اشعار کی تشریح درکار ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ بر صغیر پاک و ہند میں صرف آپ ہی ان اشعار کی تشریح کر سکیں گے، کہ آپ ہی نے کلام رضاؔ کا ادبی و تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے، میں نے کئی حضرات سے ان اشعار کی تشریح کے سلسلے میں رجوع کیا، مگر مجھے کوئی بھی ان اشعار کے مطالب و مفاہیم سے مطمئن نہ کر سکا۔ حضرت حسن میاں نے سب سے پہلے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ شعر پڑھا اور فرمایا کہ آپ اس کی تشریح فرمائیں:

بلبل و نیل پر و کبک بنو پروانو
مہ و خورشید پہ ہنستے ہیں چراغانِ عرب

حضرت شمس نے بے تامل فرمایا کہ: اعلیٰ حضرت کے اس شعر کا بنیادی خیال اس شعر میں موجود ہے:

کہہ دو یہ کوہ کن سے کہ مرنا نہیں کمال
مر مر کے ہجرِ یار میں جینا کمال ہے

اس شعر میں ایک تلمیح ہے......... تلمیح یہ ہے کہ ''بلبل'' گل پر فریفتہ ہے۔ نیل پر (فاختہ کے برابر جسم والا بہت ہی خوب صورت پرندہ) آفتاب پر عاشق ہے۔ اور ''کبک'' نیل پر کی طرح بجائے آفتاب کے ماہ تاب پر جان دیتا ہے۔ یہ تینوں عاشقانِ صادق اپنے محبوب کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ بلبل تو گل بن پر منڈلاتی ہے اور چکر لگاتے لگاتے بے خود ہو کر گل پر اپنے رُخسار رکھ کر بے ہوش ہو جاتی ہے اور بار بار کے اس عمل سے اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے.......... ''نیل پر'' جب آفتاب نصف النہار پر ہوتا ہے تو اس تک پہنچنے کے لیے بے تحاشا پرواز کرتا ہے اور بے حد تاب و تواں پرواز کرتا ہے اور آخر کار اس پرواز میں اس کا جگر پھٹ جاتا ہے اور فضا سے مردہ زمین پر گرتا ہے۔ ''کبک'' کا بھی یہی حال ہے کہ ماہ تاب پر فریفتہ ہے، ماہ کامل کو دیکھ کر بے ساختہ چیختا ہے یا اس کی طرف پرواز کرتا ہے اور ''نیل پر'' کی طرح آخر کار یہ بھی مر کر زمین پر آ گرتا ہے۔ کبک، نیل پر سے

تقریباً دوگناہ اور سہ گناہ بڑا ہوتا ہے، بعض لوگ کبک کو گھروں میں پالتے ہیں اور اس کے پنجرے کو چاندنی سے اس حد تک بچاتے ہیں کہ اس کے پنجرے پر دو تین بستنی چڑھاتے ہیں، اگر چاندنی کی ایک کرن بھی دیکھ لیتا ہے تو پھر بے تحاشا چیختا ہے۔

اس تلمیح کو سامنے رکھتے ہوئے شعر کے مفہوم پر غور کیجیے کہ حضرت رضاؔ فرماتے ہیں کہ اے پروانو! تم شمع محفل پر اس طرح خاموشی سے جان کو قربان کرتے ہو، جان اگر قربان کرنا ہے تو بلبل، نیل پر اور کبک کی طرح قربان کرو، کہ چراغانِ عرب تو مہ و خورشید سے بھی زیادہ فروزاں ہیں، شمع محفل کا کیا ذکر، اس طرح حضرت شمس کئی منٹ تک اس شعر کی تشریح فرماتے رہے..........'' (۱۴)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت احسن العلما کو اشعار رضاؔ کی تفہیم و توضیح سے کس قدر دل چسپی تھی، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شمس بریلوی کی علمی حیثیت احسن العلما کی نظر میں کتنی بلند تھی گویا حضرت شمس بریلوی کی ادبی و علمی بصیرت پر مہر تصدیق لگا دی ہے احسن العلما نے۔

بہر حال اختصار کے پیش نظر انھیں چند نکات پر موضوع کو سمیٹا جاتا ہے۔ احسن العلما کی وہ تحریریں جو مارہرہ شریف کے کتب خانہ میں محفوظ ہوں گی ان میں بھی یقیناً تفہیم کلام رضاؔ کے پہلو سے مواد ہوگا جس کو سامنے لانے پر اشعار رضاؔ کی تحقیق و تفہیم اور توضیح میں بڑی مدد ملے گی، امید کہ بزم ادب کا کوئی خوشہ چیں اپنے رہوارِ فکر کو اس موضوع پر موڑ کر علم و ادب کے کئی ایسے جواہر سامنے لائے جن سے نگاہیں خیرہ ہوں اور علمی ذخیرے میں قابل قدر اضافہ ہو۔

خلاصۂ کلام:

احسن العلما کی شخصیت بڑی جامع تھی، ان کی زندگی سراپا درس تھی، خطبا درس لیں، احسن العلما کی سی سادگی اپنائیں، تصنع و بناوٹ سے خطابت کا حسن ماند پڑ جاتا ہے، خطاب کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، احسن العلما اپنے خطاب کے ذریعے اشعارِ رضا کی محض تفہیم ہی نہیں فرماتے بلکہ اسلامی تعلیمات اور سیرت طیبہ کے نقوش، محبت اہل بیت اطہار نیز اولیاے کرام کی عقیدت کا عطر کشید کر دیتے جس سے من کی دنیا میں خوش بو پھیل جاتی اور ایمان کی فصل ہری ہو جاتی، آپ کی گفتگو عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ صوفیانہ بھی ہوتی جس سے اخلاقی بصیرت بھی مہیا ہوتی، اور خانقاہ برکاتیہ نے تو ہر دور میں کردار سازی کا مقدس فریضہ انجام دیا ہے۔ اشعار رضا کے حوالے سے احسن العلما نے اخلاق و کردار نبوی علیہ التحیۃ والثنا کی وہ تشریح فرمائی کہ جنھیں بزم حیات میں سجا لیا جائے تو ذہن و فکر نور نور ہو جائیں، خیالات کی وادیاں زرخیز ہو جائیں، اور خطیب کی خطابت کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ جو بات پیش کی جا رہی ہے اسے عملی طور پر قبول کیا جائے۔

احسن العلما نے اشعار رضا کی شرح کیا فرمائی سیرت طیبہ کے جلوے نکھر کر سامنے آ جاتے

ہیں۔ امام احمد رضا نے یہی کیا کہ اپنی نعت کے تناظر میں محبت نبوی کی روح اگلی نسلوں میں منتقل کی، دل کو طیبہ کی یاد میں وارفتہ کر دیا، ایسا کہ قول و فعل بھی سنت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آئینہ دار ہو گئے، دل و جاں، ہوش و خرد، فکر و نظر بھی کچھ شہ بطحا کے دیار کی یادوں میں کھو گئے، یہی عشق کی معراج بھی ہے اور منزل مقصود بھی، بقول اعلیٰ حضرت:

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

امام احمد رضا نے اپنی شاعری کے ذریعے دین حق کی روشن راہ واضح کی، اور اس پر استقامت کے لیے جان ایمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت و تعلق اور روح کا رشتہ ضروری ہے۔ ایسی محبت جس میں واقعیت ہو۔ امام احمد رضا نے تحقیق و مشاہدہ کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالا کہ اس دور انحطاط میں جب کہ فکروں کا سودا کیا جا چکا تھا، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی و توہین کی فضاے مسموم ہموار کی جا چکی تھی، عشق و محبت رسول کی متاع گراں بہا کی حفاظت اشد ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا کا شعری و نثری سرمایہ عظمت و شان اور تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آئینہ دار ہے۔ آپ کی محتاط شاعری کی توضیح کے لیے بھی علم وسیع درکار ہے، احسن العلما جیسی محتاط شخصیت جن کا علمی استحضار ان کے عہد میں مسلّم تھا، نے اشعار رضا کی تفہیم کا نکھرا اور ستھرا مزاج دیا، راقم نے جتنے نمونے پیش کیے وہ تشریحات کے بعض پیراگراف پر مشتمل ہیں ورنہ ایسے تشریحی نکات بھی موجود ہیں جو ایک ایک شعر کی شرح میں دسیوں صفحات پر محیط ہیں۔ آپ کی بصیرت علم اور رضویات جو بہ طور فرع علم متعارف ہے اس میں مہارت پر شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کا یہ تبصرہ صداقت کا آئینہ دار ہے:

''(احسن العلما) مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے عاشق زار تھے۔ مسلک اعلیٰ حضرت سے سر مو انحراف کو برداشت نہ کر پاتے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حالات و کوائف کے جزئیات پر کامل عبور تھا میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ اپنے وقت میں سب سے بڑے ''ماہر رضویات'' تھے۔'' (۱۵)

احسن العلما علیہ الرحمہ نے امام احمد رضا کے اشعار کی تشریح و تفہیم کا جو معیاری نمونہ پیش کیا اور واعظین کو خطابت کے لیے اشعار رضا سے استفادے کا سلیقہ بخشا اسے مزید اجاگر کیا جانا چاہیے، خطبا و واعظین ایک ایک شعر کی تشریح احسن العلما کے اسلوب تفہیم کے آئینے میں کریں گے تو عام طبقہ بھی منظومات رضا کے علمی دقائق نیز فنی خوبیوں سے آشنا و آگاہ ہوگا، جس سے عشق رسول کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی تپش تیز ہوگی۔

مآخذ و مصادر

(۱) سید محمد اشرف برکاتی، یادِ حسن، مطبوعہ دارالاشاعت برکاتی مارہرہ مطہرہ ۲۰۰۳ء، ص ۱۹
(۲) پروفیسر ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم مارہروی نے متعدد تقاریر کو تحریری شکل دے کر اشاعت کی ہے۔
(۳) اہل سنت کی آواز مارہرہ مطہرہ، ص ۲۷۲، اکتوبر ۱۹۹۹ء
(۴) نفس مصدر، خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ (حصۂ دوم)، ص ۶۴۲_۶۴۳، اکتوبر ۲۰۱۰ء
(۵) نفس مصدر، خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ (حصۂ دوم)، ص ۵۶۲، اکتوبر ۲۰۱۰ء
(۶) نفس مصدر، ص ۸۷، اکتوبر ۲۰۰۰ء
(۷) نفس مصدر، خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ (حصۂ دوم)، ص ۵۶۲، اکتوبر ۲۰۱۰ء
(۸) نفس مصدر، خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ (حصۂ دوم)، ص ۵۶۲، اکتوبر ۲۰۱۰ء
(۹) نفس مصدر، ص ۸۵، اکتوبر ۲۰۰۰ء
(۱۰) احمد رضا بریلوی، امام، قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام، ص ۲۵، مطبوعہ برکات رضا پوربندر گجرات ۲۰۰۸ء
(۱۱) اہل سنت کی آواز مارہرہ مطہرہ، ص ۱۱۱ تا ۱۱۳، اکتوبر ۲۰۰۰ء
(۱۲) نفس مصدر، ص ۱۰۱_۱۰۲، اکتوبر ۲۰۰۰ء
(۱۳) سید محمد اشرف برکاتی، یادِ حسن، ص ۳۴۸، مطبوعہ دارالاشاعت برکاتی مارہرہ مطہرہ ۲۰۰۳ء
(۱۴) مجید اللہ قادری، ڈاکٹر، ملفوظات شمس، ص ۴۱ تا ۴۴، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۳ء
(۱۵) سیرت احسن العلما (مجموعۂ مضامین) ص ۲۹، مطبوعہ برکاتی پبلشرز کراچی ۱۹۹۸ء

☆☆☆

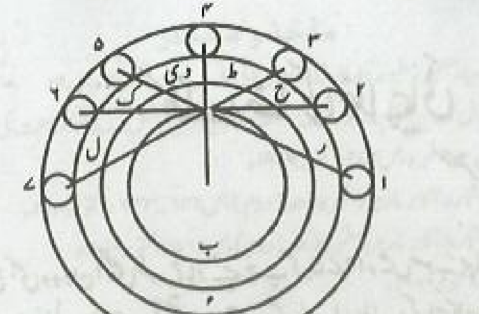
کلک رضا کی خلا پیمائی

حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی

مجھے آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد ہے جب کہ ۱۹۷۵ء میں صوبۂ بہار کے تعلیمی شہر بھاگل پور میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ وقت کے بلند پایہ علمائے کرام کا وہاں ایک قافلہ فروکش تھا۔ دوسری صبح چائے نوشی کے دوران وہاں چند آدمیوں پر مشتمل ایک گروہ جس میں مولوی صورت ادھیڑ عمر کا ایک آدمی بھی تھا میری قیام گاہ پر پہنچا۔ اس مولوی صورت آدمی نے نہایت متانت کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے اپنی جھولی سے ایک ضخیم کتاب نکالی اور میرے سامنے پیش کی۔ یہ کتاب امام احمد رضا کے فتاویٰ کا مجموعہ ''فتوی رضویہ'' حصہ دوم تھی۔ اپنی وضع قطع چال ڈھال ہی سے وہ آدمی بدمذہب معلوم ہوتا تھا۔ فراست مومنانہ سے ہم نے یہ سمجھ لیا کہ یہ کوئی اعتراض لے کر آیا ہے۔ میرے پوچھے بغیر ہی اس نے اپنا تعارف اس طرح پیش کیا کہ مجھ ناچیز کو محمد ہاشم قاسمی کہتے ہیں۔ اسی ضلع کے ایک دارالعلوم میں تدریسی خدمت انجام دیتا ہوں۔ خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اس کتاب میں ایک بات کہی گئی ہے جو کسی طرح بھی عقل میں نہیں آتی اور پھر ص ۲۵۹ رکھول کر میرے سامنے رکھ دیا اور خود ہی عبارت پڑھ کر مجھے سناتا رہا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عصر کا وقت مستحب اور وقت مکروہ کیا ہے، بینوا توجروا؟

الجواب:- نماز عصر میں ابر کے دن تو جلدی چاہیے نہ اتنی کہ وقت سے پیش تر ہو جائے۔ باقی ہمیشہ اس میں تاخیر مستحب ہے، اسی واسطے اس کا نام عصر رکھا گیا۔ لانھا تعصر یعنی وہ نچوڑ کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ الیٰ ان قال مگر ہرگز اتنی تاخیر جائز نہیں کہ آفتاب کا قرص متغیر ہو جائے اس پر بے تکلف نگاہ ٹھہرنے لگے یعنی جب کہ غبار کثیر یا ابر رقیق وغیرہ حائل نہ ہو کہ ایسے حائل کے سبب تو ٹھیک دوپہر کے آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے اس کا اعتبار نہیں بلکہ صاف شفاف مطلع میں اس قدرتی دائمی حیلولت کرۂ بخار کے سبب کہ افق کے قریب نگاہ کو اس کا کثیر حصہ طے کرنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے طلوع وغروب کے قریب آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے جب اس سے اونچا ہوتا اور کرۂ بخار کا قلیل حصہ حائل رہ جاتا ہے شعاعیں زیادہ ظاہر ہوتیں اور نگاہیں جمنے سے مانع آتی ہیں اور یہ حالت مشرق و مغرب دونوں میں یک ساں ہے۔ جس کا حال اس شکل سے عیاں: (شکل الف میں ملاحظہ ہو)



(شکل الف)

ا۔ب کرۂ زمین ہے۔ا۔موضع ناظر ہے یعنی سطح زمین کی وہ جگہ جہاں دیکھنے والا شخص کھڑا ہے۔د۔ہ زمین کے سب طرف کرۂ بخار ہے جسے عالم نسیم و عالم لیل و نہار بھی کہتے ہیں۔اور یہ ہر طرف سطح زمین سے ۴۵ میل یا قول اوائل پر ۵۲ میل اونچا ہے،اس کی ہوا اوپر کی ہوا سے کثیف تر ہے تو آفتاب اور نگاہ میں اس کا جتنا زائد حصہ حائل ہوگا اتنا ہی نور کم نظر آئے گا۔اور نگاہ زیادہ ٹھہرے گی''۵'' مرکز شمس ہے''۵۱'' ہر طرف وہ خط ہے جو نگاہ ناظر سے شمس پر گزرتا ہے پہلے نمبر پر آفتاب افق شرقی سے طلوع میں ہے اور دوسرے تیسرے نمبر پر چڑھتا ہوا چوتھے نمبر پر ٹھیک نصف النہار پر آتا پانچویں چھٹے نمبر پر ڈھلتا ہوا،ساتویں نمبر پر افق غربی پر غروب کے پاس پہنچا،ظاہر ہے کہ جب آفتاب پہلے نمبر پر ہے تو خط ا۔ھ کا حصہ ا۔ز کرۂ بخار میں گزرا اور دوسرے پر''ا۔ح'' تیسرے پر''ا۔ط'' چوتھے''ا۔د۔ا'' اور اقلیدس سے ثابت ہے کہ ان میں''ا۔ز'' سب سے بڑا ہے اور آفتاب جتنا اونچا ہوتا جاتا ہے''ا۔ح''''ا۔ط'' وغیرہ چھوٹے ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ نصف النہار پر خط''ا۔ذ'' یعنی دوپہر کے وقت خط اگر ۴۵ رہی میل ہے جب بھی خط''ا۔ز'' یعنی وقت طلوع کا خط پانسو اٹھانوے میل سے بھی زائد ہے، پھر جب آفتاب ڈھلکتا ہے تو وہ خطوط اسی نسبت پر بڑے ہوتے جاتے ہیں''ا۔ی'' برابر''ا۔ط'' کے پڑتا ہے،اور''ا۔ک'' برابر''ا۔ح'' اور''ا۔ل'' برابر''ا۔ز'' کے ہے۔یہاں سے واضح ہوگیا کہ یہ قدرتی دائمی سبب ہے جس کے باعث آفتاب جب نصف النہار پر ہوتا ہے اپنی انتہائی تیزی پر ہوتا ہے اور اس سے پہلے اور بعد دونوں پہلوؤں پر جتنا افق سے قریب تر ہوتا ہے اس کی شعاع دھیمی ہوتی ہے یہاں تک کہ شرق غرب میں ایک حد کے قریب پر اصلاً نگاہ کو خیرہ نہیں کرتی......الخ

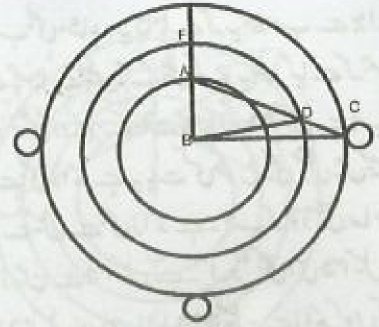
(فتاویٰ رضویہ، جلد دوم، صفحہ ۱۵۹ تا صفحہ ۲۶۰)

عطار کے اختتام پر شخص مذکور اپنے اعتراض کی طرف رخ کرتے ہوئے اس طرح گویا ہوا کہ یہ کہنا تو بجا ہے کہ اقلیدس سے ثابت ہے کہ ان خطوط میں''ا۔ز'' سب سے بڑا ہے یہ بات اگر اقلیدس

سے ثابت نہ بھی ہوئی جب بھی مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ یہ خط سب سے بڑا ہے اور نصف النہار کے وقت کا خط یعنی''ا۔ذ'' سب سے چھوٹا ہے لیکن آگے چل کر جو یہ لکھا گیا ہے کہ ہم نے اپنے محسابات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ خط''ا۔ذ'' یعنی دوپہر کے وقت کا خط اگر ۴۵ میل ہے جب بھی خط''ا۔ز'' یعنی طلوع کا خط پانچ سو اٹھانوے میل سے بھی زائد ہے یہ بات کسی طرح بھی عقل میں نہیں آتی کہ''ا۔ذ'' تو ۴۵ میل ہے اور''ا۔ز'' پانچ سو اٹھانوے میل سے بھی زائد ہے۔جب کہ خود مفتی صاحب اپنے فتویٰ میں فرماتے ہیں کہ عالم نسیم ہر طرف سطح زمین سے ۴۵ میل ہے۔''ا۔ذ'' بھی اسی ۴۵ میل میں ہے اور''ا۔ز'' بھی اسی ۴۵ میل میں ہے تو ایک خط ۴۵ میل اور دوسرا خط ۵۹۸ میل سے زائد کیوں کر ہوسکتا ہے۔معاف کیجیے گا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے محض ایک دھونس جمایا ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں کیا آپ بات کی صداقت پر روشنی ڈال سکتے ہیں؟

مولوی صاحب اپنا اعتراض پیش کرکے خاموش ہوگئے اور پر مسرت چہرے سے آزو بازو بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف داد طلب نگاہوں سے دیکھنے لگے۔بہر حال اب ہمارے جواب دینے کی باری تھی ہم نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جواب دیا کہ آپ تو اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ میں اس وقت ایک کانفرنس میں شرکت کی غرض سے آیا ہوں۔اس لیے اس دقیق مسئلہ کی تحقیق کے لیے آپ میرے دار العلوم فیضیہ ایشی پور تشریف لائیے اور مہربانی کرکے اپنے ساتھ کسی ماہر ہندسہ داں کو لیتے آیئے،ان شاء المولیٰ وہاں آپ کو تسلی بخش جواب سے مطمئن کردیا جائے گا کہ یہ دھونس نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔علم ہندسہ سے ناواقفی کی وجہ سے آپ کی عقل میں یہ بات نہیں آئی۔اگر علم ہندسہ سے آپ واقف ہوتے تو آپ کو احساس ہوتا کہ مجدد مأتہ حاضرہ نے جو بات لکھی ہے وہ پتھر کی لکیر ہے،اور یہ بات لکھ کر ہم لوگوں پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔آدمی کچھ قاعدے کا تھا میری بات سن کر دار العلوم فیضیہ آنے کی ایک تاریخ طے کی اور پھر رخصت ہوگیا۔

اگرچہ میرا خیال تھا کہ وہ بار دیگر میرے پاس آنے کی زحمت نہیں کرے گا لیکن یہ گمان کرتے ہوئے کہ کوئی بھی یہ مسئلہ پھر دریافت کرسکتا ہے لہٰذا کانفرنس سے واپس دار العلوم لوٹتے ہی ہم نے اس مسئلہ کے جملہ مبادیات و مقررات کو سمیٹ کر جمع کرلیا۔اور خلاف توقع جب وہ تاریخ متعینہ پر ایک آدمی کے ساتھ ہمارے دار العلوم پہنچا تو مجھے قدرے حیرت ہوئی،اپنے ساتھ لائے ہوئے آدمی کا تعارف کراتے ہوئے مجھے بتایا کہ آپ انجینئر اور علم ہندسہ کے ماہر ہیں۔اخلاقی تواضع کرنے کے بعد ہم نے ان کے سامنے وہ محاسبات پیش کرکے ان کو ہکا بکا کردیا کہ امام احمد رضا نے جو یہ فرمایا ہے وہ سو فی صد حق اور صحیح ہے افادۂ عامہ کے لیے ہم ان مقررات مبادیات کو ذیل میں پیش کرکے اصل مسئلہ کو واضح کررہے ہیں۔



مبادیات ومقررات جواس مسئلہ کے مبانی ہیں

AF=۴۵میل عالم نسیم یعنی کرۂ بخار کا ثخن۔

AB=۳۹۵۶،۵۴۳میل نصف قطر ارض۔

BC=۹۲۹۰۰۰۰۰نو کروڑ اور انتیس لاکھ میل مرکز عالم تا مرکز شمس

BD=۴۰۰،۵۴۳مرکز عالم تا سطح کرۂ بخار

AD=کرۂ بخار میں نظر کی وہ مسافت جسے معلوم کرنا ہے۔

۱-یعنی یہی خط ''ا۔ر'' ہے جسے امام احمد رضا نے پانچ سو اٹھانوے میل سے زائد بتایا ہے۔

۲-مثلث قائمۃ الزاویہ کے دو ضلع اگر معلوم ہوں تو تیسرا ضلع اس طرح معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اگر وتر اور ایک ضلع معلوم ہو تو وتر کے مربع سے ضلع معلوم کے مربع کو تفریق کر کے باقی کا جذر لیں۔ یہی جذر مجہول ضلع کی مقدار ہے اور اگر دونوں ضلعے معلوم ہوں تو ان دونوں کے مربعوں کو جوڑ کر مجموعہ کا جذر لیں۔ یہی جذر وتر مجہول کی مقدار ہے۔

۳-کسی مثلث کے عمود کو بالمقابل زاویہ کا سائن کہتے ہیں یعنی اس اضافی قدر کو جسے عربی میں جیب کہتے ہیں اسی کو انگریزی میں عمود کے بالمقابل زاویہ کا سائن کہتے ہیں۔

۴-علم مثلث سے ہر زاویہ کے سائن ثابت کر کے ایک ''سائن ٹیبل'' مرتب کیا گیا ہے۔ جس سے کسی بھی زاویہ کا سائن معلوم کر کے اس زاویہ کی مقدار معلوم کی جاتی ہے۔ اس ٹیبل میں درج ہے کہ اگر سائن ایک ہو تو زاویہ کی مقدار نوے ڈگری ہوگی یعنی وہ زاویہ قائمہ ہوگا۔

۵-علم مثلث میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک نقطہ پر چھوٹا سا زاویہ بناتے ہوئے ایک ہی سمت میں جب دو خط طویل ایسے نکلے کہ انتہا پر ان دونوں کے درمیان معمولی دوری ہو تو حسابیات میں اس نقطہ کے زاویہ کو کالعدم قرار دیا جاتا ہے اور ان دونوں خطوں کو نفس الامر میں غیر متوازی ہونے کے باوجود حسابیات میں متوازی تسلیم کر لیا جاتا ہے، ان دونوں خطوں کے مابین معمولی دوری پر جو دو زاویے

بنتے ہیں ان میں سے ہر ایک کو قائمہ تسلیم کر لیا جاتا ہے جب کہ فی الواقع کسی بھی مثلث کے دو زاویے میں سے ہر ایک قائمہ نہیں ہو سکتے۔

۶-اقلیدس میں ثابت ہے کہ مثلث متساوی الساقین کے قاعدے پر واقع دونوں زاویے باہم برابر ہوتے ہیں۔

وہ معلومات جو بہ طور مبادیات ومقررات اوپر مندرج ہوئے اس کی روشنی میں ہم اپنے مطلوب تک اس طرح پہنچ سکتے ہیں۔ مندرجہ بالا شکل میں ABC مثلث B زاویہ قائمہ ہے اس لیے اس مثلث قائمۃ الزاویہ کا وتر یعنی AC کو مبادی ۲ کے مطابق ہم اس طرح معلوم کرتے ہیں۔

$$AC=\sqrt{AB+CB}=\sqrt{(\text{۳۹۵۶،۵۴۳})+(\text{۹۲۹۰۰۰۰۰})}$$
$$=\sqrt{\text{۱۵۱۶۵۴۴۴۲،۵۱۰۸۴۹}+\text{۸۶۳۰۴۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰}}=\text{۹۲۹۰۰۰۰۰،۰۸۴}$$

نوٹ: یہاں اعشاریہ کا حصہ چوں کہ ایک ہزار حصوں میں سے صرف ۸۴ حصے ہیں اس لیے اسے کالعدم قرار دیا گیا، اس لیے بعد، اسقاط اعشاریہ

AC=۹۲۹۰۰۰۰۰

اس لیے مبادی ۳ کے مطابق (sine A) یعنی زاویہ A کا سائن

$$\frac{BC}{AC}=\frac{\text{۹۲۹۰۰۰۰۰}}{\text{۹۲۹۰۰۰۰۰}}$$

اس لیے مبادی ۴ کے مطابق زاویہ A کی مقدار=۹۰ یعنی نوے ڈگری ہے۔

اس نتیجہ تک مبادی ۵ سے بھی پہنچا جا سکتا ہے۔ چوں کہ خط AC اور BC دونوں مرکز شمس یعنی نقطۂ C کے پاس ایک چھوٹا سا زاویہ بناتے ہوئے نو کروڑ انتیس لاکھ میل کی دوری پر زمینی قطر کے ایک کنارے پر ایک خط دوسرے کنارے پر دوسرا خط آ کر ملے ہیں اس لیے یہ دونوں خط غیر متوازی ہونے کے باوجود متوازی مان لیے گئے اور نقطۂ C کے پاس کے زاویہ کو کالعدم قرار دے دیا گیا اس لیے A اور B پر ایک زاویہ قائمہ ہو گیا، بلکہ مبادی ۶ بھی، اس نتیجہ تک اس طرح رسائی ہو سکتی ہے کہ بعد اسقاط اعشاریہ یہ خط AC اور BC دونوں باہم برابر ہیں اس لیے اس کے قاعدے یعنی نصف قطر ارض پر دونوں زاویے باہم برابر ہیں اور اس لیے زاویہ بھی قائمہ ہے۔ بہر حال ماسبق بیانات سے یہ ثابت ہوا کہ A زاویہ قائمہ ہے۔

مندرجہ بالا شکل میں ایک دوسرا ABD مثلث ہے جس کے دو ضلعے یعنی AB اور BD کی مقدار مقررات سے معلوم ہے اور اس مثلث کا زاویہ A کا قائمہ ہونا بھی سبق سے معلوم ہے اس لیے

اس مثلث کا قائمۃ الزاویہ کے AD ضلع کو ہم مبادی ۲ سے اس طرح معلوم کر سکتے ہیں:

$$AD=\sqrt{DB+AB}=\ (\text{۳۰۰۱٫۵۴۳})-(\text{۳۹۵۶٫۵۴۳})$$
$$=\sqrt{\text{۱۶۰۱۲۳۳٫۳۸۰۸۴۹}-\text{۱۵۶۵۴۳۳۳٫۵۱۰۸۴۹}}=$$
$$\sqrt{\text{۳۵۸۱۱۳٫۸۷}}=\text{۵۹۸٫۴۴۶۱۶}-$$

یعنی خط AD جو کرہ بخار میں نظر کی مسافت ہے وہ مندرجہ بالا قاعدہ سے معلوم ہو گیا کہ اس کی مقدار پانچ سو اٹھانوے میل سے لگ بھگ آدھا میل زائد ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے محاسبات کو میں اپنے الفاظ میں پیش کر رہا تھا اور بار بار گاہ بہ گاہ نظر اٹھا کر اپنے دونوں مخاطب کو بھی دیکھ رہا تھا انجینئر صاحب کے چہرے پر طمانیت اور لبوں پر تبسم تھا لیکن مولوی صاحب کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ میری فراست یہ فیصلہ نہ کر سکی کہ یہ ہوائیاں خود ان کی اپنی جہالت کی وجہ سے تھی یا امام احمد رضا کی عبقری شخصیت کے رعب کا اثر تھا۔

☆☆☆

علما کی ذمہ داری

''اپنے زاویے سے نکلیے، خلوتوں سے باہر آیئے! اسلام کی حمایت کا وقت ہے، اہلِ باطل کے بطلان کے پردے فاش کیجیے، بد دین فریبیوں کی فریب کاریوں کا افشائے راز کر کے مسلمانوں کی دینی و مذہبی حمایت و حفاظت کیجیے، وہ پرچے وہ رسالے وہ اخبار وہ تحریر جو اسلام کی مخالفت میں بھرے ہوتے ہیں جن میں بے دینی کی ترویج کی جاتی ہے، ان کو دیکھنے سے مسلمانوں کو روکنے کی کوشش کیجیے، بے دینی پھیلانے والے جلسے جو ملک میں منعقد کیے جاتے ہیں ان سے مسلمانوں کو آگاہ کیجیے اور ان کے شر سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو مشورہ دیجیے کہ ان میں شرکت نہ کریں۔''

تاج العلما سید محمد میاں مارہروی قدس سرہٗ

(پاس بان الہ آباد، جون ۱۹۶۳ء، ص ۲۱)

امام احمد رضا کی بصیرت و استقامت

یٰسٓ اختر مصباحی
دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

فقیہِ اسلام امام اہلِ سنت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی (ولادت ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء/ وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) اپنے عہد کے ہی نہیں بلکہ صدی دو صدی پہلے کی تاریخ کے بھی عدیم النظیر فقیہ جلیل اور شہرۂ آفاق عالم و مفکر ہیں۔ آپ کی شانِ تجدید و احیائے دین اُن کتب و رسائلِ رضویہ سے صاف عیاں ہے جن کی تعداد لگ بھگ ایک ہزار ہے اور جن کا مطالعہ کر کے معاصر عُلما و فقہائے کرام سے دورِ حاضر تک کے عُلمائے ہند و پاک و مشائخِ عرب آپ کی مذہبی استقامت، علمی بصیرت اور فکری وسعت و جامعیت کے معترف و مداح ہیں۔ برصغیر ہند و پاک کی تمام قدیم و جدید معروف دینی و علمی شخصیات پر مدارس و جامعات اور علمی و تحقیقی مراکز میں جو تحقیقات ہو رہی ہیں ان کے درمیان آپ کے علم و فضل اور حیات و خدمات کے مختلف گوشوں پر اس وقت غالباً سب سے زیادہ لکھا جا رہا ہے اور مختلف زبانوں میں ایشیا سے یورپ تک کی بعض یونی ورسٹیوں میں متعدد ریسرچ اسکالرز ''رضویات'' کے موضوع پر اپنا مقالۂ ڈاکٹریٹ (Ph.D. Thesis) مکمل کر رہے ہیں اور کئی ایک مقالات مکمل و مطبوع ہو چکے ہیں۔ عالم اسلام کی سب سے قدیم و عظیم یونی ورسٹی جامعہ ازہر قاہرہ، مصر کے کئی اساتذہ و طلبا ''رضویات'' کے موضوع پر عربی زبان میں نہایت گراں قدر تحریریں پیش کر چکے ہیں۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہٗ کا طریقہ تھا کہ وہ پیش آمدہ امور و معاملات اور علمی و معاشرتی و سیاسی مسائل پر اولین مرحلے میں غور و فکر کر کے شرعی و اصولی موقف قائم کرتے تھے اور اپنے موقف پر سطحیت و جذباتیت کو کسی قیمت پر کسی بھی پہلو سے حاوی بلکہ اثر انداز بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔ اِخلاص و اِصابت و استقامت آپ کا شیوہ اور طرۂ امتیاز تھا۔ اور یہ وہ عظیم صفات ہیں جو نایاب نہیں تو نادر اور کم یاب ضرور ہیں۔

آپ کی زندگی کے بالکل آخری دو تین سالوں (۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء) میں کئی تحریکوں، تنظیموں کا وجود اور عروج ہوا۔ کئی مسائل و مباحث عُلما اور قائدینِ ہند کے سامنے چیلنج کی حیثیت سے اُبھرے۔ جن میں (۱) ہندستان دار الاسلام ہے یا دار الحرب؟ (۲) تحریکِ خلافت (۳) تحریکِ ترکِ موالات (۴) تحریکِ ھجرت نے متحدہ ہندستان کو سب سے زیادہ متاثر اور مضطرب کیا۔

قارئین پر یہاں ایک نہایت اہم تاریخی حقیقت واضح رہے کہ:

معمولات ومراسم اہلِ سنت اور اپنے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ چشتی صابری مہاجر مکی (وصال ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) کے مسلک کے خلاف بعض علمائے دیوبند کے خیالات ونظریات منظر عام پر آتے ہی حضرت مولانا عبدالسمیع بیدلؔ رام پوری سہارن پوری (وصال ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) خلیفۂ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے ان کا تحریری تعاقب کیا اور ان کی مشہور کتاب ''انوارِ ساطعہ'' کی پہلی طباعت ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں ہوئی۔

علمائے دیوبند کے انحرافات اور بعض کفری عبارتوں کی گرفت واحتساب کی طرف علما ومشائخِ پنجاب (متحدہ ہند) نے خصوصی توجہ فرمائی۔ بلکہ علمائے سہارن پور سے سب سے پہلے علمائے پنجاب ہی نے میدانِ بھاول پور (پنجاب) میں معرکہ آرائی کی۔ اور یہ کسے معلوم نہیں کہ پنجاب ہندو پاک (متحدہ ہندستان) کا ''بازوے شمشیر زن'' کل بھی تھا اور آج بھی ہے۔

براہین قاطعہ مؤلفہ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری ومصدقہ مولانا رشید احمد گنگوہی سہارن پوری میں ایک مقام پر حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محافلِ میلاد کو معاذ اللہ ''کنھیا کے جنم'' سے تشبیہ دی گئی ہے-اور ایک دوسرے مقام پر اسی براہین قاطعہ میں ہے کہ ابلیس لعین کی وسعتِ علم نص سے ثابت ہے اور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علم کی کون سی نص وارد ہے؟ (معاذ اللہ رب العلمین)

انوارِ ساطعہ کی کمپوزنگ کرا کے تحقیق وتقدیم وغیرہ کے ساتھ نئی طباعت ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء میں طلبۂ درجۂ فضیلت الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور (ضلع اعظم گڑھ، یوپی۔ انڈیا) نے کر دی ہے۔ تفصیل کے لیے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ مولانا فیض الحسن سہارن پوری (متوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء) وابوالحسنات مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) ومولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء) ومفتی ارشاد حسین فاروقی مجددی رام پوری (م ۱۳۱۱ھ) ومولانا غلام دست گیر قصوری لاہوری (م ۱۳۱۵ھ) وحاجی امداد اللہ چشتی مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) ومولانا عبد القادر عثمانی بدایونی (م ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) ومولانا وکیل احمد سکندر پوری (م ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) ومولانا نذیر احمد رام پوری (م ۱۳۲۷ھ) ومولانا محمد فاروق عباسی چریاکوٹی (م ۱۳۲۷ھ) ومفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) ودیگر علما ومشاہیرِ امت کی تحریری تصدیقات وتقریظات سے انوارِ ساطعہ مؤید ومزین ہے۔

سب سے پہلا تاریخی مناظرۂ بھاول پور حضرت مولانا غلام دست گیر ہاشمی قصوری (وصال ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) (قصور پنجاب) اور مؤلف براہینِ قاطعہ خلیل احمد انبیٹھوی کے درمیان ۱۳۰۶ھ/۸۹-۱۸۸۸ء میں ہوا اور اس مناظرہ میں اہلِ سنت کی جانب سے حضرت خواجہ غلام فرید فاروقی چشتی (وصال ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) صدرِ مناظرہ تھے۔

مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری لاہوری نے حضرت مولانا غلام دست گیر قصوری (وصال ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) کے تذکرہ میں لکھا ہے:

''مناظرۂ بھاول پور وہ یادگار مناظرہ ہے جس میں آپ کو مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے مقابلے میں زبردست کامیابی ہوئی۔ یہ تاریخی مناظرہ شوال ۱۳۰۶ء میں براہین قاطعہ (مؤلفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی) کی گستاخانہ عبارتوں پر ہوا تھا جس کے حَکَم نواب محمد صادق عباسی والیِ بھاول پور کے پیر و مرشد شیخ المشائخ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ تھے۔

حَکَم مناظرہ نے لکھ دیا کہ:

''دیوبندی علما کے عقائد ان وہابی علما سے ملتے ہیں جو برصغیر میں خلفشار کا باعث بنے ہوئے ہیں''۔

اس فیصلے کے بعد نواب مرحوم نے مولوی خلیل احمد کو ریاست سے نکل جانے کا حکم صادر فرما دیا۔

اس مناظرہ کی روداد ''تقدیس الوکیل'' کے نام سے چھپ چکی ہے جس کے آخر میں علمائے حرمین طیبین کی تصدیقات ثبت ہیں۔ شیخ الدلائل حضرت مولانا عبد الحق مہاجر مکی اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہما نے حضرت مولانا غلام دست گیر قصوری کی تائید فرمائی۔

حضرت مولانا رحمت اللہ (کیرانوی) مہاجر مکی رَحِمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ بانیِ مدرسہ صولتیہ (مکہ مکرمہ) نے بھی تقدیس الوکیل پر شاندار تقریظ لکھی اور تقریظ میں فرمایا:

''میں جناب مولوی رشید احمد کو رشید سمجھتا تھا مگر میرے گمان کے خلاف کچھ اور ہی نکلے۔''

(ص: ۴۱۵، تقدیس الوکیل، مطبوعہ نوری بک ڈپو، لاہور)

سلسلۂ نقشبندیہ میں ہزارہا افراد آپ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے، آپ نے تمام عمر تبلیغ وتلقین میں صرف فرمائی،۔ فرقِ باطلہ اور مذاہبِ فاسدہ کی تردید میں متعدد محققانہ کتابیں لکھیں اور شائع کر کے مفت تقسیم کیں۔ (ص: ۳۰۸، و ۳۰۹، تذکرۂ اکابرِ اہلِ سنت، مرتبہ محمد عبد الحکم شرف قادری، مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔ طبع دوم، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء)

اہلِ سنت کی جانب سے مناظرۂ بھاول پور کے حَکَم حضرت خواجہ غلام فرید فاروقی چشتی (وصال ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) کے بارے میں مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری لاہوری تحریر کرتے ہیں:

''حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سرائیکی زبان کے مَلِکُ الشُّعَراء تھے۔ آپ کے وجد آفریں کلام میں بلا کا سوز ہے۔ آپ کی ''کافیاں'' آج بھی اثر آفرینی میں جواب نہیں رکھتیں۔ عوام وخواص کے لیے کیف وسرور کا خزینہ اور عشق وعرفان کا سرچشمہ ہیں۔ اسی لیے علامہ اقبالؔ نے کہا تھا:

''جس قوم میں خواجہ فرید اور ان کی شاعری موجود ہے، اس قوم میں عشق ومحبت کا موجود نہ ہونا تعجب انگیز ہے۔ (ص: ۵۴، التذکارُ السعید فی ذکرِ خواجہ غلام فرید، فیض احمد اویسی،

مطبوعہ مکتبہ اویسیہ، بہاول پور، پنجاب)

......شوال ۱۳۰۶ھ میں جب مولانا غلام دست گیر قصوری نے براہین قاطعہ کی بعض عبارات (جو خلافِ مسلکِ اہلِ سنت تھیں) پر گرفت کی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (مدرسِ اول جامعہ عباسیہ، بہاول پور) سے ان عبارات پر مناظرہ کیا تو اس مجلس کے حَکَم نواب بہاول پور نواب محمد صادق عباسی کے پیرومرشد حضرت خواجہ صاحب ہی تھے۔ آپ نے فیصلہ دیا تھا کہ متنازعہ فیہا عبارات وھابیت کی ترجمانی کرتی ہیں اور مسلکِ اہلِ سنت کے خلاف ہیں۔" (ص،۳۲۳، تذکرۂ اکابر اہلِ سنت ،مؤلفہ مولانا شرف قادری، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور)

متحدہ ہندستان کے اندر مذہب سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے خلافِ تقویۃ الایمان وتحذیر الناس وحفظ الایمان و براہین قاطعہ وغیرہ کے ذریعہ پیدا ہونے والے جدید افکار و خیالات مثلاً مسئلہ امکانِ کذب باری تعالیٰ وامکانِ نظیرِ محمدی وتنقیصِ شانِ رسالت وغیرہ کے سلسلے میں علما و مشائخِ اہلِ سنت کے لسانی وقلمی جہاد کی ایک طویل داستان ہے جو سیکڑوں کتب ورسائل میں مسطور ومذکور ہے۔ اسی طرح امامِ اہلِ سنت مولانا الشاہ احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی کی گراں قدر خدمات کا ایک روشن باب ہے جس سے برصغیر ہندو پاک کے خواص وعوام بخوبی واقف ہیں اس لیے ان کے ذکر و اعادہ سے یہاں صَرفِ نظر کیا جارہا ہے۔

زیرِ نظر تحریر میں چند اہم امور و مسائل کو موضوعِ بحث بنا کر کچھ حقائق پیش کیے گیے ہیں اور امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی دینی فضیلت، علمی جلالت، فکری بصیرت، علمی استقامت کو واضح کیا گیا ہے۔ نگاہِ تحقیق وانصاف میں ان کو یقیناً اعتبار و وقار حاصل ہوگا اور بہت سے مخفی گوشے قارئین کی نظر کے سامنے آئیں گے جن کی روشنی میں بڑی آسانی کے ساتھ صحیح نتائج تک پہنچ سکیں گے۔ بیسویں صدی عیسویں کے یہ حقائق اکیسویں صدی عیسوی اور آنے والی صدیوں کے لیے بھی ہدایت ورہ نمائی کا فریضہ انجام دیں گے۔ وَاللّٰہُ الھادِی اِلیٰ سواءِ السَّبیل وھُوَ المُعِین وَالمُستَعان وَعَلیہِ التُّکلان۔

بہرحال! ایک استفتا کے جواب میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) نے ہندستان کے دارالاسلام اور دارالحرب ہونے نہ ہونے کے تعلق سے تحقیقی بحث فرمائی جس کا نام اعلام الاعلام بان ھندوستان دارالاسلام" (۱۳۰۶ھ۔ طبعِ اول ۱۹۲۷ء حسنی پریس بریلی) ہے۔ اس کے اندر امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

"ہمارے امامِ اعظم رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ بلکہ علمائے ثلٰثہ رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیھم کے مذہب پر ہندستان دارالاسلام ہے، دارالحرب ہرگز نہیں ہے کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہوجانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کے

نزدیک درکار ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکامِ شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعتِ اسلام کے احکام وشعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں۔ اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے۔ مگر یہ بات بحمد اللہ یہاں قطعاً موجود نہیں...... اہلِ اسلام جمعہ وعیدین واذان واقامت ونماز باجماعت وغیرھا شعائرِ شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ فرائض، نکاح، رضاع، طلاق، عدت، رجعت، مہر، نفقات، حضانت، نسب، ھبہ، وقف، وصیت، شفعہ وغیرھا بہت معاملاتِ مسلمین ہماری شریعتِ غرّاء بیضاء کی بنا پر فیصل ہوتے ہیں کہ ان امور میں حضراتِ علما سے فتویٰ لینا اور اس پر عمل وحکم کرنا حکامِ انگریزی کو بھی ضرور ہوتا ہے اگر چہ ہنود و مجوس ونصاریٰ ہوں۔ اور بحمد اللہ یہ بھی شوکت وجبروتِ شریعتِ علیّہ عالیہ اسلامیہ اعلیٰ اللّٰہ تعالیٰ حکمھا السامیہ ہے کہ مخالفین کو بھی اپنی تسلیم اتباع پر مجبور فرماتی ہے۔ وَ الحمدُلِلّٰہِ رَبِّ العٰلمین۔

فتاویٰ عالم گیریہ میں سراج وھاج سے نقل کیا۔

اِعْلَموا اَنَّ دارَالحرب تَصیرُ دارَالاسلام بِشرطٍ واحدٍ و ھو اِظھارُ حکمِ الاسلام فیھا.

جان لو کہ بے شک دارالحرب ایک ہی شرط سے دارالاسلام بن جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہاں اسلام کا حکم غالب ہوجائے۔ (ص:۱۰۵، ۱۰۶۔ ج ۱۴۔ فتاویٰ رضویہ مترجم۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اس سے آگے متعدد قدیم فقہی کتب کے حوالہ جات سے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے اپنے موقف کو واضح و مدلل کیا ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کے نصفِ اول میں ہندستان کو دارالحرب کہہ کر یہاں سے مسلمانوں کی ہجرت کا جو علماء درس دے رہے تھے وہ درحقیقت ہندستان سے اسلام کو الوداع کہنے کا شعوری یا غیر شعوری جرم کررہے تھے۔ اور یہ وہی لوگ تھے جو تحریکِ ترکِ موالات کو ہندو مسلم اتحاد کا ذریعہ بنا کر شعائر واحکامِ اسلام کو کفر کی دہلیز پر قربان کررہے تھے۔ تحریکِ ہجرت کی تاریخ اور ہندستان سے افغانستان ہجرت کرکے پھر لٹے پٹے تباہ حال مسلمانوں کی ہندستان واپسی کی الم ناک داستان سے واقف ہر انصاف پسند مؤرخ اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف ہے۔

جس وقت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے ہندستان کو دارالاسلام کہا اس وقت اور اس زمانہ میں ہندستان کے کسی قابلِ ذکر عالم نے اسے دارالحرب کہا ہو تو یہ اس کا تفرّد ہے۔ جمہور علما اسے دارالاسلام سمجھتے اور کہتے تھے۔ اُس زمانے میں ہندستان کو دارالحرب کہہ کر مسلمانانِ ہند پر جہاد یا ہجرت کو واجب قرار دینا نہ اسلام کی خیرخواہی تھی نہ مسلمانوں کی، بلکہ یہ حکم کُند چھری سے مسلمانوں کو ذبح کرنے اور اسلام کو آزار پہنچانے کے مترادف تھا۔

ہندستان کے دارالاسلام ہونے اور اسے دارالاسلام کہنے کا یہ مطلب تھا اور یہ مطلب ہے کہ اپنی اسلامی شناخت کے ساتھ اپنے اسلامی اصول واحکام پر عمل کرتے ہوئے مسلمانانِ ہند یہاں تھے اور یہیں رہیں گے۔ اپنا تشخص ہر حال میں قائم رکھیں گے اور اسی کے ساتھ اپنی زندگی گزاریں گے۔ یہ سرزمین ہماری ہے جس سے ہم کسی قیمت پر دست بردار نہیں ہوں گے۔ اس کے چپے چپے اور اس کی وادی وکوہسار پر ہمارا پورا پورا حق ہے۔ اس لیے یہ اعلان عام ہے کہ:

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ و گل و خار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں، مرا حق ہے فصلِ بہار پر

اِعلام الاعلام بأن ہندوستان دار الاسلام (۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء) جس کی پہلی طباعت بشکلِ رسالہ بہ ماہِ مارچ ۱۹۲۷ء حسنی پریس بریلی سے ہوئی۔ اس میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کا اصولی اور جامع موقف آپ پڑھ چکے۔

۱۸۸۸ء میں امام احمد رضا بریلوی نے ایک استفتا کے جواب میں ہندستان کو دارالاسلام کہا اور اعلام الاعلام تحریر کیا جس کی طباعت آپ کے وصال (۱۹۲۱ء) کے تقریباً سات سال بعد ہوئی۔ اس کے اندر ہندستان کے دارالاسلام ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ یہاں احکام وشعائرِ اسلامیہ پر پابندی نہیں۔ نہ ہی انھیں پامال کرکے یہاں مسلمانوں پر اعلانیہ احکامِ شرک جاری ہیں۔ یہ اساسِ حکم ہے جو شریعتِ اسلامیہ واصولِ فقہ کے مطابق ہے۔ اسی طرح اس دور میں آپ کے وصال تک مسلمانانِ ہند پر حکمِ جہاد نہیں تھا کیوں کہ ان کے اندر قدرت واستطاعتِ جہاد نہیں تھی۔ یہ مسئلہ بھی عین مطابقِ شریعت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس دور میں علمائے ہند میں سے کسی قابلِ ذکر عالم وفقیہ ومفتی نے ہندستان کے دارالحرب ہونے اور اس میں جہاد فرض ہونے کا فتویٰ شاید ہی دیا ہو۔ اور اگر دیا ہو تو وہ اصولاً صحیح نہیں اور ناقابلِ عمل بھی تھا۔ اور مسلمانانِ ہند کے لیے سخت نقصان دہ وتباہ کن۔

ان دونوں باتوں کو ایک ساتھ سمجھنے سمجھانے کے لیے آزاد ہندستان کی یہ تاریخ سامنے رکھیے کہ ۱۵راگست ۱۹۴۷ء کے بعد ہندستان کے لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ ہزاروں مساجدِ پنجاب وغیرہ مشرکینِ ہند کے قبضے میں چلی گئیں۔ ہزاروں مسلمان عورتوں کی عصمت دری وآبروریزی ہوئی۔ اس دورِ وحشت اثر کے بعد بھی سالہا سال تک ہزاروں ہندو مسلم فسادات میں مسلمانوں کی جان ومال کی تباہی اور ان کی عزت وناموس کی بربادی ہوتی رہی۔ اور دسمبر ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد ہندستانی کورٹ وگورنمنٹ وپولیس وملٹری کی موجودگی میں شہید کی گئی اور ملک بھر میں مسلمانوں کا وحشیانہ قتل اور ان کی خوں ریزی ہوئی۔ مارچ ۲۰۰۲ء میں صرف صوبۂ گجرات کے اندر حکومتِ گجرات کی شہ پر تین چار ہزار مسلمان شہید کردیے گئے۔ ایسے سنگین ایام واوقات میں بھی ہندوستان کے کس طبقہ کے علماء

نے ہندستان کو دارالحرب قرار دیا اور اس کے اندر جہاد فرض ہونے یا یہاں سے ہجرت کرنے کا فتویٰ دیا؟؟

حلقۂ دیوبند کے قطبُ الاقطاب وامامِ ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) لکھتے ہیں:

''ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علما کا ہے۔ بظاہر تحقیق حال بندہ کی خوب نہیں ہوئی۔ حسب اپنی تحقیق کے سب نے فرمایا ہے اور اصل میں کسی کو خلاف نہیں۔ اور بندہ کو بھی خوب تحقیق نہیں کہ کیا کیفیت ہند کی ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔'' (ص ۵۰۵۔ فتاویٰ رشیدیہ، مکتبہ تھانوی دیوبند)

''دارالحرب ہونا ہندستان کا مختلف علمائے حال میں ہے۔ اکثر دارالاسلام کہتے ہیں اور بعض دارالحرب کہتے ہیں۔ بندہ اس میں فیصلہ نہیں کرتا۔ (ص: ۷۔ جلد اول۔ فتاویٰ رشیدیہ۔ کتب خانہ رحیمیہ دہلی)

دیوبندی حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) گومگو اور تردد کی کیفیت میں ہیں۔ رجحان دارالحرب کی طرف ہے مگر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہجرت کے معاملے میں دارالحرب اور سود کے معاملے میں دارالاسلام قرار دینا چاہیے۔ (خلاصۂ مفہوم۔ ص: ۳۷۱و۳۶۲۔ از قاسم العلوم مطبوعہ لاہور)

دیوبندی حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲/۱۹۴۳ء) فرماتے ہیں:

''عموماً دارالحرب کا معنی غلطی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جہاں حرب واجب ہو۔ سو اس معنی میں تو ہندستان دارالحرب نہیں کیوں کہ یہاں بوجہ معاہدہ کے حرب درست نہیں۔'' (ص: ۱۴۷۔ باب اول۔ ملفوظ ۶۱۴۔ کمالاتِ اشرفیہ، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون)

بنک سے لین دین کے منافع کو سود قرار دیتے ہوئے انیسویں صدی کے بالکل آخر میں مولانا اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) نے ۱۸۸۷ء میں تحذیرُ الاخوان عَنِ الربوٰ فی الھندوستان (مسودہ صفر ۱۳۰۵ھ۔ مبیضہ رمضان ۱۳۰۷ھ) لکھا جو ان کی زندگی ہی میں شائع ہوا اس کے اندر دارالاسلام اور دارالحرب کی بحث کرتے ہوئے مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

''اور ہندستان نہ تو صاحبین کے قول پر دارالحرب ہے کیوں کہ اگرچہ احکام شرک کے اس میں علی الاعلان جاری ہیں لیکن احکامِ اسلام کے بھی بلاخوف وخطر مشتہر ہیں۔ اور دونوں کے باقی رہنے سے دارالحرب نہیں ہوتا۔ اور نہ امام صاحب کے قول پر دارالحرب ہے کیوں کہ اجرائے احکامِ کفر بہ تفسیرِ مذکور یہاں نہیں بلکہ بدستور احکامِ اسلام جاری ہیں اور ایسی صورت میں دارالحرب نہیں ہوتا۔'' (ص: ۸۔ تحذیرُ الاخوان عَنِ الرِّبوٰ فی الھندوستان از مولانا اشرف علی تھانوی۔ اشرف المطابع، تھانہ بھون)

پھر انقلاب ۱۸۵۷ء کے پس منظر میں ایک شبہہ کا ازالہ کرتے ہوئے مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

''شاید کسی کو شبہہ ہو کہ غدر سے تو امانِ اول باقی نہیں رہا بلکہ عہد ثانی کی ضرورت ہوئی۔

اول تو یہ بات غلط ہے۔ غدر میں صرف باغیوں کو اندیشہ تھا۔ عام رعایا سرکار سے بالکل مطمئن تھی۔ دوسری سلمنا غایت سے غایت یہ ہوگا کہ بعض کے لیے امانِ اول باقی ہے بعض کے لیے امانِ ثانی۔ یہ بھی مثل دونوں اجراؤں یا دونوں اتصالوں کے ہوگا اور ترجیح دارالاسلام کو دی جائے گی۔

اور اگر بالفرض والتقدیر اس صورت میں دارالحرب بھی ہوگیا تب بھی دارالحرب اِجراے احکام اسلام مثلِ جمعہ وعید سے دارالاسلام ہوجاتا ہے۔ في الدر المختار: وَ دارُ الحرب تصیر دارالاسلام بِاجراءِ احکامِ اهلِ الاسلام فیها کَجُمعةٍ و عِیدٍ. اِن بقی فیها کَافِرٌ اَصلیٌّ و اِن لم تَتَّصل بدار الاسلام.

اس صورت میں بھی ہندستان دارالاسلام ہوگا۔'' (ص:۹۔ تحذیر الاخوان عن الربو فی الهندوستان از مولانا اشرف علی تهانوی۔ اشرف المطابع، تھانہ بھون)

''پس تعجب ہے کہ بعض اہل اسلام ہندستان کو دارالحرب قرار دے کر آمدنی بینک کو حلال سمجھتے ہیں۔ اور بعض لوگ لے کر خود نہیں کھاتے، دوسروں کو کھلا دیتے ہیں۔ یہ ایک اعتبار سے پہلے سے بُرا ہے۔''
(ص:۱۰۔ تحذیر الاخوان از مولانا تھانوی)

ابوالحسنات مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی (متولد ذوالقعدہ ۱۲۶۴ھ/ اکتوبر ۱۸۴۸ء۔ متوفی ربیع الاول ۱۳۰۴ھ/ دسمبر ۱۸۸۶ء۔ فرزندِ مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی متولد شعبان ۱۲۳۹ھ/ اپریل ۱۸۲۴ء۔ متوفی شعبان ۱۲۸۵ھ/ دسمبر ۱۸۶۸ء) لکھتے ہیں کہ:

''بلادِ ہند جو قبضۂ نصاریٰ میں ہیں دارالحرب نہیں ہیں۔'' (ص ۳۰۲۔ جلد اول فتاویٰ عبدالحی فرنگی محلی۔ مطبع یوسفی لکھنؤ)

واضح رہے کہ سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/ ۲۴۔۱۸۲۳ء) نے ہندستان کے دارالاسلام و دارالحرب ہونے کے مسئلے پر فقہاے احناف کے تین اقوال تحریر کیے اور تیسرے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا کہ:

''وہمیں قولِ ثالث را محققین ترجیح دادہ اند و بریں تقدیر معمولۂ انگریزاں و اشباہ ایشاں لاشبہ دارالحرب است''۔ (ص:۱۱۰۔ جلد اول۔ فتاویٰ عزیزی۔ مطبع مجتبائی۔ دہلی)

اپنے وقت میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے برطانوی سامراج کے پنجۂ استبداد میں پھڑ پھڑاتے اور شعائرِ اسلام کو پامال ہوتے ہوئے دیکھ کر ہندستان کے دارالحرب ہونے کو ترجیح دی اور انھیں کے تلمیذِ رشید علامہ فضل حق خیرآبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء) نے ۱۸۵۷ء میں برطانوی سامراج اور غاصب و قابض انگریزوں کے خلاف جامع مسجد دہلی میں تقریر کی اور فتواے جہاد دیا جس پر اس وقت کے مشہور علما کی تحریری تصدیقات ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کے لیے اس

وقت کے علما نے دو فتاویٰ اس کے علاوہ بھی جاری کیے۔ ایک فتویٰ پر حضرت مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی (متوفی ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) شاگردِ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا بھی دستخط ہے۔ مزید فتاویٰ بھی ہندستان کے مختلف علاقوں میں زبانی و تحریری طور پر جاری ہوئے۔ علماے اہل سنت کے یہ فتاویٰ انقلاب ۱۸۵۷ء کے پیش نظر بالکل صحیح اور درست تھے۔

تاریخی ریکارڈ کے مطابق مجلسِ مذاکرۂ علمیہ کلکتہ بتاریخ ۲۳ نومبر ۱۸۷۰ء میں مولانا کرامت علی جون پوری خلیفۂ سید احمد راے بریلوی نے اپنی تقریر میں کہا:

''مملکت ہندستان بالفعل پادشاہ عیسائی مذہب کے قبضہ و اقتدار میں ہے۔ مطابق فقہِ حنفی کے دارالاسلام ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔'' (ص:۳۔ اسلامی مذاکرۂ علمیہ کلکتہ مطبع نول کشور لکھنؤ)

علماے حرمین سے بھی تقریباً ۱۸۷۰ء میں اسی سلسلے میں استفتا ہوا جس کے جواب میں انھوں نے لکھا کہ محض غیر مسلم کے ہاتھ میں ملک کے چلے جانے سے نہیں بلکہ کل یا اکثر احکام اسلام کے اِجرا اور ان پر عمل کرنے میں خلل واقع ہونے سے کوئی دارالاسلام دارالحرب ہوتا ہے۔ اسی طرح کا جواب شیخ جمال بن عبداللہ مفتی حنفیہ مکہ مکرمہ و شیخ احمد بن زینی دحلان مفتی شافعیہ مکہ مکرمہ نے دیا۔ (ص ۳۹۔ مذاکرۂ علمیہ، کلکتہ)

جولائی ۱۸۷۰ء میں ایک فتویٰ دیا گیا کہ احکام اسلام پر عمل کی آزادی کی وجہ سے ہندستان میں جہاد ناجائز ہے۔ اس فتویٰ پر مندرجہ ذیل حضرات کے دستخط و مہر ثبت ہیں۔

مولوی محمد علی لکھنوی، مولوی عبدالحی لکھنوی، مولوی فیض اللہ لکھنوی، مولوی محمد نعیم لکھنوی، مولوی قطب الدین لکھنوی، مفتی سعد اللہ لکھنوی، مولوی لطف اللہ رام پوری، مولوی غلام علی رام پوری۔ (ص:۲۱۷۔ ہمارے ہندستانی مسلمان از ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر۔ ترجمہ صادق حسین۔ ناشر الکتاب انٹرنیشنل، بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی ۲۵۔ مطبوعہ ۲۰۰۲ء)

غیر مقلد محدث نذیر حسین بہاری ثم دہلوی (متوفی ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء) کے بارے میں ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ:

انھوں نے ہندستان کو کبھی دارالحرب نہ کہا۔ (۱۳۴۔ الحیاۃ بعد المماۃ از فضل حسین بہاری۔ مکتبۂ شعیب، کراچی)

غیر مقلد عالم و مصنف نواب صدیق حسن بھوپالی (متوفی ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۹۰ء) لکھتے ہیں:

''پس فکر کرنا ان لوگوں کا جو اپنے حکم مذہبی سے جاہل ہیں اس امر میں کہ برٹش حکومت مٹ جاوے اور یہ امن و امان جو آج حاصل ہے فساد کے پردے میں جہاد کا نام لے کر اٹھا دیا جائے، سخت نادانی و بے وقوفی کی بات ہے۔ بھلا ان عاقبت نااندیشوں کا چاہا ہوگا یا اس پیغمبر صادق کا فرمایا ہوگا جس کا کہا ہوا آج ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ (ص ۷۔ ترجمانِ وہابیہ از

نواب صدیق حسن بھوپالی۔ مطبع محمدی لاہور، مطبوعہ ۱۳۱۲ھ)

''حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا پڑا ہے ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ دارالاسلام ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہو تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی؟ بلکہ عزمِ جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔ (ص ۱۵۔ ترجمان وھابیہ از نواب صدیق حسن بھوپالی۔ مطبع محمدی لاہور)

''اس مقام پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہندستان دارالحرب ہی ہو تو بھی حکامِ انگلشیہ کے ساتھ جو یہاں کے رئیسوں کا عہد اور صلح ہے اس کا توڑنا بڑا گناہ ہے۔'' (ص ۲۶۔ حوالۂ مذکورہ)

لفظِ وھابی کی جگہ حکومتِ انگلشیہ سے اہل حدیث نام رجسٹرڈ کرانے والے معروف غیر مقلد وکیل مولانا محمد حسین بٹالوی (متوفی ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء) لکھتے ہیں:

''جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی ہو وہ شہر یا ملک دارالحرب نہیں کہلاتا۔ پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو اور اقوامِ غیر نے اس پر تغلب سے تسلط پالیا ہو تو جب تک اس میں ادائے شعائرِ اسلام کی آزادی ہے وہ بحکمِ حالتِ قدیم دارالاسلام کہلاتا ہے۔''

(ص:۱۹۔ الاقتصاد فی مسائل الجہاد از محمد حسین بٹالوی۔ وکٹوریہ پریس لاہور)

تحریک خلافت (۱۹۱۹ء) کے بانی حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (وصال رجب ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء) اپنے ایک خط مطبوعہ اخبار مشرق گورکھ پور مورخہ ۶ رمئی ۱۹۲۰ء میں ہندستان کو دارالاسلام قرار دیتے ہیں۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''ہم لوگ ہندستان کو دارالاسلام سمجھتے ہیں اور اعزازِ دین واعلائے کلمۃ الحق کی نیت سے قیام کیے ہوئے ہیں اس واسطے ہجرت فرض نہیں جانتے مگر جب چارہ نہ ہو'' الخ۔ (ص ۱۳۸۔ تحریک خلافت از قاضی محمد عدیل عباسی مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی۔ طبع دوم ۱۹۹۷ء)

سلطنتِ عثمانیہ کے وارثین یعنی عثمانی سلاطین ترکی جب غفلت و سستی، خودغرضی و تنگ نظری اور حرصِ جاہ و مال کے ہاتھوں مجبور ہو کر دست بگریباں ہونے لگے اور دنیا کی نام نہاد متمدن حکومتوں بالخصوص برطانیہ کی نگاہیں ان کی طرف تیز ہونے لگیں تو رفتہ رفتہ ان پر گرفت مضبوط کر کے ظلم واستبداد کے پہاڑ توڑے جانے لگے اور ان کی سلطنت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ایک طوفان اٹھ کھڑا ہو گیا جس کے نتیجہ میں لاکھوں انسانی جانیں ضائع ہوئیں اور کروڑوں، اربوں روپے کی مالی و معاشی تباہی و بربادی ہوئی۔

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) میں ترکوں نے پوری طاقت اور اپنی روایتی شان و شوکت کے ساتھ حصہ لیا تھا اور ایک عالم گیر شورش برپا ہوئی تھی۔ اس کے بعد جب انگریزوں کی سازش سے ترکی کے اندر خانہ جنگی کے حالات پیدا ہوئے تو ۱۹۱۹ء میں سلطنتِ عثمانیہ کی حمایت واعانت کے لیے حضرت

مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (متوفی رجب ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء) نے ''تحریک خلافت'' کی داغ بیل ڈالی جس نے مسلمانانِ ہند کے درمیان عجیب وغریب جوشِ وخروش پیدا کر دیا تھا۔ اور ہر طرف اس تحریک کا شور وہنگامہ نظر آنے لگا۔ چوں کہ مولانا محمد علی جوہر و مولانا حسرت موہانی اور مولانا عبدالماجد بدایونی و مولانا نثار احمد کان پوری نیز مفتی کفایت اللہ دہلوی و ابوالکلام آزاد و حکیم اجمل خاں و ڈاکٹر مختار احمد انصاری و شوکت علی اور مختلف طبقات کے بہت سے علماء و مسلم قائدین بھی اس میں شامل ہو گئے اس لیے ان کے اثر سے تحریک خلافت نے کافی وسعت اور جذباتی شدت اختیار کر لی۔ اس سلسلے میں ایک سائل نے حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ (ولادت ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء/ وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) سے یہ سوال کیا کہ:

''سلطنتِ عثمانیہ کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں؟ فرضیتِ اعانت کے لیے بھی سلطان کا قرشی ہونا شرط ہے یا صرف خلافتِ شرعیہ کے لیے یا کسی کے لئے نہیں؟

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے خطبۂ صدارت میں اس سے متعلق چند سطور ہیں۔ اور مسٹر ابوالکلام آزاد نے رسالہ ''مسئلہ خلافت'' و ''جزیرۃ العرب'' میں ص ۳۲ سے ص ۷۰ تک حسبِ عادت اسے بہت پھیلا کر بیان کیا ہے۔ ان دونوں کا ماحصل یہ ہے کہ ''خلافتِ شرعیہ میں بھی قرشیت شرط نہیں'' یہ صحیح ہے یا غلط؟ اور اس بارے میں مذہب اہل سنت کیا ہے؟

اس کے جواب میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی اولاً اجمالی طور پر اس طرح رقم طراز ہیں:

(امابعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلدِّیْنُ النَّصِیحۃُ لِلّٰہ ولِکتابِہٖ وَلِرَسُولِہٖ وَلائمَّۃِ المسلمین وَعَامَّتِہِم. رواہ احمد و مسلم وابو داؤد والنسائی عن تمیم الداری والترمذی والنسائی عن ابی ہریرۃ واحمد عن ابن عباس والطبرانی فی الاوسط عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہم.

بے شک دین یہ ہے کہ اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول سے سچا دل رکھے اور سلاطین اسلام اور جملہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرے۔

سلطنت علیہ عثمانیہ اَیَّدَھا اللّٰہ تعالیٰ نہ صرف عثمانیہ ہر سلطنت، نہ صرف سلطنت ہر جماعتِ اسلام، نہ صرف جماعت ہر فردِ اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس میں شرطِ قرشیت کیا معنی؟ دل سے خیر خواہی مطلقاً فرض عین ہے اور وقتِ حاجت دُعا سے امداد واعانت بھی ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں۔ اور مال یا اعمال سے اعانت فرضِ کفایہ ہے۔ اور ہر فرض بقدرِ قدرت۔ ہر حکم بشرطِ استطاعت۔ قال اللہ تعالیٰ:

لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّاوُسْعَھَا.

وقال تعالی: فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَااسْتَطَعْتُمْ.

مفلس پر اعانتِ مال نہیں۔ بے دست وپا پر اعانتِ اعمال نہیں۔ ولہذا مسلمانانِ ہند پر حکمِ جہاد وقتال نہیں۔

بادشاہِ اسلام اگرچہ غیر قریشی ہو اگرچہ کوئی غلام حبشی ہو، اُمورِ جائزہ میں اس کی اِطاعت تمام رعیت اور وقتِ حاجت اس کی اِعانت بقدرِ استطاعت سب اہلِ کفایت پر لازم ہے۔

البتہ اہل سنت کے مذہب میں خلافتِ شرعیہ کے لیے ضرور قرشیت شرط ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں منقول ہیں۔ اسی پر صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع، اہل سنت کا اجماع ہے۔ اس میں مخالف نہیں مگر خارجی یا کچھ معتزلی۔ کتب عقائد وکتب حدیث وکتب فقہ اس سے مالامال ہیں۔

بادشاہ غیر قرشی کو سلطان، امام، امیر، والی، ملک کہیں گے۔ مگر شرعاً خلیفہ یا امیر المومنین کہ یہ بھی عرفاً اسی کا مرادف ہے ہر بادشاہِ قرشی کو بھی نہیں کہہ سکتے سوا اس کے جو ساتوں شرطِ خلافت۔ اسلام۔ بلوغ۔ عقل۔ حریت۔ ذکورت۔ قدرت۔ قرشیت۔ سب کا جامع ہو کر تمام مسلمانوں کا فرماں روائے اعظم ہو۔ (ص:۱۳ تا ۱۵ دوام العیش فی الائمۃ من قریش (۱۳۳۹ھ) مطبوعہ حسنی پریس بریلی۔ وص:۷۴، ۱۷۵، فتاویٰ رضویہ جلد ۱۴۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

''زمانۂ صحابہ سے برابر علما ئے کرام خُلفا وملوک کو علاحدہ کرتے آئے حتیٰ کہ خود سلاطین اسی کے پابند رہے۔ اور آج تک ہیں۔ بڑے بڑے جبار بادشاہ گزرے۔ کبھی غیر قریش نے ترک ہوں یا مغل یا پٹھان یا کوئی، اپنے آپ کو خلیفہ نہ کہلوایا نہ خلافتِ مصطلحۂ شرعیہ کا دعویٰ کیا۔ جب تک خلافتِ عباسیہ قائم رہی، خلیفہ ہی کی سرکار سے سلاطین کی تاج پوشی ہوتی۔ سلطان دستِ خلیفہ پر بیعت کرتا اور اس منصبِ شرعی کا مستحق اسی کو جانتا اگرچہ زور وطاقت وسطوت میں اس سے کہیں زائد ہوتا۔'' (ص ۱۵۔ دوام العیش فی الائمۃ من قریش۔ (۱۳۳۹ھ) مطبوعہ حسنی پریس بریلی۔ وص:۱۷۵، فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴، مطبوعہ لاہور)

سلاطینِ اسلام کے متعدد واقعاتِ بیعت پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''الحمدللہ! کیسے روشن بیانوں سے ثابت ہوا کہ یہ سارے جلوے شرط قرشیت کے تھے۔ تمام سلاطین کا خود یہی عقیدہ تھا کہ ہم بوجہ عدمِ قرشیت لائقِ خلافت نہیں۔ قرشی کے سوا دوسرا شخص خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ کہ ہر وقت وقرن کے علما انہیں یہی بتاتے رہے۔ اور قطعاً یہی مذہبِ اہل سنت ہے۔ اور اسی پر اجماعِ صحابہ واجماعِ امت ہے۔ اور اسی پر احادیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر شہادت ہے۔

رہا مسئلۂ اعانت! کیا آپ لوگوں کے زعم میں سلطانِ اسلام کی اعانت کچھ ضروری نہیں؟ صرف خلیفہ کی اعانت چاہیے؟ کہ مسلمانوں کو اعانت پر ابھارنے کے لیے اِدعائے خلافت ضرور ہوا؟ یا سلطانِ مسلمین کی اعانت صرف قادروں پر ہے۔ اور خلیفہ کی اطاعت بلا قدرت بھی فرض ہے؟ یہ نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے۔

اور جب کوئی وجہ نہیں پھر کیا ضرورت تھی کہ سیدھی بات میں جھگڑا ڈالنے کے لیے جملہ علمائے کرام کی واضح تصریحاتِ متظافرہ اور اجماع صحابہ واجماع امت واحادیثِ متواترہ کے خلاف یہ تحریک لفظ خلافت سے شروع کر کے عقیدۂ اجماعیت کا خلاف کیا جائے؟ خارجیوں، معتزلیوں کا ساتھ دیا جائے۔ دور از کار تاویلوں، تبدیلیوں، تحریفوں، خیانتوں، عنادوں، مکابروں سے حق چھپانے اور باطل پھیلانے کا ٹھیکہ لیا جائے۔ والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ۔'' (ص:۱۸۳، فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴، مطبوعہ لاہور)

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے تقریباً پچاس احادیثِ کریمہ اور کتبِ عقائد وتفسیر وحدیث وفقہ کی بانوے ۹۲ رعبارتوں سے خلافت کے لیے قرشیت کا شرط ہونا ثابت کیا ہے۔

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (متوفی رجب ۱۳۴۴ھ/ جنوری ۱۹۲۶ء) جو اس وقت تحریکِ خلافت کے بانی وقائد وقافلہ سالار تھے ان کا ایک خطبۂ صدارت جس میں ۱۵ رسطریں اس موضوع سے متعلق تھیں اُس میں انھوں نے کہا کہ خلافت کے لیے شرطِ قرشیت صرف حضراتِ شوافع کے نزدیک ہے۔ اور بعض احناف کا کلام بھی ہے۔ اس میں بھی تصریح نہیں۔

۳۵ روجوہ سے حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے اس کا رد فرمایا اور آخر کلام میں لکھا ہے:

''آغاز میں کہا: اہل سنت مسلم متغلب یعنی فاقد الشرط کی اطاعت کو فرض اور امامت کو درست مانتے ہیں''۔

اس امامت سے مراد اگر خلافت ہے جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو قطعاً مردود جس کا روشن بیان گزرا۔ اور اگر سلطنت مقصود تو حق ہے۔

مگر گزارش یہ ہے کہ جب مسئلہ یوں تھا اور بے شک تھا کہ متغلب کی بھی سلطنت صحیح اور اطاعت واجب تو کیا ضرورت تھی کہ خواہی نخواہی مسئلۂ خلافت چھیڑا جائے اور اجماعِ صحابہ وامت اکھیڑا جائے۔ مذہب اہل سنت وجماعت ادھیڑا جائے......

ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اصل مقصود بغلامی ہنود سوراج کی چکی ہے۔ بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کردی ہے۔ بھاری بھرکم خلافت کا نام لو۔ عوام بھڑیں۔ چندہ خوب ملے اور گنگا وجمنا کی مقدس زمین آزاد کرانے کا کام چلے:

اے پس رو مشرکاں بزمزم نہ رسی
کیں رہ کہ تو میروی بہ گنگ وجمن ست

نَسْاَلُ اللّٰہُ العفوَ و العافیۃ.

ترکی سلاطین پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ وہ خود اہل سنت تھے اور ہیں۔ مخالفت مذہب انہیں کیوں کر گوارا ہوتی؟ انھوں نے خود خلافتِ شرعیہ کا دعویٰ نہ فرمایا۔ اپنے کو سلطان ہی کہا۔ سلطان ہی کہلوایا۔ اس لحاظِ مذہب کی برکت نے انہیں وہ پیارا خطاب دلایا کہ امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین سے دل کشی میں کم نہ آیا۔ یعنی ''خادمُ الحرمین الشریفین''

کیا ان القاب سے کام نہ چلتا جب تک مذہب واجماع اہل سنت پاؤں کے نیچے نہ کچلتا؟ نعوذ باللہ مما لا یرضاہ ." (دوام العیش فی الائمۃ من قریش. از امام احمد رضا. مطبوعہ حسنی پریس، بریلی. ص: ۲۲۴ و ۲۲۵ ،فتاویٰ رضویہ ،جلد ۱۴ ،مطبوعہ لاھور)

مولانا ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء) کی تحریر پر بھی چار حرف ملاحظہ فرمائیں۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے قلم برداشتہ ۲۵ رطریقوں سے خلافت کے سلسلے میں ان کے موقف کا رد فرمایا ہے:

(۱) مسٹر آزاد نے بڑا زور اس پر دیا ہے کہ اسلام تو قومی امتیاز کو اٹھانے کے لیے آیا ہے پھر وہ خلافت کو قریش کے لیے کیسے خاص کر سکتا ہے؟

مقاصد وشرح مقاصد سے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے اس کا جواب دیا ہے کہ:

یہ خارجیوں کا پرانا اعتراض ہے۔ اہل سنت کے نزدیک امام کا قریشی ہونا شرط ہے۔ اس لیے کہ مصالحِ سلطنت و دین میں شرف نسب کو ضرور دخل ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں میں سے ظہور فرمایا۔

(۲) بزورِ زبان بڑا زور اس پر دیا ہے (ص ۶۰) کہ خلافتِ قریش کی نسبت جس قدر روایات ہیں، سب پیش گوئی وخبر ہیں کہ قریشی ہی خلیفہ ہوں گے۔ نہ حکم کہ قریشی ہی خلیفہ ہوں۔

شرح عقائد نسفی، وقواعد العقائد امام حجۃ الاسلام، واتحاف سید زبیدی، ومسامرہ شرح مسایرہ۔ و تعلیقات علامہ قاسم، وطوالع الانوار علامہ بیضاوی، ومواقف علامہ قاضی عضد، وشرح مواقف علامہ سید شریف۔ ومقاصد وشرح مقاصد وشرح صحیح مسلم للامام النووی۔ وارشاد الساری ومرقاۃ قاری وشرح صحیح مسلم للقرطبی وابن المنیر وعمدۃ القاری امام عینی وفتح الباری امام عسقلانی وشرح مشکوۃ علامہ طیبی وشرح مشکوۃ علامہ سید شریف وامام اجل ابو بکر باقلانی واشعۃ اللمعات شیخ محقق (دہلوی) وغمز العیون سید حموی وحاشیہ الدر للسید الطحطاوی وللسید ابن عابدین وکواکب کرمانی ومجمع البحار وشرح فقہ اکبر بحر العلوم وغیرہا کی

عباراتِ کثیرہ ابھی گزریں (دوامُ العیش میں) جو اس مجہلہ کے رد کو بس ہیں۔

مسٹر آزاد اگرچہ اپنے نشے میں تمام ائمہ مجتہدین کرام سے اپنے آپ کو اعلیٰ جانتے ہیں۔ ان کے ارشادات کو ظنی اور اپنے توہمات کو وحی سے مکتسب قطعی مانتے ہیں۔ الخ (ص ۶۷ و ۶۸ دوام العیش فی الائمۃ من قریش۔ از امام احمد رضا۔ مطبوعہ بریلی، ص: ۲۳۰، فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴، مطبوعہ لاہور)

(۳) مسٹر آزاد نے اشد ظلم حدیثِ صحیحین "لایزال ھذا الامر فی قریش" پر کیا ہے۔ اس میں لفظ وہ لیے جو صحیح بخاری میں واقع ہوئے مابقی منھم اثنان اور کہہ دیا کہ اگر اس کا مطلب یہ قرار دیا جائے کہ جب تک دو انسان بھی قریش میں ہیں خلافت انہیں کے قبضے میں رہے گی تو یہ واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر قریش میں دو بھی خلافت کے اہل ہوں گے تو کبھی خلافت سے یہ خاندان محروم نہ ہوگا۔

شوخ چشمی ہو تو اتنی ہو، نام صحیح مسلم کا بھی لیا اور کہا عمدہ طریق وہ ہیں جو بخاری نے اختیار کیے ہیں۔

اولاً۔۔۔ مسلم نے یہ حدیثیں خود انہیں استاذِ بخاری احمد بن عبد اللہ یونس سے جن سے بخاری نے سنی، یوں روایت کی:

ولایزالُ ھذا الامرُ فی قریش مَابَقِی مِنَ النَّاس اِثنان.

ہمیشہ خلافت قریش ہی میں رہے گی جب تک دنیا میں دو آدمی بھی باقی رہیں گے۔

اسی طرح اسمٰعیلی نے مستخرج میں روایت کی:

مَابَقِیَ فِی النَّاس اِثنان.

جب تک آدمیوں میں دو بھی رہیں۔

یہ روایتیں روایت بخاری کی مفسر ہیں کہ:

منھم سے مراد من الناس ہے۔ لاجرم مرقاۃ علی قاری میں اس کی یہی تفسیر کردی:

(منھم) ای من الناس (اثنان)

جب تک ان میں سے یعنی آدمیوں میں سے دو بھی رہیں۔

ولھذا امام اجل ابو زکریا نووی نے اولاً مسلم کی روایتیں ذکر کیں۔ پھر فرمایا:

وفی روایۃِ البخاری مابقی منھم اثنان. ھذہ الاحادیثُ واشباھھا دلیلٌ ظاھرٌ اَنَّ الخِلافۃَ مختصۃ بقریش لا یجوزُ عقدُھا لاحدٍ مِن غیرِھم. الخ

ثانیاً۔ اگر تفسیر نہ مانو تعارض جانو۔ تو متعدد کی روایت کیوں نہ ارجح ہو؟ اور نہ سہی۔ معارض تو ہوگی؟ تو تمہاری سند کہ منھم ہے، ثابت نہ رہے گی۔

ثالثاً۔ کسی پرچہ اخبار کی ایڈیٹری اور چیز ہے اور حدیث وفقہ کا سمجھنا اور.. وہ مِن کا ترجمہ ''سے'' اور

اِلیٰ کا ترجمہ ''تک'' کر لینے سے نہیں آتا۔

اگر ضمیر قریش کی طرف ہوتی تو اثنان کی جگہ احد فرمایا جاتا۔ یعنی جب تک ایک قریشی بھی رہے۔ جس طرح ابھی امام قرطبی اور امام عینی و امام عسقلانی کے لفظ سن چکے۔

اس کی تاویل آپ حسب عادت کہ قرآن کریم میں اپنی طرف سے اضافے کر لیتے ہیں، حدیث میں یہ پچر بڑھاتے کہ یعنی جب تک کہ ایک قریش خلافت کا اہل رہے۔ دو کی اہلیت پر موقوف فرمانا کیا معنی؟ کیا خلیفہ ایک وقت میں دو بھی ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

ہاں! آدمیوں کی طرف ضمیر ہو تو ضرور دو کی ضرورت تھی۔ کہ خلافت حکومت ہے۔ اور حکومت کو کم سے کم دو درکار ایک حاکم ایک محکوم۔ اب تو آپ نے جانا کہ منھم کی ضمیر قریش کی طرف پھیرنا کیسی سخت جہالت تھی۔ الخ۔ (ص ۷۰۔ دوام العیش فی الائمة من قریش. از امام احمد رضا۔ مطبوعہ بریلی، ص: ۲۳۲، فتاوی رضویہ، جلد ۱۴، مطبوعہ لاہور)

(۴) مسٹر آزاد فرماتے ہیں: تاریخ شاہد ہے کہ دو قریش بھی حکمرانی کے اہل نہ رہے۔

کون سی تاریخ شاھد ہے؟ کہ سات سو یا بلحاظ خلافتِ مصری چار سو سولہ برس سے تمام روئے زمین پر کوئی دو قریشی دو ہاشمی دو سید ابن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حکمرانی کے لائق پیدا ہی نہ ہوئے؟ فضلِ الٰہی قوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم و خاندانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم و آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صدہا سال سے اٹھا لیا گیا اور این و آں کو بٹتا ہے اور بٹا کیا؟

آپ کے نزدیک مدار لیاقت وقوع پر ہے۔ جس نے حکمرانی نہ پائی نا اہل تھا؟ جس نے پائی اہل تھا؟ تو ضرور آپ پلید مرید خبیث عنید نجس یزید کو لائق بتائیں گے اور حضرت امام عرش مقام علیٰ جدہٖ وعلیه الصلوة والسلام کو معاذ اللہ نالائق ٹھہرائیں گے۔ اور جب یہ معیار نہیں بلکہ صفاتِ ذاتیہ پر مدار ہے۔ تو کیا آپ نے سات سو چار برس سے آج تک کے تمام قریشیوں کی جانچ کر لی ہے کہ نالائق تھے؟ نعوذ باللہ.

افسوس! آپ کا مبلغ علم یہی تاریخی کہانیاں ہیں۔ ان پر بھی ایسا جیتا افترا جوڑا۔ تاریخیں ہزار بے تکی ہوں، ایسا پورے نشے کا ہذیان بکتے انہیں بھی عار آئے گی۔ (ص ۷۱، دوام العیش فی الائمة من قریش۔ از امام احمد رضا۔ مطبوعہ بریلی، ص: ۲۳۳، فتاوی رضویہ، جلد ۱۴، مطبوعہ لاہور)

(۵) مسٹر آزاد نے یونہیں دوسری حدیث الائمة من قریش سے تشریع اڑانے اور نری خبر بتانے کے لیے کیا کیا ڈوبتے سوار پکڑے ہیں۔ لکھتے ہیں: (ص ۶۳)

صحیح بخاری کے ترجمۂ باب سے صاف واضح ہے کہ امام بخاری کا بھی مذہب یہی ہے۔ انہوں نے باب باندھا (الاُمراءُ مِن قریش) قریش میں امارت و اُمرا۔ اس مضمون کا باب نہ باندھا کہ امارت

ہمیشہ قریش ہی میں ہونی چاہیے۔

سبحٰن اللہ! زہے مسٹری و لیڈری و ایڈیٹری۔

امام بخاری کی عادت ہے کہ الفاظ حدیث سے ترجمۂ باب کرتے ہیں نیز وہ الفاظ جو ان کی شرط پر نہ ہوں ترجمہ سے ان کا پتا دیتے ہیں۔ حدیث انہیں لفظوں سے تھی۔ انہیں سے باب باندھا۔ نیز یہ لفظ ان کی شرط پر نہ تھے۔ ترجمہ سے ان کا اِشعار کیا۔

اس سے یہ سمجھ لینا کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے اور اس پر یہ تحکم کہ ''صاف واضح ہے'' کس قدر جہل فاضح ہے۔ الخ۔ (ص ۷۲۔ دوام العیش فی الائمة من قریش. از امام احمد رضا۔ مطبوعہ بریلی۔ ص: ۲۳۴، فتاوی رضویہ، ج ۱۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اس طرح علمائے متجددین نے نصوص کو توڑ مروڑ کر احکام شریعت کی سراسر مخالفت کی۔ اور خلافت کے نام پر پورے ملک کے مسلمانوں میں عام طور پر حرارت و گرمی پیدا کر دی اور دوسری طرف انگریز حاکموں کے خلاف بھی ملک کے طول و عرض میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ جو تحریکِ خلافت کا اِستحصال کرنے والے سیاسی لیڈروں کا اصل مقصد تھا کہ مذہبی جذبات برانگیختہ کر کے ان سے اپنے سیاسی مقاصد و عزائم پورے کیے جائیں۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی اس تنبیہ و ھدایت پر علمائے تحریک خلافت و ترکِ موالات نے بھی توجہ دینا اور اس کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت نہ محسوس کی تو دیگر زُعما و حامیانِ تحریک سے کیا شکوہ؟ جب کہ آپ کا یہ شرعی و اصولی موقف کتنا واضح و صریح اور مفید و صحیح تھا کہ:

''رہا مسئلۂ اعانت، کیا آپ لوگوں کے زعم میں سلطانِ اسلام کی اعانت کچھ ضرور نہیں؟ صرف خلیفہ کی اعانت جائز ہے کہ اِدّعائے خلافت ضرور ہوا؟

یا سلطانِ مسلمین کی اعانت صرف قادروں پر ہے اور خلیفہ کی اطاعت بلا قدرت بھی فرض ہے؟ یہ نصوصِ قطعیہ قرآن کے خلاف ہے۔ اور جب کوئی وجہ نہیں پھر کیا ضرورت تھی کہ سیدھی بات میں جھگڑا ڈالنے کے لیے جملہ علمائے کرام کی واضح تصریحاتِ متظافرہ اور اجماع صحابہ و اجماع امت و احادیثِ متواترہ کے خلاف یہ تحریک لفظ خلافت سے شروع کر کے عقیدۂ اجماعیہ اہل سنت کا خلاف کیا جائے۔ خارجیوں، معتزلیوں کا ساتھ دیا جائے، دور از کار تاویلوں، تبدیلوں، تحریفوں، خیانتوں، عنادوں، مکابروں سے حق چھپانے اور باطل پھیلانے کا ٹھیکہ لیا جائے؟ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔'' (دوام العیش مطبوعہ بریلی۔ ص: ۱۸۳، فتاوی رضویہ، جلد ۱۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ترک سلاطینِ اسلام پر رحمتیں ہوں، وہ خود اہل سنت تھے اور ہیں، مخالفت انہیں کیوں کر گوارا ہوتی؟ انہوں نے خود خلافتِ شرعیہ کا دعویٰ نہ فرمایا۔ اپنے آپ کو سلطان ہی کہا، سلطان ہی کہلوایا۔ اس

لحاظِ مذہب کی برکت نے انہیں وہ پیارا خطاب دلایا کہ امیر المؤمنین وخلیفۃ المسلمین سے دل کشی میں کم نہ آیا یعنی خادمُ الحرمین الشریفین ۔

کیا ان القاب سے کام نہ چلتا جب تک مذہب و اجماعِ اہلِ سنت پاؤں کے نیچے نہ کچلتا؟ نعوذ باللّٰہ مِمّا لا یرضاہ ، والصلوٰۃ والسلام علیٰ مصطفاہ و آلہٖ وصحبہٖ الا کارم الھُداۃ ، (دوام العیش ،مطبوعہ بریلی ۔ وص: ۲۲۵، فتاویٰ رضویہ ، ج ۱۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اپنے منصوبہ کے مطابق اس مناسب موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسٹر گاندھی اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے نہ صرف یہ کہ کھل کر مسلم لیڈروں کا ساتھ دیا بلکہ کانگریس نے انہیں ایام میں ماہِ اگست ۱۹۲۰ء میں ترک موالات کا اعلان کر کے اپنے اصل منصوبے کی طرف پیش قدمی کر دی۔

''ہندو مسلم اتحاد'' یعنی بالفاظِ دیگر مشرک نوازی کی ایک نئی فضا تیار کر کے تحریک خلافت اور ''نان کوآپریشن'' (ترک تعاون) کے جیالوں نے مخالفت ومقاطعتِ انگریز میں ایک دوسرے پر مسابقت شروع کر دی۔

تحریکِ ترکِ موالات کے چوٹی کے لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد نے یہاں تک کہہ دیا کہ:

''حکومت سے ترکِ موالات اس طرح فرض ہے جس طرح نماز اور روزہ اور دوسرے ارکانِ اسلام فرض ہیں۔'' (ص ۱۶۴۔ تبرکاتِ آزاد از غلام رسول مہر۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۶۳ء)

اصل مقصدِ تحریک از تحریک خلافت تا تحریک ترک موالات کی نقاب کشائی کرتے ہوئے مولانا آزاد کہتے ہیں کہ:

''کوشش اور لڑائی صرف اماکنِ مقدسہ اور خلافت کے لیے نہیں بلکہ ہندستان کو حکومتِ خود اختیاری دلانے کے لیے ہے۔ اگر خلافت کا خاطر خواہ فیصلہ ہو بھی جائے تاہم جدوجہد جاری رہے گی اس وقت تک کہ ہم گنگا وجمنا کی مقدس سرزمین آزاد نہ کرالیں۔'' (ص: ۲۴۔ دواع الحمیر ۔ مطبوعہ بریلی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۰ء)

عبدالقوی دسنوی اس دور کی اتحادی سیاست کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۱۹۱۹ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا اس قدر زور تھا کہ کلکتہ اور دہلی کے مسلمانوں نے غیر مسلموں کو بھی جلسوں میں شریک ہونے کے لئے مسجدوں میں آنے کی اجازت دے دی تھی۔ دہلی کے مسلمانوں نے شردھانند سے جامع مسجد میں تقریر کرائی۔'' (ص: ۶۶۔ ابوالکلام آزاد۔ از عبدالقوی دسنوی۔ ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی ۔ ۱۹۸۷ء)

استاذ العلما حضرت مفتی لطف اللہ علی گڑھی (وصال ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء) کے شاگرد اور پنجاب کے مشہور عالم و شیخ طریقت حضرت سید مہر علی شاہ چشتی (گولڑہ شریف ضلع راول پنڈی، پنجاب۔ وصال ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۶ء) خلیفۂ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی چشتی (وصال ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء)

فرماتے ہیں کہ:

''یہود اور مشرکین کی عداوت قرآن شریف میں صراحۃً مذکور ہے۔ پس ترکِ موالات ہندو اور انگریز اور یہود سب سے ہونی چاہیے۔ تفریق اور ترجیح بلا مرجح ٹھیک نہیں۔'' (ص: ۲۷۴۔ باب ۵، فصل ۷، مہرِ منیر۔ مؤلفہ مولانا فیض احمد چشتی۔ مطبوعہ پاک وہند)

تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) کے بطن سے تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء) پیدا ہوئی تھی۔ مسئلہ خلافت پر اس زمانے میں کافی علمی وقلمی معرکہ آرائی ہوئی۔ امام احمد رضا بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) خلافتِ شرعیہ اور خلیفۂ شرعی کے لیے شرائطِ سبعہ وغیرہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خلیفہ میں قریشی ہونے کی شرط جمیع علما کا مذہب ہے۔ اور بے شک اسی سے صدیق اکبر و فاروق اعظم نے روزِ سقیفۂ انصار پر حجت فرمائی اور صحابہ میں سے کسی نے اس کا انکار نہ کیا اور بے شک علما نے اسے مسائلِ اجماع میں گنا اور سلفِ صالح میں کوئی قول یا فعل اس کے خلاف منقول نہ ہوا۔ یوہیں تمام زمانوں میں علمائے مابعد سے۔ الخ'' (ص: ۳۶۔ دوام العیش فی الائمۃ من قریش۔ مطبوعہ بریلی)

خلافتِ شرعیہ کے بارے میں بحث کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (وصال ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) نے تحقیق وتفصیل کے ساتھ احادیثِ کریمہ کی روشنی میں لکھا ہے کہ استحقاقِ خلافت کے لیے پدری نسب کے لحاظ سے قریشی ہونا شرط ہے۔ (دیکھیے شرائطِ استحقاقِ خلافت فصل اول در مقصد اول۔ اِزالۃُ الخفاء عن خلافۃِ الخُلفاء ۔ جلد اول ۔ مؤلفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ترجمہ اردو از عبدالشکور فاروقی، مطبوعہ حافظی بک ڈپو۔ دیوبند، سہارن پور)

حضرت سید مہر علی چشتی (گولڑہ ضلع راولپنڈی) مسئلہ خلافت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''صحیح حدیث کی رُو سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تیس برس تک اسلامی خلافت (راشدہ) قائم رہی۔ بعد ازاں سلطنت ہوگئی تھی جس کے لیے حدیث شریف میں ''عضوضیت'' اور جبر کا مفہوم آیا ہے۔ مذہب اسلام ایسی سلطنت کو خلافتِ جاریہ ضرور یہ قرار دیتے ہوئے اس کے جواز کی ذمہ داری قبول کرے تو یزید بن معاویہ اور منصور عباسی بھی سلاطینِ جابرہ کی بجائے خلفائے نبوی قرار پائیں گے۔ الخ۔ (ص: ۲۷۰۔ مہر منیر، مطبوعہ پاک وہند)

بریلی کے اجلاسِ جمعیۃ العلمائے ہند مارچ ۱۹۲۱ء/ رجب ۱۳۳۹ھ میں جس طرح مولانا سید سلیمان اشرف سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ (وصال ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) نے مولانا ابوالکلام آزاد و مفتی کفایت اللہ دہلوی وغیرہ کو مخاطب کرتے ہوئے واضح کیا کہ:

''ہمیں ترکی کی اسلامی سلطنت کی ہمدردی واعانت سے انکار نہیں۔ یہ امداد واعانت تمام مسلمانانِ عالم پر فرض ہے۔ نہ ہی ہم انگریزوں کی دوستی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ موالات ہر نصرانی ویہودی سے ہر

حال میں حرام اور حرام قطعی ہے۔ہمیں تو ہندو مسلم اتحاد اور اس اتحاد کی بنا پر کیے جانے والے غیر اسلامی افعال واقوال سے اختلاف ہے۔" (ص:۶۔رودادمناظرہ،مطبوعہ بریلی)

ٹھیک اسی طرح تحریک کے اندر پائی جانے والی غیر شرعی حرکات کی مخالفت کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے خلفِ اکبر مولانا حامد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) نے اسی جمعیۃ العلماے ہند کے اسٹیج سے اپنا یہ موقف واضح کیا کہ:

"حرمین شریفین و مقاماتِ مقدسہ وممالکِ اسلامیہ کی حفاظت و خدمت ہمارے نزدیک ہر مسلمان پر بقدرِ وسعت وطاقت فرض ہے۔اس میں ہمیں خلاف نہ ہے نہ تھا۔اسی طرح سلطانِ اسلام و جماعتِ اسلام کی خیر خواہی میں ہمیں کچھ کلام نہ ہے نہ تھا۔تمام کفار ومشرکین ونصاریٰ و یہود ومرتدین وغیرھم سے ترکِ موالات ہم ہمیشہ سے ضروری وفرض جانتے ہیں۔" (ص:۲۸۔رودادمناظرہ،مطبوعہ بریلی)

اتحاد وموالاتِ مشرکین کے بارے میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

"مشرکین سے اتحاد وواد، دوستی، موالات کہ سب کا حاصل ایک ہے بلکہ اتحاد سب میں زائد ہے،حرام قطعی وکبیرۂ شدیدہ ہے۔ (مکتوبات امام احمد رضا بریلوی بنام مولانا عبدالباری فرنگی محلی برائے ہدایتِ توبہ محررہ۔شعبان ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء۔مطبوعہ پاک وہند)

تحریک عدمِ اشتراکِ عمل اور عدم تعاون کوتحریکِ موالات ومودّت بنانا،اور آیات واحادیث کی غلط تعبیر وتشریح کرنا اور کفار ومشرکین کے ساتھ وداد ومحبت کا رشتہ قائم کرنا، نیز شرعی اصول اور تقاضوں کو نظر انداز کرنا،علما وقائدینِ تحریک کی بنیادی اور زبردست غلطی تھی۔اگر مسلمانوں کو سیاسی لحاظ سے یہ پیغام دے کر اس تحریک سے وابستہ کیا جاتا کہ انگریز اس ملک کے غاصب وقابض حکمراں ہیں۔یہ ہمارے ملک کو غلام بنا رہے ہیں۔ہندستانیوں پر ظلم وستم کررہے ہیں۔مسلمانوں کو دوسرے درجے کا شہری بنارہے ہیں اس لیے ان کے خلاف محاذ بنا کر انھیں ملک سے باہر کیا جائے۔اس طرح کی باتیں ہوتیں تو بہت سے وہ علما ومشائخ بھی اس تحریک کا کسی نہ کسی انداز سے ضرور تعاون کرتے جو اس کی بے اصولی وبے اعتدالی و کج روی کی وجہ سے اس سے دور رہے۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

حضراتِ لیڈر نے مسئلہ موالات میں سب سے بڑھ کر اُدھم مچائی،اوروں میں افراط یا تفریط ایک ہی پہلو پر گئے،اس میں دونوں کی رنگت رچائی،افراط وہ کہ نصاریٰ سے نری معاملت بھی حرام قطعی اور تفریط یہ کہ ہندوؤں سے اتحاد بلکہ ان کی غلامی فرضِ شرعی۔(المحجۃ المؤتمنۃ،مطبوعہ بریلی،ص:۵۳۱،فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴،مطبوعہ لاہور)

ہجرت کا غل مچایا اور اپنے آپ ایک نہ سرکا، جو ابھارنے میں آگئے ان مصیبت زدوں پر جو گزری

سو گزری، یہ سب اپنے جورو بچوں سے چین سے رہے، ہَرّ الگا نہ پھٹکری۔اور ترکِ تعاون میں بھی کیا کسی لیڈر یا مبلغ کے پاس زمین داری اور کسی قسم کی تجارت نہیں؟ نہ ان کا کوئی انگریزی یا ریاست میں ملازم ہے؟ پھر انہیں کیوں نہیں چھوڑتے؟ (ص:۵۳۳،فتاویٰ رضویہ،جلد ۱۴۔مطبوعہ لاہور)

اور ریل، ڈاک، تار کیا انگریزوں سے معالت نہیں؟ اس میں تو سب چھوٹے بڑے مبتلا ہیں۔اگر کہو انہیں سہولت کے لیے رکھ چھوڑا ہے تو اعلان کردو کہ ہمارے یہاں سہولت کے لیے حرام روا ہے۔اگر کہو کہ زمین داری وتجارت چھوڑیں تو کھائیں گے کیا؟ تو ملازم اگر ملازمتیں چھوڑ دیں تو کھائیں کیا؟ جو جواب تمہارا ہے وہ سب کا ہے۔(ص:۵۳۵،فتاویٰ رضویہ،جلد ۱۴،مطبوعہ لاہور)

اور بفرضِ غلط وبفرضِ باطل اگر سب مسلمان زمین داریاں، تجارتیں، نوکریاں، تمام تعلقات یک سر چھوڑ دیں تو کیا تمہارے جگری خیر خواہ جملہ ہنود بھی ایسا ہی کریں گے؟ اور تمہاری ہی طرح ننگے بھوکے رہ جائیں گے؟ حاشا ہرگز نہیں، زنہار نہیں اور جو دعویٰ کرے اس سے بڑھ کر کاذب نہیں، مکار نہیں۔

اتحاد و وداد کے جھوٹے ٹکڑوں پر بھولے ہو، منافقانہ میل پر پھولے ہو، سچے ہو تو موازنہ دکھاؤ کہ اگر ایک مسلمان نے ترک کی ہو تو ادھر پچاس ہندوؤں نے نوکری، تجارت، زمین داری چھوڑ دی ہو۔کہ یہاں مالی نسبت یہی یا اس سے بھی کم ہے۔اگر نہیں دکھا سکتے تو کھل گیا کہ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

لاجرم نتیجہ کیا ہوگا؟ یہ کہ تمام اموال، کل دولتیں، دنیاوی جمیع اعزاز، جملہ وجاہتیں صرف ہندوؤں کے ہاتھ میں رہ جائیں گی اور مسلمان دانے دانے کو محتاج، بھیک مانگیں اور نہ پائیں۔ہندو اَب انہیں پکائے جاتے ہیں جب بے خوف وخطر کچا ہی چبائیں۔

یہ ہے لیڈر صاحبوں کی خیر خواہی، یہ ہے حمایتِ اسلام میں جاں کاہی، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم (ص ۵۳۵،فتاویٰ رضویہ،ج ۱۴،رضا فاؤنڈیشن لاہور)

قرآن عظیم گواہ ہے اور اس سے بہتر کون گواہ؟ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا۔اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی؟ کہ مشرکین ہماری خیر خواہی نہ کریں گے۔خیر خواہی درکنار بدخواہی میں گئی (کمی) نہ کریں گے۔پھر انہیں یار وانصار بنانا، ان سے وداد واتحاد منانا، ان کے میل سے نفع کی امید رکھنا، صراحۃً قرآن عظیم کی تکذیب ہے یا نہیں؟ ہے اور ضرور ہے، ولکن لا تبصرون۔(مگر تمہیں نگاہ نہیں)

آو! اب ہم تمہیں قرآن عظیم کی تصدیق دکھائیں اور ان کی طرف سے اس میل اور میل کا راز بتائیں۔

دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے۔

اول: اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو، دوم: اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔سوم: یہ بھی نہ ہوسکے تو! خیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالف نے ان پر تینوں درجے طے کر دیے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہی سمجھے جاتے ہیں۔

اولاً: جہاد کے اشارے ہوئے۔ اس کا کھلا نتیجہ ہندستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔

ثانیاً: جب یہ نہ بنی، ہجرت کا بھرا دیا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں، ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے، یہ اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں، بہر حال ہمارے ہاتھ آئیں۔

ثالثاً: جب یہ بھی نہ نبھی تو ترکِ موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترکِ معاملت پر ابھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو، کسی کونسل، کمیٹی میں داخل نہ ہو، مال گزاری، ٹیکس نہ دو، خطابات واپس کر دو۔

امرِ اخیر تو صرف اس لیے ہے کہ ظاہری نام کا دنیاوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہے، اور پہلے تین اس لیے کہ ہر صیغہ، ہر محکمہ میں صرف ہنود رہ جائیں۔ جہاں ہنود کا غلبہ ہوتا ہے، حقوقِ اسلام پر جو گزرتی ہے، ظاہر ہے۔ (ص:۵۳۶، فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴، مطبوعہ لاہور)

اس تحریک کے دوران مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، اسلامیہ کالج لاہور، اسلامیہ کالج پشاور، مدرسہ عالیہ کلکتہ وغیرہ پر موالاتی لیڈروں نے تعلیمی بائیکاٹ کے لیے دھاوا بولا مگر ہندوؤں کی کوئی تعلیم گاہ ان موالاتیوں کی زد میں نہیں آئی۔ بلکہ بنارس ہندو یونی ورسٹی میں طلبہ و اساتذہ کو خطاب کرنے اور تعلیمی بائیکاٹ کے لیے گاندھی کو پنڈت مدن موہن مالویہ نے گھسنے بھی نہیں دیا۔ یہ بھی اس تحریک ترکِ موالات کا ایک حیرت انگیز پہلو ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۹۵۸ء) اس تحریک کے نمایاں لیڈر رہتے۔ ان کے عزائم بلند تھے۔ انھوں نے ''امام الھند'' بننے کے لیے ''مسئلۂ امامت'' بھی چھیڑا مگر علما نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور کسی معروف عالم نے ان کی تائید نہ کی۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ مولانا محمد علی جوہر ان کے حریف اور ان کی راہ کے سنگِ گراں نہیں بلکہ کوہ گراں ثابت ہوئے۔ اس لیے کچھ دنوں بعد مولانا آزاد نے مسئلۂ امامت کو سرد خانے میں ڈال دیا۔

(خلاصۂ مفہوم، ص:۱۳۰۔ تحریک خلافت از محمد عدیل عباسی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو۔ نئی دہلی)

بانیِ تحریکِ خلافت مولانا عبد الباری فرنگی محلی لکھنوی (متوفی ۱۹۲۶ء) نے اسی سلسلے میں ۲۶ر شوال ۱۳۳۹ھ کو حضرت سید مہر علی چشتی گولڑوی سے ایک استفتا کیا۔ جس کے جواب میں آپ نے لکھا.......... ''خلاصہ یہ کہ موجودہ زمانے میں علما کی کارروائی نہ خلافت ہے نہ امامت۔ الخ

(ص:۲۵۱۔ مہر منیر۔ مطبوعہ پاک و ہند)

تحریک ترکِ موالات ہی نے تحریکِ ہجرت کی طرف پیش قدمی کی اور خلافتی لیڈروں نے مسلمانانِ ہند کو ہندستان سے ہجرت کرنے کا حکم دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہزاروں مسلمان افغانستان کی طرف ہجرت کر گئے اور بدحال و پریشان حال ہو کر ہندستان واپس آئے تو مفلس و قلاش ہو چکے تھے۔

ایک استفتا بسلسلۂ ہجرت کا جواب دیتے ہوئے فقیہِ اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی تحریر

فرماتے ہیں:

ہجرت دو قسم ہے، عامہ و خاصہ...... عامہ یہ کہ تمام اہلِ وطن ترکِ وطن کر کے چلے جائیں۔ اور خاصہ یہ کہ خاص اشخاص۔

پہلی ہجرت دار الحرب سے ہر مسلمان پر فرض ہے جس کا بیان آیۂ کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ ۔الآیۃ (وہ لوگ کہ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) میں ہے۔ اس سے صرف عورتیں اور بچے اور عاجز مرد جو نہیں نکل سکتے، مستثنیٰ ہیں۔ جس کا ذکر اس سے متصل دوسری آیۂ کریمہ الا المستضعفین۔الآیۃ میں ہے۔ باقی سب پر فرض ہے۔ جو باوصف قدرت دار الحرب میں سکونت رکھے اور ہجرت نہ کرے مستحق عذاب ہے۔

رہا دار الاسلام، اس سے ہجرتِ عامہ حرام ہے کہ اس میں مساجد کی ویرانی و بے حرمتی، قبورِ مسلمین کی بربادی، عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہوگی۔

اور ہجرتِ خاصہ میں تین صورتیں ہیں:

اگر کوئی شخص کسی وجہ خاص سے کسی مقام خاص میں اپنے فرائض دینیہ بجا نہ لا سکے اور دوسری جگہ ممکن ہو، تو اگر یہ خاص اسی مکان میں ہے، اس پر فرض ہے کہ یہ مکان چھوڑ کر دوسرے مکان میں چلا جائے، اور اگر اس محلّہ میں معذور ہو تو دوسرے محلّہ میں اٹھ جائے، اور اس شہر میں مجبور ہو تو دوسرے شہر میں۔ وعلیٰ ھذا القیاس. کمابینہ فی مدارکِ التنزیل واستشھد بحدیث ۔(جیسا کہ مدارک التنزیل میں اس کی تفصیل ہے اور اس پر ایک حدیث سے استشہاد کیا ہے)

دوسری وہ کہ یہاں اپنے فرائض مذہبی بجا لانے سے عاجز نہیں اور اس کے ضعیف ماں یا باپ یا بیوی یا بچے جن کا نفقہ اس پر فرض ہے، وہ نہ جا سکیں گے یا نہ جائیں گے اور اس کے چلے جانے سے بے وسیلہ رہ جائیں گے تو اس کو دار الاسلام سے ہجرت کرنا حرام ہے۔ حدیث میں ہے: کفیٰ بالمرء اثما ان یضیع من یقوت ، کسی آدمی کے گنہ گار ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اسے ضائع کر دے جس کا نفقہ اس کے ذمہ تھا۔

یا وہ عالم جس سے بڑھ کر اس شہر میں عالم نہ ہو اسے بھی حرام ہے۔ وقد نص فی البزازو الدر المختار انہ لایجوز لہ السفر الطویل منھا فضلاً عن المھاجرۃ ۔(بزازیہ اور در مختار میں تصریح ہے کہ ایسے آدمی کے لیے طویل سفر جائز نہیں، چہ جائے کہ وہ وہاں سے ہجرت کر جائے)

تیسری وہ کہ نہ وہ فرائض سے عاجز ہے نہ یہاں اس کی حاجت۔ اسے اختیار ہے کہ رہے یا چلا جائے، جو اس کی مصلحت ہو۔ یہ تفصیل دار الاسلام میں ہے۔

اب آپ اپنی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ کو ہجرت جائز یا واجب یا حرام ہے، واللّٰہ

تعالیٰ اعلم۔(ص ۱۳۱و۱۳۲،فتاویٰ رضویہ،جلد۱۴۔رضافاؤنڈیشن لاہور)

اس وقت کے ایک مشہور سیاسی لیڈر ظفر حسن ایبک شاگرد مولانا عبیداللہ سندھی (متوفی ۱۹۴۴ء) شاگرد مولانا محمود حسن دیوبندی (متوفی نومبر ۱۹۲۰ء) اثرات ونتائج ہجرت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں سادہ لوح مسلمان اپنے گھربار سے محروم ہوئے۔افغانستان پر مالی بوجھ پڑا۔ہندستانی مسلمان افغانوں سے اور افغان ہندستانی مسلمانوں سے کبیدہ خاطر ہوئے۔اگر کسی نے اس سے فائدہ اٹھایا تو وہ صرف انگریز تھے۔(آپ بیتی حصہ اول از ظفر حسن ایبک۔مطبوعہ لاہور)

اس موقع پر مسلمانوں کی زمین جائیداد ہندوؤں نے خریدی اور ہزاروں مسلمان بے گھر بے در ہوئے۔چناں چہ رئیس احمد جعفری ندوی لکھتے ہیں:

''خریدنے والے زیادہ تر ہندو ہی تھے۔ہزاروں مسلمان افغانستان ہجرت کر گئے۔وہاں جگہ نہ ملی واپس کیے گئے۔کچھ مرکھپ گئے۔جو واپس آئے تباہ حال،خستہ،درماندہ،مفلس،قلاش،تہی دست،بے نوا،بے یارومددگار۔اگر اسے ہلاکت نہیں کہتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟ (ص:۱۰۸۔حیات محمد علی جناح از رئیس احمد جعفری ندوی،مطبوعہ تاج آفس ممبئی)

آریہ سماجی لیڈر سوامی شردھانند جسے موالاتی لیڈروں نے دعوت دے کر جامع مسجد دہلی میں تقریر کرائی تھی،اس نے ۱۹۲۳ء میں علاقہ آگرہ وراج پوتانہ میں شدھی سنگٹھن کو متحرک کر کے ''ہندو مسلم اتحاد'' کی قلعی کھول دی اور لاکھوں مسلمانوں کو مرتد بنادیا۔ادھر ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا نے ۱۹۲۲ء میں سلطان ترکی کی معزولی اور ۱۹۲۴ء میں ترکی پارلیمنٹ میں خاتمۂ خلافت کا باضابطہ اعلان کر کے تحریک خلافت کو بے جان کر دیا۔ساتھ ہی ۱۹۲۴ء ہی میں بیلگام کرناٹک میں گاندھی نے ترکِ موالات کی تحریک جو ۱۹۲۲ء میں ہی تقریباً مردہ ہو چکی تھی،اس کے خاتمہ کا باضابطہ اعلان کر دیا۔اس طرح وہ تحریک جسے خلافتی وموالاتی لیڈر مذہبی بنیاد پر چلا رہے تھے وہ بالکل جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

حیرت انگیز اتفاق یہ ہے کہ بیلگام کرناٹک میں ۲۴ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی صدارت میں خلافت کانفرنس ہوئی۔۲۶ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو اسی جگہ گاندھی کی صدارت میں کانگریس کا اجلاس ہوا۔اور...... ''بیلگام میں کانگریس ہی کے پنڈال میں ۲۷ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو ہندو مہاسبھا کا اجلاس ہوا جس کی صدارت پنڈت مدن موہن مالویہ نے کی۔اس میں کانگریس کے لیڈروں نے بھی شرکت کی۔مالویہ جی نے دعویٰ کیا کہ ہندو مہاسبھا کوئی فرقہ وارانہ جماعت نہیں۔بیلگام میں آخرکار گاندھی جی نے سپر ڈال دی اور گاندھی،نہرو،سی آر داس معاہدہ تیار ہوا۔جس کا منشا یہ تھا کہ کونسلوں کا داخلہ منظور کیا جائے اور چرخہ کاتنا ممبری کے لیے ضروری قرار دیا جائے۔گاندھی جی نے ترکِ موالات کو خیرباد کہا اور اپنے آشرم واپس چلے گئے۔'' (ص:۲۵۳۔تحریک خلافت از قاضی محمد عدیل عباسی۔قومی کونسل برائے فروغ اردو،نئی دہلی)

''مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی تو ان کو ''باپو'' کہتے تھے اور کراچی کے مقدمہ میں سزا پانے کے بعد جب وہ راہ میں تھے تو لوگوں نے پوچھا کہ تحریک کا کیا حال ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ میں تو جیل میں ہوں البتہ میں یہ جانتا ہوں کہ رسول کے بعد میرے اوپر مہاتما گاندھی کا حکم نافذ ہے......مولانا آزاد سبحانی گاندھی کے آشرم میں چلے گئے تھے اور ایک لباس پہن لیا تھا جو صرف گھٹنا اور کہنی بند تھا۔مولانا ابوالکلام آزاد قولاً وعملاً گاندھی جی کے ہم نوا تھے۔(ص:۸۰۔تحریک خلافت از عدیل عباسی،مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو،نئی دہلی)

خلافت فنڈ کا جو حشر ہوا اس کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کے دستِ راست مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی ندوی لکھتے ہیں:

''ایک قلیل رقم ترکوں تک پہنچی،باقی روپے کو مردے کا مال سمجھ لیا گیا۔اس زمانے میں خود میں اپنی آنکھ سے دیکھتا تھا کہ بڑے بڑے لیڈر کس بے دردی سے قومی روپے اپنی ذات پر اڑا رہے ہیں۔
(ص:۳۸۸۔ذکر آزاد۔مطبوعہ دہلی)

خود مولانا محمد علی جوہر نے ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۷ء کے پشاور اجلاس میں جو انکشاف کیا وہ چشمِ عبرت سے پڑھنے لائق ہے:

''ہندو رہ نما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرمایہ سے دورہ کرتا رہا۔ہماری قید کے بعد بھی مہاتما گاندھی نے دورے کے مصارف خلافت کے سرمایہ سے لیے۔حتیٰ کہ کانگریس کے لیے ایک کروڑ روپے جمع کرنے کے لیے آپ کے دورانِ سفر کے مصارف بھی خلافت نے ادا کیے۔'' (ص:۱۰۵۔حیات محمد علی جناح از رئیس احمد جعفری ندوی۔مطبوعہ ممبئی)

مولانا محمد علی جوہر اور گاندھی کا دورانِ تحریک خلافت وترک موالات ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ تنہا یا وفد کے ساتھ بعض مشاہیر علمائے ہند سے ملاقات کر کے انھیں اپنا ہم خیال وہم نوا بنانے کی کوشش کرتے تھے۔چناں چہ ایک وفد کے ہم راہ ایک بار گاندھی مونگیر بہار پہنچے اور مولانا محمد علی مونگیری (وفات ربیع الاول ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء) سے ملاقات کی۔گاندھی نے اپنے مطالعۂ سیرت کا حوالہ دے کر قرآن حکیم اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کی۔

''مولانا مونگیری،گاندھی جی کی ان باتوں کو خاموشی سے سنتے رہے۔اور جب گاندھی جی اپنی بات کہہ چکے تو مولانا نے پوچھا:

مجھے تو آپ اسلام کی وہ بات بتائیے جو آپ کو پسند نہیں آئی؟ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پہلو سے آگاہ کیجیے جسے آپ نے اچھا نہیں سمجھا؟

گاندھی جی اس سوال کے لیے تیار نہیں تھے۔کچھ چونکے اور فوراً بولے: ایسا تو کوئی پہلو میری نظر

میں نہیں آیا۔

اس پر مولانا مونگیری نے سوال کیا۔ تو پھر آپ نے ابھی تک اسلام کیوں قبول نہیں کیا؟ گاندھی جی کے پاس جواب نہیں تھا۔ مولانا خفا ہو گئے۔ اور فرمایا کہ آپ نے جو کچھ کہا غلط ہے۔ آپ ہمیں صرف پھانسنا چاہتے ہیں۔ صیاد بھی پرندوں کو پکڑنے کے لیے انھیں کی بولیاں بولتا ہے۔" (مسٹر احسان بی اے کی آپ بیتی۔ بحوالہ ص: ۲۷۰ مہر منیر مطبوعہ پاک و ہند)

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے تلمیذ و خلیفہ اور سوانح نگار مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی (وصال ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) سابق پرنسپل شمس الہدیٰ پٹنہ لکھتے ہیں:

اس سلسلے میں مسٹر گاندھی مشاہیر علما و مشائخ سے جا کر ملتے اور سب کو ہموار کرنے کی کوشش کرتے۔ چناں چہ خانقاہِ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ پہنچے اور جناب سجادہ نشین مولانا شاہ بدر الدین صاحب سے خلوت میں دیر تک گفتگو کی، اور اس کی شہرت تمام اخباروں میں دھوم دھامی طریقے پر ہوئی۔

"اسی زمانہ میں مسٹر گاندھی بریلی شریف پہنچے اور اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا بریلوی) سے ملنے کے متمنی ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے قبول نہ فرمایا اور انکار فرما دیا۔ یہاں تک کہ بعض حضراتِ اہل سنت مخلصینِ اعلیٰ حضرت نے بھی سفارش کی اور اسی کو قرینِ مصلحت سمجھا کہ اعلیٰ حضرت ان کی اِستدعا کو رد نہ فرمائیں اور ملاقات کا تھوڑا سا وقت مسٹر گاندھی کو دے دیں۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ: وہ مجھ سے دینی امور میں گفتگو کریں گے یا دنیوی بہبود کے متعلق؟ دینی امور میں گفتگو کر نہیں سکتے کہ وہ ہمارے دین سے واقف نہیں۔ رہا دنیوی بہبود کے متعلق تو جب میں نے اپنی دنیوی بہبود کی طرف توجہ نہ کی تو دوسروں کی دنیا سنوارنے کی فکر میں کس طرح اپنا وقت ضائع کر سکتا ہوں؟

آپ حضرات جانتے ہیں کہ خداوندِ عالم کی دی ہوئی نعمت ترکہ آبائی سے میری کافی معیشت ہے مگر میں نے کبھی اس کی طرف توجہ نہ کی۔ (بھائی) حسن میاں رحمۃ اللہ علیہ انتظام کرتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد (بھائی محمد رضا خاں) ننھے میاں سلمہٗ اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ یہ سن کر وہ لوگ خاموش ہو گئے۔" (ص: ۲۳۴۔ حیات اعلیٰ حضرت (سال تصنیف ۱۹۳۸ء) مطبوعہ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور۔ ۲۰۰۳ء)

مولانا محمد علی جوہر و مولانا شوکت علی کی امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی سے ملاقات و گفتگو کا ایک اہم واقعہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

"تحریکِ آزادی کے سلسلے میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی آپ کی خدمت میں بریلی حاضر ہوئے اور عرض کی کہ: آپ ایک وسیع حلقے کے روحانی پیشوا ہیں۔ آپ تحریکِ آزادیِ ہند کے سلسلے میں کانگریس کا ساتھ دیں تو آپ کی شخصیت حالات پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ: مولانا! میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف ہوں۔

علی برادران باہر جب جا چکے تو مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی سے کہنے لگے کہ: مولانا احمد رضا خشک ہیں۔

آپ صاحب کشف بزرگ تھے۔ فوراً کشف سے ان کے احوال پر مطلع ہوئے اور مولانا محمد علی جوہر کو بلایا اور کہا کہ: مولانا! میں خشک نہیں ہوں۔ ملک آزاد کرانا ہے تو مسلمانوں کی اپنی علاحدہ تنظیم بنائیں اور ہندوؤں سے بالکل علاحدہ ہو جائیں۔

مولانا جوہر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دست بوسی کی اور حضرت کے موقف سے آگاہ ہوئے۔

(ص: ۲۔ روزنامہ کوہستان لاہور و ملتان۔ شمارہ، ۸/مئی ۱۹۶۹ء)

یہ "ہندو مسلم اتحاد" جس نے مسلمانانِ ہند کے زعما اور ان کے حامیوں کی ایک بڑی تعداد کو مذہبی و ملی غیرت و حمیت سے بے گانہ اور بے نیاز کر دیا تھا اس اتحاد کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں اور اسی ہندو مسلم اتحاد کی علمائے اہل سنت نے مخالفت کی اور بجا مخالفت کی۔ اگر صرف ملکی مفادات کے تحفظ کے لیے اپنے تشخص و شناخت کے ساتھ محتاط کوشش ہوتی تو اس کی بات جدا تھی۔ چناں چہ اس مسئلہ پر اصولی گفتگو کرتے ہوئے حضرت سید سلیمان اشرف سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ علی گڑھ کالج علی گڑھ (وصال ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) اپنے رسالہ الرشاد (مطبوعہ مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/۲۱-۱۹۲۰ء) میں رقم طراز ہیں:

"شریعتِ مطہرہ ہر حال میں ہم سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتی ہے، اور یہی وہ خصوصیتِ حیاتِ مسلم ہے جس میں کسی دوسری قوم کا حصہ نہیں، اسی نکتہ کو سابقاً عرضِ خدمت کر چکا ہوں۔

مسلم کا اضطرار بھی اللہ رب العلمین کے محور سے نہیں ہٹتا۔ اس کی بے چینی، اس کی بے قراری سب اللہ ہی کے لیے ہے، اور اسی کی طرف ہے۔ برادرانِ اسلام! کیا اس موجودہ ہنگامۂ اضطرار میں آپ اس مرکزِ خصوصی سے متجاوز نہیں ہو گئے؟ کیا اس بے چینی میں آپ نے اہلِ ہنود کا اس طرح دامن نہیں پکڑا جس سے آپ کا مذہب آپ سے فریادی ہو گیا؟

کیا اس اتحاد و اتفاق میں وہ اصولِ حکیمانہ جس سے اتحاد کی جڑ فی الحقیقت مضبوط ہو جاتی آپ سے نظر انداز نہیں ہو گیا؟

آپ کو اختیار ہے کہ ان سوالوں کا جواب ایجاب میں دیں یا سلب میں لیکن اصل جواب تو وہی ہے جس پر واقعات و حقائق شاہد ہوں۔ ٹھنڈے دل اور ٹھنڈے دماغ سے فقیر کی گزارش سنیے۔

اتحاد و اتفاق یا عناد و اختلاف کی دو قسمیں ہیں: ایک عرضی اور دوسرے ذاتی۔ یعنی ایک شی جب

دوسری شی کے مخالف تو اس کی علت یا کوئی امرِ خارجی ہوگا یا ذاتی۔

اب جس جگہ دونوں کی حقیقت اور قوام ذات میں اتفاق ہو اور پھر دونوں میں اختلاف پایا جائے تو منشاے اختلاف کوئی ایسا امر ہوگا جو حقیقتِ ذات سے خارج ہے اور اسے عارض ہے اسی کو اختلاف عرضی کہتے ہیں۔ ایسے دو مختلف موجود میں اتفاق کی صورت یہ ہے کہ وہ امرِ خارج جو اسے عارض ہے، زائل ہو جائے یا زائل کر دیا جائے۔ جوں ہی امرِ خارج کا اندفاع ہوگا، ذاتی اتفاق ایک کو دوسرے سے متحد بنا لےگا۔

لیکن اگر دو چیزوں میں اختلاف باعتبارِ ذات اور قوام حقیقت پایا جاتا ہے تو جب تک ان دونوں کی ذات قائم ہے، اس اختلاف کا مٹنا ناممکن ہے۔ دو متغائر فی الذات کبھی اپنی حقیقت اور لوازم میں متحد نہیں ہو سکتے۔ تضاد و تغائرِ ذاتی کا یہی اقتضا ہے۔

ہاں! ان دونوں کا اتحاد اگر ہوگا بھی تو منشا اس کی ذات نہ ہوگی بلکہ کوئی امر خارج از ذات ہوگا۔ جب تک وہ امر خارج ان دونوں میں موجود ہے دونوں متفق و متحد ہیں اور جہاں وہ خارج زائل ہوا یا زائل کیا گیا، پھر ذات اپنی مقتضیات و لوازم کی طرف رجوع کر جائے گی۔ غرض اختلافِ عرضی میں اس خارج کا اور عارض کا زوال اتفاق کا موجب ہے، اور اختلاف ذاتی میں اس امر خارج اور عارض کا بقا اتفاق کا موجب ہے، الخ۔'' (ص: ۵و۶، الرشاد، مؤلفہ مولانا سید سلیمان اشرف، مطبوعہ مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ۔ ۱۳۳۹ھ/۲۱۔۱۹۲۰ء)

مسٹر گاندھی کے ایما پر شروع ہونے والی تحریک ترکِ موالات کے قوم پرست ہندو مسلم زُعما اور تحریک خلافت کے داعی علما مسلمانانِ ہند کے مذہبی جذبات مشتعل کرنے کی حکمت عملی میں کام یاب ہونے اور اپنی بے بصیرتی سے گاندھی کو زمامِ قیادت سپرد کرنے کے بعد سرزمین ہند پہ قابض و حاکم انگریزوں کے خلاف سینہ سپر ہو گئے اور پھر زور و شور کے ساتھ تحریکِ آزادیِ ہند شروع ہو گئی کیوں کہ ان کے خیال و پروگرام کے مطابق دونوں تحریکوں (خلافت و ترک موالات) کی مشترکہ اساس ہی ''انگریز دشمنی'' تھی اور اپنے نشانے تک پہنچنے کے لیے آیاتِ قرآن و احادیثِ رسول و احکام فقہ کا جس طرح سیاسی استعمال ہوا اور ہندو مسلم اتحاد کے نام پر جس طرح شعائرِ اسلام و مسلمین کی توہین ہوئی وہ مسلمانانِ ہند کی تاریخ کا ایک سیاہ اور شرم ناک باب ہے۔

دینی فکر و بصیرت رکھنے والے علماے کرام سمجھ رہے تھے کہ سیاسی وجوہ سے انگریزوں کے خلاف چلائی جانے والی تحریک عدمِ اشتراکِ عمل تو ملک و ملت کے لیے نفع بخش اور نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ اور تمام مسلمانوں کو اس میں بیش از بیش حصہ لے کر ان سفید فام حاکموں سے ملک کو آزاد کرایا جا سکتا ہے۔ اور کرایا جانا چاہیے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ اہلِ وطن کی اکثریت کے ساتھ یہ اتحاد خدانہ کردہ اِدغام و انضمام کی صورت اختیار کر لے اور اس کا بھی امکان ہے کہ اگر تحریک میں شامل علما و مسلم قائدین کی ہندو نوازی

اور ان کی اطاعت گزاری کا یہی جذبہ اور ماحول برقرار رہا تو انگریزوں سے انتقالِ اقتدار کے وقت مسلمان منھ دیکھتے رہ جائیں گے اور سب کچھ ہندو لیڈر اُڑا لے جائیں گے۔ اس لیے مسلم شناخت اور مسلم مفاد کا تحفظ ہر لمحہ ضروری ہے اور اس حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ مسلمان اول و آخر مسلمان اور صرف مسلمان ہے اس کے ساتھ یا اس کے بعد پھر کچھ اور ہے۔ اور اسی بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان بیک وقت مسلمان اور ہندی یا چینی یا ایرانی یا عربی ہے۔

لیکن یہاں رنگ کچھ اور ہی تھا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا حسرتؔ موہانی، مولانا محمد علی جوہرؔ، مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ظفر علی خاں وغیرہم سب اسی دھارے میں بہے جا رہے تھے جس کی طرف گاندھی کا اشارہ ہوتا تھا۔ افراط و تفریط کا عجب عالم تھا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (متوفی جنوری ۱۹۲۶ء) ان علما اور لیڈروں کے قائد تھے۔ جن کا حال یہ ہو گیا تھا کہ اپنے ایک مشہور و مطبوع خط میں لکھتے ہیں:

''فقیر نان کوآپریشن کے مسئلہ میں بالکل پس رو گاندھی کا ہے۔ کیوں کہ اس طریق کار کا واقف نہیں ہے۔ ان کو اپنا رہ نما بنا لیا ہے۔ جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں۔ میرا حال تو سرِ دست اس شعر کے موافق ہے:

عمرے کہ بہ آیات واحادیث گذشت
رفتی و نثارِ بت پرستی کردی

تحریک خلافت و ترک موالات کے بیشتر علما اور تقریباً سبھی قائدین نے مسلمانانِ ہند کو جذباتی سیلاب میں بہایا اور شرعی حدود کو تجاوز کیا۔ اس وقت اس طرح کے فتاویٰ جاری ہو رہے تھے کہ ان کے حامی و ہم نوا مسلمان ہندو مسلم اتحاد کی رو میں بہتے گئے اور لیڈرانِ قوم ان کا استحصال کرتے چلے گئے۔ اس پوری تحریک کی قیادت گاندھی نے کی اور دو تین سال کے اندر ہی ۱۹۲۲ء میں گاندھی کی حکمتِ عملی جب تبدیل ہوئی اور ۱۹۲۴ء میں انھوں نے نان کوآپریشن موومنٹ/تحریک عدم تعاون ختم کرنے کا باضابطہ اعلان کیا تو پھر علما و زُعماے خلافت و ترک موالات کے مذہبی فتاویٰ بھی سرد خانے کی امانت بن گئے۔ اجتناب از نقضِ امن و اتباعِ شریعت کی شرط کے ساتھ (شیخ الھند) مولانا محمود حسن دیوبندی (متوفی نومبر ۱۹۲۰ء) نے ۳ رذوالقعدہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء میں یہ فتویٰ جاری کیا:

''اعداے اسلام کے ساتھ تعاون و موالات کو اعتقاداً اور عملاً ترک کر دیں۔ اس مسئلہ کی شرعی حیثیت ناقابلِ انکار ہے اور ایک صادق مسلمان کی غیرت کا ایسے حالات میں یہ ہی اقتضا ہونا چاہیے کہ وہ: (۱) سرکاری اعزازوں اور خطابات کو واپس کر دے (۲) ملک کی جدید کونسلوں میں شریک ہونے سے انکار کر دے (۳) صرف اپنی ملکی اشیا اور مصنوعات کا استعمال کرے (۴) سرکاری اسکولوں اور کالجوں

میں اپنے بچوں کو داخل نہ کرے۔'' (ص:۳۱۶۔ حصہ دوم نقش حیات از مولانا حسین احمد مدنی۔ مکتبہ دینیہ دیوبند ۱۹۹۹ء)

یہی فتویٰ جمعیۃ علماے ہند کے متفقہ فتویٰ کی صورت میں تقریباً پانچ سو علما کے دستخط سے شایع کیا گیا۔ (ص:۳۱۷۔ حصہ دوم نقش حیات)

مولانا حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

''ملک کے تمام اہل الراے ہندو اور مسلمان برطانیہ سے نہایت برگشتہ ہو رہے تھے۔ مہاتما گاندھی کی راے قبولیتِ عامہ حاصل کر چکی تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ترکِ موالات کے متعلق طلباے یونی ورسٹی (علی گڑھ) نے فتویٰ حاصل کرلیا تھا جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ترک موالات کی تمام دفعات میں کانگریس کی موافقت کی تھی اور تمام مسلمانوں اور طلباے مسلم یونی ورسٹی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اس پر عمل کریں۔

گورنمنٹ سے قطعِ تعلق کرلیں اور تمام کالج اور اسکول کی گورنمنٹی امداد چھوڑ دیں۔ اور اگر کالجوں اور اسکولوں کے زعما ایڈ نہ چھوڑیں تو طلبہ ایسے کالجوں اور اسکولوں سے نکل جائیں۔ نیز ملازمانِ حکومت انگریزی ان ملازمتوں سے علاحدہ ہو جائیں جن میں حکومت کی امداد خالص طور پر ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔'' (ص:۳۱۴۔ حصہ دوم۔ نقش حیات از مولانا حسین احمد مدنی)

۱۹۲۰ء میں جمعیۃ علماے ہند کے تاسیسی اجلاس منعقدہ دہلی کا خطبۂ صدارت مولانا محمود حسن دیوبندی (متوفی نومبر ۱۹۲۰ء) کی جانب سے انھیں کے حکم پر مفتی کفایت اللہ شاہ جہاں پوری ثم دہلوی نے لکھا اور چھپوایا جسے مولانا شبیر احمد عثانی دیوبندی نے اجلاس میں پڑھ کر سنایا۔ علماے حق از مولانا سید محمد میاں ناظم جمعیۃ العلما کے حوالہ سے مولانا حسین احمد مدنی اسی خطبۂ صدارت از مولانا محمود حسن دیوبندی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ کا خطبۂ صدارت اگر چہ نہایت مختصر تھا مگر علماے ملت اور ملی سیاست کے تقاضہ کو پورا کرنے کے لیے مکمل اور کافی تھا۔

حضرت شیخ الہند کے اس خطبۂ صدارت نے علماے ملت کو مندرجہ ذیل اصول ونظریات کی ہدایت فرمائی۔

(۱) اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز ہے جس سے ترکِ موالات فرض ہے۔

(۲) تحفظِ ملت اور تحفظِ خلافت کے خالص اسلامی مطالبہ میں اگر برادرانِ وطن ہم دردی اور اعانت کریں تو جائز اور مستحقِ شکریہ ہیں۔

(۳) استخلاصِ وطن کے لیے برادرانِ وطن سے اشتراکِ عمل جائز ہے مگر اس طرح کہ مذہبی حقوق میں رخنہ واقع نہ ہو۔

(۴) اگر موجودہ زمانہ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز کا استعمال مدافعتِ اعدا کے لیے جائز ہوسکتا ہے باوجودیکہ قرونِ اولیٰ میں یہ چیزیں نہ تھیں تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں بھی تأمل نہ ہوگا۔ کیوں کہ موجودہ زمانہ میں ایسے لوگوں کے لیے جن کے ہاتھ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز نہیں ہیں، یہی چیزیں ہتھیار ہیں۔''

(صفحہ ۱۶۔ خطبۂ صدارت۔ مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند)

حضرت شیخ الہند کی اختتامی تحریر جو آخری اجلاس میں پڑھی گئی اس کے چند جملے بلفظہٖ درج ذیل ہیں:

''کچھ شبہہ نہیں کہ حق تعالیٰ جلّ شانہ نے آپ کے ہم وطن اور ہندستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول کے لیے مؤید بنادیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتحاد و اتفاق کو بہت ہی مفید اور نتیجہ خیز سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لیے فریقین کے عمایدنے کی ہیں اور کر رہے ہیں اس کے لیے میرے دل میں بہت قدر ہے۔ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ صورتِ حال اگر اس کے مخالف ہوگی تو وہ ہندستان کی آزادی کو ہمیشہ کے لیے ناممکن بنادے گی۔'' (ص:۳۲۲ حصہ دوم، نقش حیات از مولانا حسین احمد مدنی۔ مکتبہ دینیہ دیوبند ۱۹۹۹ء)

تحریک خلافت، وترکِ موالات وہجرت کے اثرات ونتائج کے بارے میں پروفیسر محمد مجیب (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''جنگ کے بعد جب ۱۹۱۹ء کے وسط میں خلافت کانفرنس کی تشکیل عمل میں آئی اور نومبر میں اس کا عام اجلاس دہلی میں منعقد ہوا تو ہندستانی مسلم قیادت نے بڑی سمجھ داری سے اس کا صدر مہاتما گاندھی کو بنادیا۔ رولٹ ایکٹ کے خلاف جد وجہد میں مسلمانوں نے پورے خلوص سے اور مؤثر طور پر حصہ لیا تھا اور عدم تعاون کی تحریک میں دل وجان سے شامل ہوکر دونوں ملتوں نے اتحاد کے رشتے مضبوط کیے تھے۔'' (ص ۶۲۳۔ ہندستانی مسلمان از پروفیسر محمد مجیب، مطبوعہ قومی کونسل براے فروغ اردو۔ نئی دہلی ۱۹۹۸ء)

''قوم پرور علما نے جمعیۃ العلماے ہند قائم کی اور اس تنظیم کا پہلا پبلک۔ اجلاس دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرت سر میں منعقد ہوا.........اس کے بعد کے سال میں ایک ایسی تباہ کن غلطی ہوئی جس نے بتادیا کہ بے روک ٹوک مذہبی جوش وخروش کہاں لے جاسکتا ہے؟ یہ خیال پیش کیا گیا کہ اگر انگریزوں نے ترکی کے سلطان کے ساتھ جو خلیفہ بھی تھا انصاف نہ کیا تو مسلمانوں کو چاہیے کہ ہجرت کر کے قریب ترین دارالامن

یعنی افغانستان چلے جائیں۔ اس ہوش رُبا تجویز کو تسلیم کر لیا گیا اور مولانا عبدالباری نے ہجرت کی حمایت میں فتویٰ جاری کر دیا۔

کوئی اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے ہجرت کا فیصلہ کر کے اپنی ساری جمع پونجی فروخت کر ڈالی۔ ابھی اور لوگ بھی ہجرت کے لیے کمر باندھ رہے تھے کہ افغانستان حکومت نے مہاجرین کے داخلے پر پابندی عاید کر دی۔ اٹھارہ ہزار خاندان تو گویا بالکل تباہ ہو گئے۔ جو لوگ یہ مصائب جھیل کر اپنے گھروں کو واپس آنے میں کام یاب ہو گئے ان کی تکلیفیں کم کرنے کے لیے خلافتیوں نے حتی الوسع کوشش کی لیکن یہ واقعہ یہ سبق نہ دے پایا کہ مذہبی ولولے کو سنجیدہ سوچ کی بھٹی میں تپانا ضروری ہوتا ہے۔'' (ص ۵۷۲۔ ہندستانی مسلمان از پروفیسر محمد مجیب)

''عدم تعاون کی تحریک ۱۹۲۲ء میں واپس لی گئی۔ اس سے کتنی بدظنی پھیلی اور انتشار پیدا ہوا اس کا اندازہ فسادات کی اس تعداد سے ہو سکتا ہے جو ملک کے مختلف حصوں میں پھوٹ پڑے۔ ۱۹۲۳ء میں گیارہ۔ ۱۹۲۴ء میں آٹھ۔ ۱۹۲۵ء میں سولہ۔ ۱۹۲۶ء میں ۳۵۔'' (ص ۶۲۹۔ ہندستانی مسلمان از پروفیسر محمد مجیب)

''عدم تعاون کی تحریک ۱۹۲۲ء میں واپس لی گئی تو ان سب کو اس سے زبردست صدمہ پہنچا جو اس میں شریک تھے۔ مسلمانوں کے لیے خاص طور پر یہ بات بہت تباہ کن ثابت ہوئی۔ انھوں نے مذہبی بنیاد پر غیر مشروط فیصلے کیے تھے اور ان کی طرف سے رہ نماؤں نے تحریک کی واپسی کے جو اعلان کیے ان میں کوئی مذہبی وجہ نہیں تھے۔'' (ص: ۶۲۴۔ ہندستانی مسلمان)

''ایک دور ایسا تھا جب اسٹیج پر مولانا محمد علی چھائے ہوئے تھے۔ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء میں وہ مہاتما گاندھی کے اتنے قریب تھے جتنے اور کوئی سیاسی رہ نما کسی وقت ہو سکتے تھے۔ لیکن جب ۱۹۲۳ء میں وہ جیل سے باہر آئے اور ملک کی صورتِ حال کا مطالعہ کیا تو انھیں مجبوراً مہاتما گاندھی کا ساتھ چھوڑنا پڑا۔ انھوں نے ہندوؤں کی جارحیت اور لڑاکا پن کے خلاف مسلمانوں کے غم و غصہ کی نمائندگی شروع کر دی۔'' (ص ۶۲۷۔ ہندستانی مسلمان)

''۱۹۲۳ء کے بعد جب مولانا محمد علی مہاتما گاندھی سے دور ہونے لگے تو صرف ایک ملت کے ایسے لیڈر ہو کر رہ گئے جن کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کل کیا کریں گے؟ اور جو ہر قسم کے اختلافی معاملے میں شامل ہونے کے لیے تیار رہتے تھے۔ ان کی قوتِ عمل برقرار تھی لیکن اب بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔'' (ص ۵۷۷۔ ہندستانی مسلمان)

''برطانوی حکومت پر براہِ راست عمل کے ذریعہ دباؤ ڈالنے کی غرض سے مہاتما گاندھی نے مارچ ۱۹۳۰ء میں نمک ستیہ گرہ شروع کی۔ یہ اس بات کا فیصلہ تھا کہ سب سے پہلی شرط ہے آزادی کا حصول۔ دوسرے مسائل آزادی کے بعد ہی حل ہو سکیں گے۔

چناں چہ سوال یہ اٹھا کہ کیا مستقبل میں اپنے مقام اور حقوق کی ضمانت حاصل کیے بغیر مسلمان سول

نافرمانی کی تحریک میں حصہ لیں؟ اس میں کتنوں نے حصہ نہیں لیا اس پر اختلاف ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ شرکت خاصی تعداد میں ہوئی۔

اپریل ۱۹۳۰ء میں بمبئی میں جو آل انڈیا مسلم کانفرنس ہوئی اس میں مولانا محمد علی نے اعلان کیا کہ مسلمان برطانوی غلبہ نہیں چاہتے لیکن وہ ہندو غلبہ بھی نہیں چاہتے۔ اور وہ مسٹر گاندھی کی تحریک میں حصہ نہیں لے سکتے کیوں کہ اس تحریک کا مقصد ہندستان کے لیے آزادی حاصل کرنا نہیں بلکہ ہندستان کے سات کروڑ مسلمانوں کو ہندو مہاسبھا کا غلام بنانا ہے۔

مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد یہی محسوس کرتی تھی اس لیے انھوں نے مولانا محمد علی کی خوب خوب تعریف کی کہ انھوں نے ان جذبات کو پوری وضاحت اور شد و مد کے ساتھ پیش کر دیا تھا۔ لیکن انصاف کا تقاضہ یہ کہنے پر مجبور بھی کرتا ہے کہ دوسری طرف ایسے رجعت پسند ہندو بھی تھے جو قومی احیا کا مطلب ہی یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو دبایا جائے۔'' (ص ۶۲۸۔ ہندستانی مسلمان از پروفیسر محمد مجیب۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی)

مولانا نذیر احمد خجندی میرٹھی کے استفتا محررہ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء مرسلہ از بمبئی کے جواب میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

ہر سلطنتِ اسلام نہ صرف سلطنت ہر جماعتِ اسلام نہ صرف جماعت ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ: اَلدِّینُ النُّصحُ لِکُلِ مسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دین اسلام ہر مسلمان کی خیر خواہی کا نام ہے۔

مگر ہر تکلیف بقدرِ استطاعت اور ہر فرض بقدرِ قدرت ہے۔ نامقدور بات پر مسلمان کو ابھارنا جو نہ ہو سکے اور ضرر دے اور اسے فرض ٹھہرانا شریعت پر افترا اور مسلمانوں کی بدخواہی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفسًا اِلَّا وُسعَهَا.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔

و قال اللہ تعالیٰ: فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا استَطَعتُم.

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے۔ پھر خیر خواہی اسلام حدودِ اسلام میں رہ کر ہے۔ مشرکین سے اتحاد و موالات اور ان کے راضی کرنے کو شعائرِ اسلام کی بندش، مشرک لیڈروں کو اپنے دین کا ہادی و رہبر بنانا، مشرک لیکچرر کو مسلمانوں کا واعظ ٹھہرانا، اسے مسجد میں لے جا کر جماعتِ

مسلمین سے اونچا کھڑا کر کے لیکچر دلوانا، اپنے ماتھے پر مشرکوں سے قشقے لگوانا، مشرکوں کے مجمع میں مشرک لیڈروں کی جے پکارنا، مشرک لیڈروں کی ٹکٹی اپنے کندھوں پر اٹھا کر مرگھٹ میں لے جانا، مساجد کو مشرک کا ماتم گاہ بنانا، اس کے ماتم کے لیے مساجد میں سر برہنہ ہونا، اس کے لیے نماز و دعاے مغفرت کا اشتہار دینا، قرآنِ مجید اور رامائن کو ایک ڈولے میں رکھ کر دونوں کی پوجا کراتے ہوئے مندر میں لے جانا،...... صاف لکھ دینا کہ ہم نے قرآن و حدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کر دی، صاف لکھ دینا کہ اگر آج تم نے ہندو بھائیوں کو راضی کر لیا تو اپنے خدا کو راضی کر لیا۔ صاف لکھ دینا کہ ہماری جماعت ایک ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہے جو کفر و اسلام کا امتیاز اٹھا دے گا۔ صاف لکھ دینا کہ ہم ایسا مذہب بنانا چاہتے ہیں جو سنگم و پریاگ کو مقدس مقام ٹھہرائے گا۔

یہ امور خیر خواہی اسلام نہیں کند چھری سے اسلام کو ذبح کرنا ہے۔ یہ سب افعال و اقوال ضلالِ بعید و کفرِ شدید ہیں اور ان کے فاعل و قائل و قابل اعداے دین حمید و دشمنانِ رب مجید ہیں۔

اِتَّخذوا دینھم لھواً و لعباً — بَدَّلُوا نعمةَ اللّٰہ کفراً — وَسَیَعلَمُ الذینَ ظَلَمُوا اَیَّ مُنقَلَبٍ یَنقَلِبُون.

جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا — اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی — اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

(ص: ۱۳۳۔۱۳۴۔ جلد ۱۴۔ فتاویٰ رضویہ مترجم۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

''جو شخص حفاظتِ اسلام و سلطنتِ اسلام و اماکنِ مقدسہ کی استطاعت رکھتا ہے اور کاہلی سے نہ کرے مرتکب کبیرہ ہے یا کفار کی خوشامد و خوش نودی کے لیے تو مستوجب لعنت ہے یا دل سے ضررِ اسلام پسند کرنے کے سبب تو کافر ہے۔ اور جو استطاعت نہیں رکھتا معذور ہے۔ شریعت اس کام کا حکم فرماتی ہے جو شرعاً جائز اور عادۃً ممکن اور عقلاً مفید ہو۔ حرام یا ناممکن یا عبث افعال حکم شرع نہیں ہو سکتے۔'' (ص: ۴۱۶۔ جلد ۱۴۔ فتاویٰ رضویہ مترجم مطبوعہ لاہور)

مولانا ابوالکلام آزاد نے طلبہ یونین علی گڑھ کو خطاب کرتے ہوئے طلبہ کو کچھ ہدایت کی۔ اس کے بعد کیا ہوا اسے غور سے پڑھیں اور سمجھیں:

''دوسرے دن پھر اجتماع ہوا تو لڑکوں نے کہا کہ ہم آپ ہی کو ہندستان کا سب سے بڑا مجتہد اور عالم سمجھتے ہیں۔ تب مولانا نے کہا کہ جب مجھ کو تم لوگ مجاز سمجھتے ہو اور مجھ سے سوال کرتے ہو تو میں کہتا ہوں کہ:

حکومت سے عدم تعاون اسی طرح فرض ہے، جس طرح نماز روزہ اور دوسرے ارکانِ اسلام فرض ہیں۔ اور میں تم کو پکارتا ہوں کہ کالج کی چہار دیواری سے باہر نکلو اور کالج کی تعلیم کا بائی کاٹ کرو۔'' (ص: ۱۷۰۔

تحریک خلافت۔ از قاضی محمد عدیل عباسی۔ قومی کونسل براے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔ طبع دوم ۱۹۹۷ء)

''حکومت سے ترکِ موالات اس طرح فرض ہے، جس طرح نماز روزہ اور دوسرے ارکانِ اسلام فرض ہیں۔'' (ص: ۱۶۴۔ تبرکاتِ آزاد۔ از غلام رسول مہر۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۶۳ء)

احمد سعید ملیح آبادی ایڈیٹر روزنامہ آزاد ہند، کلکتہ لکھتے ہیں:

''مدرسہ اسلامیہ کا افتتاح مسجد ناخدا (کلکتہ) میں مہاتما گاندھی نے ۱۳ر دسمبر ۱۹۲۰ء میں کیا۔ اس وقت مولانا (عبد الرزاق) ملیح آبادی اور مولانا (حسین احمد) مدنی میں ایسا رشتۂ رفاقت و اخوت قائم ہوا کہ مرتے دم تک باقی رہا۔'' (ص ۵۔ بعنوان اکابر کی روایتوں کا امین۔ فداے ملت نمبر، روزنامہ ہندستان اکسپریس، دریا گنج، نئی دہلی۔ شمارہ ۲۳ر اپریل ۲۰۰۷ء)

حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی سے ۱۹۲۰ء میں اسی سلسلے میں دو سوالات استفتا کی شکل میں کیے گئے جس کا تفصیلی جواب آپ نے کتابی صورت میں دیا اور احکامِ موالات و معاملات کو محققانہ طور پر تحریر فرما کر المحجةُ المؤتمنة فی آیةِ الممتحنة (۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء) تاریخی نام رکھا۔ جس میں اس افراط و تفریط کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

''غرض ترکِ موالات میں افراط کی تو وہ کہ مجرد معاملت حرامِ قطعی۔ اور تفریط کی تو یہ کہ ہندوؤں سے وداد و اتحاد واجب بلکہ ان کی غلامی و انقیاد فرض بلکہ مدار ایمان۔ فسبحٰن مقلب القلوب والابصار۔ اول میں تحریم حلال کی دوم میں تحلیل حرام۔ بلکہ افتراضِ حرام اور ان دونوں کے حکم ظاہر و طشت از بام۔

لِلّٰہ انصاف! کیا یہاں اہل حق نے انگریزوں کو خوش کرنے کو معاذ اللہ مسلمانوں کو تباہ کرنے والا مسئلہ نکالا؟ یا ان اہل باطل نے مشرکین کو خوش کرنے کو صراحۃً کلام اللہ و احکام اللہ کو پاؤں کے نیچے مل ڈالا؟ مسلمانوں کو خدا لگتی کہنی چاہیے۔ ہندوؤں کی غلامی سے چھڑانے کو جو فتاویٰ اہل سنت نے دیے۔ کلام الٰہی و احکام الٰہی بیان کیے۔ یہ تو ان کے دھرم میں انگریزوں کے خوش کرنے کو ہوئے۔

وہ جو پیرِ نیچر کے دور میں نصرانیت کی غلامی او پچی تھی۔ جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈر رونے بیٹھے ہیں۔ کیا اس کا رد علماے اہل سنت نے نہ کیا؟ وہ کس کو خوش کرنے کو تھا؟ بہ کثرت رسائل و مسائل ان کے رد میں نہ لکھے گئے؟'' (ص ۴۶، ۴۷۔ المحجة الموتمنة۔ مطبوعہ بریلی)

کافروں، مشرکوں اور بد مذہبوں سے موالات اور اتحاد و وداد کے خلاف امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے بڑی شدت کے ساتھ تنبیہ اور تہدید فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

''عام مشرکین ہند کو لم یقاتلو کم فی الدین کا مصداق ماننا ایمان کی آنکھ پر ٹھیکری رکھنا ہے۔ کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑے؟ کیا قربانیِ گاؤ پر ان کے سخت ظالمانہ فساد پرانے پڑ گئے؟ کیا کتار پور و آرہ

اور کہاں کہاں کے ناپاک وہولناک مظالم جو ابھی تازے ہیں، دلوں سے محو ہوگئے؟

بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کیے گئے۔ مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے۔ ناپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں۔ قرآن کریم کے پاک اوراق پھاڑے۔ جلائے۔ اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لیے کلیجہ منھ کو آئے۔

الا لعنةُ اللّٰہ علیٰ الظّٰلمین o الالعنةُ اللّٰہ علیٰ الظّٰلمین o الالعنةُ اللّٰہ علیٰ الظّٰلمین o

اب کوئی درد رسیدہ مسلمان ان لیڈروں سے یہ کہہ سکتا ہے یا نہیں کہ اے اسٹیجوں پر مسلمان بننے والو! ہم دردیِ اسلام کا ظاہری تانا تننے والو! کچھ حیا کا نام باقی ہے تو ہندوؤں کی گنگا میں ڈوب مرو۔

اسلام و مسلمین و مساجد و قرآن پر یہ ظلم توڑنے والے کیا یہی تمہارے بھائی، تمہارے چہیتے، تمہارے پیارے، تمہارے سردار، تمہارے پیشوا، تمہارے مددگار، تمہارے غم گسار، مشرکین ہند نہیں جن کے ہاتھ آج بکے جاتے ہو، جن کی جے مناتے ہو۔ جن کی غلامی کے گیت گاتے ہو؟ اُف۔ اف۔ اف۔ تُف۔ تُف۔ تُف۔۔۔ اِن اللّٰہ جامعُ المنٰفقین و الکٰفرین فی جھنم جمیعا۔

اور بے ایمان پکا بے ایمان ہوگا وہ جو واحدِ قہار کو یک سر پیٹھ دے کر کہے کہ یہ ملعون مظالم تو بعض بعض شہر کے بعض بعض کفار نے کیے۔ اس سے سب تو قاتلو کم فی الدین نہیں ہوگئے؟

کوئی قوم ساری کی ساری نہیں لڑتی۔ کفار زمانہ رسالت جن کی نسبت حکم ہوا:

"فاقتلوھم حیث ثقفتموھم" انہیں جہاں پاؤ قتل کرو۔

اور حکم ہوا: "وقاتلوا المشرکین کافةً کما یقاتلونکم کافةً"۔

سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہیں۔

کیا ان کا ہر ہر فرد میدانِ جنگ میں آیا تھا؟

لڑائی دیکھی جاتی ہے اگر جو لڑے ان کی خاص کوئی ذاتی غرض ہے۔ جس میں ساری قوم شریک نہیں تو وہ لڑائی خاص انہیں کی طرف منسوب ہوگی جو اس کے مرتکب ہوئے۔ مثلاً کسی گاؤں کے دُھرے مینڈھے پر بعض لوگوں سے جنگ ہو تو وہ انہیں کی ہے، نہ تمام قوم کی۔

اور اگر لڑائی مذہبی ہے تو ان سب اہل مذہب کی ہے۔ کہ باقی دامے، درمے، قلمے، قدمے، معین ہوں گے۔ اور کچھ نہ ہو تو راضی ہوں گے اور اپنے مذہب کی فتح پر تو خوش ہوں گے اور دوسرے کی ہو تو رنجیدہ ہوں گے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ:

ان تمسسکم حسنة تسؤھم و ان تصبکم سیئة یفرحوا بھا۔

تو وہ سب محاربین بالفعل ہیں۔ خواہ زبان سے یا دل سے......

محاربۂ مذہبی ہر قوم کا اس بات پر ہوتا ہے جسے وہ اپنے دین کی رو سے زِشت و منکر جانے۔ اسی کے ازالہ کے لیے لڑائی ہوتی ہے۔ اور ازالۂ منکر تین قسم ہے۔ موقعہ ہو تو ہاتھ سے۔ ورنہ زبان سے۔ ورنہ دل سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَن رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ. فان لم یستطع فبلسانہ. فان لم یستطع فبقلبہ.

یہ تینوں صورتیں ازالہ و تغییر کی ہیں۔ اور یہ سب اہل محاربہ سے محاربہ ہی ہیں۔ بالفعل ہتھیار اٹھانا شرط نہیں۔ جس کا ثبوت اوپر گزرا۔

اور اگر یہی ٹھہری کہ اگرچہ لڑائی سرتاج قوم اور تمام افراد قوم کی رضا سے ہو مگر قاتلوکم فی الدین میں صرف وہی داخل ہوں گے جنھوں نے میدان میں ہتھیار اٹھائے۔ تو ذرا انگریزوں کے ساتھ اپنے بائی کاٹ کا مزاج پوچھ لیجیے۔ کیا ہر انگریز ترکوں کے ساتھ میدان جنگ میں گیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ لاکھوں یا شاید کروروں ہوں جنھوں نے اس میدان کی صورت تک نہ دیکھی۔ خصوصاً ہندستان میں بسول کے انگریز۔ تو یہ سب لم یقاتلوکم فی الدین ہوئے۔ اور تمہارا یہ ترک تعاون کا عام مسئلہ تمہارے ہی منہ سخت جھوٹا اور شریعت پر افترا ٹھہرا۔ مقاطعہ کرو تو انہیں معدودے کرو جو میدان میں ترکوں سے لڑے۔ غرض:

نے فروعت محکم آمد نے اصول
شرم بادت از خدا و از رسول

(ملخصاً المحجة الموتمنة، ص ۲۷ تا ۲۹، مطبوعہ بریلی۔ و ص: ۴۵۲ تا ص: ۴۵۵، فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

☆☆☆

ایک استفتا میں اس وقت کے حالات اور پھر حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کا شرعی فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تبلیغ خلافت کی غرض سے جامع مسجد میں ایک جلسہ ہوا جس میں ہنود بھی شریک ہوئے۔ دوران تقریر مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے اور ہنود نے وندے ماترم۔ مہاتما گاندھی کی جے۔ تلک مہاراج کی جے۔ کے نعرے لگائے۔

کیا ہنود کو مساجد میں اس قسم کے نعرے لگانا جائز ہے؟ اور اگر بعض مسلمانوں نے خود اپنی زبان سے اسی مقام پر دوران تقریر اہل ہنود کے ساتھ یا خود پیش قدمی کرتے ہوئے اس قسم کی جے کی آوازیں بلند کی ہوں تو ان کا کیا حکم ہے؟ بینوا بالدلیل توجروا من الرب الجلیل۔ (مسئولہ محمد مجتبیٰ

خاں۔کوٹھی سید محمد حسین صاحب بیرسٹر میرٹھ۔۱۵رذی الحجہ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء)

الجواب: ۔مشرکین کی جے پکارنا ان کی تعظیم ہے اور کافر کی تعظیم کفر ہے۔فتاوی ظہیریہ واشباہ ودر مختار میں ہے۔ تبجیلُ الکافرِ کفرٌ. ایسے کلمہ گویوں پر لازم ہے کہ نئے سرے سے اسلام لائیں۔ پھر اپنی عورتیں رکھنا چاہیں تو ان سے ازسرِ نو نکاح کریں۔

بلکہ ایسے جلسوں میں جو مضامین باطلہ ومخالفِ شرع ہوتے ہیں ان پر بہ نیتِ تحسین اللہ اکبر کہنا بھی حرام قطعی ہے کہ ذکر الٰہی کی توہین ہے۔مشرکوں کو مسجدوں میں اس طرح لے جانا اور ان کا اپنے کلماتِ کفر بالاعلان کہنا۔اور مسلمان کہلانے والوں کا اس پر راضی ہونا باجماعِ امت حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اِنّما بنیت المَسَاجِدُلما بنیتُ له. وَفِی اخری. لِلذکرِ والصلوۃِ وقراۃِ القرآن .

مسجدیں تو صرف اس لیے بنیں جس لیے بنیں۔وہ تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز اور تلاوت کے لیے بنیں۔

یہاں تک کہ صحیح حدیثوں میں فرمایا: جو مسجد میں اپنی کسی گمی چیز کو پوچھے اس سے کہو لا رَدَّ اللّٰہُ علیک ضالّتک. اللہ تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے۔ مسجدیں اس لیے نہ بنیں۔

نہ کافروں کو لے جانے اور مشرکوں کی جے پکروانے کے لیے۔مگر کیا کیجیے کہ ان لوگوں کے دل مسخ ہو گئے ۔انہوں نے مشرک کے غلام ہو کر اللہ ورسول کے سب احکام منسوخ کردیے۔

احمق بے عقل جاہلوں کی کیا گنتی؟ ساری کمیٹی میں سب سے بڑے عالم کہلانے والے مولوی عبد الباری فرنگی محلی ہیں۔جنہوں نے جلسۂ مدراس میں اپنے منھ اپنے آپ کو نہ صرف عالم بلکہ بہت بڑا مجدد کہا۔وہ اقرار لکھ رہے ہیں کہ وہ بالکل پس رو گاندھی کے ہیں۔اس کو اپنا رہنما لیا ہے جو وہ کہتا ہے وہی مانتے ہیں۔ اِنّا لِلّٰہ واِنّا الیه راجعون.

اس کا نام دین ہے؟ اس کا نام اسلام ہے؟ حالاں کہ رب عزوجل فرماتا ہے: اگر تم نے کافروں کا کہا مانا تو ضرور تم بھی مشرک ہو۔

ولٰکن الظّٰلمین بایٰت اللّٰه یجحدون. وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون. واللّٰه تعالیٰ اعلم (ص۳۰۵-فتاویٰ رضویہ۔جلد ششم۔ مطبوعہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی)

گاندھی کی قیادت میں چلنے والی تحریکِ خلافت کا اصل مقصد واضح کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی اپنی کتاب دوامُ العیش فی الائمة من قریش (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) میں تحریر فرماتے ہیں:

”ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے۔اصل مقصود بغلامیِ ہنود سوراج کی چکی ہے۔ بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کردی ہے۔ بھاری بھرکم خلافت کا نام لو۔عوام بھڑیں، چندہ خوب ملے اور گنگا وجمنا کی مقدس زمین آزاد کرانے کا کام چلے:

اے پس روِ مشرکاں بزمزم نہ رسی
کیں رہ کہ تو می روی بہ گنگ وجمن ست“

(ص:۲۲۵۔جلد۱۴۔فتاویٰ رضویہ مترجم۔رضا فاؤنڈیشن لاہور)

بہر حال! مجموعی طور پر تحریک خلافت جس رخ پر جارہی تھی اور تحریک ترک موالات نے جو رنگ اختیار کرلیا تھا اس میں جوش وجذبہ نے اتنا ہیجانی ماحول پیدا کردیا تھا کہ ہوش وحواس اور مستقبل بینی سے قائدینِ تحریک عام طور پر غافل اور بے نیاز ہو گئے تھے۔شرعی اصول وضوابط سے بے پرواہو کر طرح طرح کی جذباتی باتیں کہی جارہی تھیں۔انگریز دشمنی کے ساتھ مشرک دوستی کے نظارے عام تھے۔سیاسی عزائم کے سامنے سب کچھ یا بہت کچھ جائز کردیا گیا تھا جس کا قصہ طویل اور اس وقت کے اخبارات ورسائل میں مذکور ومسطور ہے۔

حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی (متوفی ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی اپنی ایک تحریر میں سلطنتِ اسلامیہ کی اعانت وحمایت اور خادم الحرمین کی امداد ونصرت مسلمانوں پر فرض قرار دینے کے ساتھ تحریک خلافت کے ایک نہایت اہم پہلو کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندوان کے ساتھ متفق ہو کر ”بجاہے“ ”درست ہے“ پکارتے —— مسلمان آگے ہوتے اور ہندوان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے تو بے جا نہ تھا۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان آمین کہنے والے کی طرح ان کی ہر صدا کے ساتھ موافقت کررہے ہیں۔

پہلے ”مہاتما گاندھی“ کا حکم ہوتا ہے اس کے بعد ”مولوی عبدالباری“ کا فتویٰ مقلد کی طرح سرِ نیاز خم کرتا چلا جاتا ہے۔ ہندو آگے بڑھتے ہیں اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے اپنا دین ومذہب ان پر نثار کرتے چلے جاتے ہیں۔“ (ماہ نامہ السواد الاعظم مرادآباد۔شمارہ ماہ شوال ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء)

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کا سارا اختلاف یہ تھا کہ مسئلہ خلافت ومسئلہ موالات جو خالص شرعی مسائل ہیں انھیں استعمال کرنے اور ان کی صورت مسخ کرنے کی کوشش کیوں جارہی ہے؟ شریعت مخالف عمل اور بیان کا سلسلہ کیوں جاری کیا گیا ہے؟ اور شرعی مسئلہ کی باگ ڈور کسی کافر ومشرک یا کسی یہودی ونصرانی کے ہاتھ میں دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ برطانیہ سے ہندستان کو آزاد کرانے کے لیے سیدھے سیدھے تحریک آزادی چلا کر عوام کو بیدار کیا جائے اور کسی بھی مرحلے میں ہندو مسلم اتحاد کے نام

پر کفار و مشرکین کی خوش نودی حاصل کرتے ہوئے احکامِ شریعت کو پامال نہ کیا جائے اور مشرکینِ ہند کی قیادت مسلمانانِ ہند پر مسلط نہ کی جائے نہ اس تحریک کو ان کے حوالہ کیا جائے جیسا کہ اس وقت یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

یہ موقف شرعی اصول پر مبنی اور بالکل درست تھا اور ہے جس کی شہادت بعد کے حالات نے بھی فراہم کر دی۔ اور تاریخ ہند نے بھی امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے موقف کو صدفی صد درست قرار دیا۔

یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے فرزند اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا بریلوی (متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) نے قائدینِ خلافت و موالات کو مخاطب کرتے ہوئے صاف صاف فرمایا تھا کہ:

"یہ لوگ موالات کو حکم شریعت سمجھ کر نہیں مانتے ہیں۔ یہ تو مسلمانوں کو اپنے موافق کرنے کے لیے آیتیں تلاوت کرتے ہیں۔ مانتے تو ہیں گاندھی کا حکم سمجھ کر۔ یہی وجہ ہے کہ ترک موالات کے ساتھ ہنود سے موالات فرض سمجھتے ہیں۔ آج تمام ہندستان جانتا ہے کہ خلافت کمیٹی صرف ترک موالات بتاتی ہے اور ہنود سے موالات نہ تنہا موالات بلکہ ان کی رضا میں فنا ہو جانا ضروری قرار دیتی ہے۔"

(ص:۵۵۔ دوامغ الحمیر۔ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی۔ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

ترک معاملت و ترک موالات سے مشرکین ہند کو مستثنیٰ کر کے صرف انگریزوں سے ترک موالات بحکم گاندھی ۱۹۲۴ء تک باضابطہ مذہبی فرض قرار دیا گیا کیوں کہ تحریکِ ترکِ تعاون/ نان کو آپریشن موومنٹ جیسے ہی ۱۹۲۴ء میں گاندھی نے واپس لینے کا اعلان کیا ویسے ہی سارے کانگریسی علما و خلافتی لیڈر ترکِ موالات کا یہ مذہبی فرض بھول گئے۔ ورنہ مولانا ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) نے اپنی ایک تقریر میں اپنی اسلامی بصیرت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا:

"میں بہ حیثیت ایک مسلمان ہونے کے جسے خدا کے فضل سے شریعتِ اسلامی کی کچھ بصیرت دی گئی ہے، کہتا ہوں کہ ایک مسلمان پر حب وطن کے لحاظ سے، مذہب کے اعتبار سے، اخلاق کے لحاظ سے فرض ہے کہ ترک موالات کرے۔" (ص:۳۔ روزنامہ زمین دار لاہور۔ ۲۱/اکتوبر ۱۹۲۰ء)

"مسلمانوں کے لیے یہ قریب قریب کفر ہو گیا ہے کہ وہ برٹش گورنمنٹ سے اپنی استطاعت کے اندر محبت و اعانت اور اطاعت کا کوئی تعلق رکھیں۔ اگر وہ کوئی تعلق اس طرح کا رکھیں گے تو ایک منٹ کے لیے بھی ان کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی صف میں جگہ دیں۔"

(ص:۳۷۔ خطبات آزاد۔ اردو کتاب گھر دہلی۔ ۱۹۵۹ء)

تاج العلما مولانا سید اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی (وصال ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء) امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی عملی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"...... آج (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) سے برسوں پہلے جنگ بلقان (۱۲۔۱۹۱۱ء) کے موقع پر انھوں (مولانا احمد رضا) نے سلطنت اسلامی و مظلومین مسلمین کی اعانت و امداد کی مناسب و صحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں۔ عام طور پر شائع کیں۔ قولاً و عملاً ان کی تائید کی۔ خود چندہ دے کر عوام کو اس طرف رغبت دلائی اور اب بھی لوگوں کو صحیح مفید شرعی طریقے اعانت اسلام و مسلمین کے بتاتے رہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب جو عملی کوششیں کر سکتے تھے انھوں نے کیں۔ خود چندہ دیا اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلوایا۔ مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد و اعانت پر توجہ و رغبت دلائی۔ تحفظ سلطنت اسلامی کی مفید و کارگر تدابیر بتائیں۔ یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے؟" (برکات مارہرہ و مہمانانِ بدایوں (۱۳۴۰ھ) مطبوعہ حسنی پریس بریلی۔ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء)

"اس سے زیادہ اور کون سے پہلے دن سے مولانا احمد رضا خاں صاحب کوشش کرتے کہ خلافت کمیٹی والے تو آج حمایتِ خلافت و حفاظت سلطنتِ اسلامی کا نام لینے بیٹھے ہیں۔ جب کہ سلطنتِ اسلامی کا خاتمہ ہو چکا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اس وقت سے کوشش کی جب اس موجودہ مصیبتِ عظمیٰ کا خیال بھی دلوں سے دور تھا۔ اور جنگ بلقان (جو بہ لحاظ حالاتِ مابعد اس مصیبتِ عظمیٰ کی تمہید و ابتدا ثابت ہوئی) کے ہی زمانہ سے حمایت و اعانت سلطنت اسلامی میں اپنی رائے و مسلک قولاً و عملاً ظاہر کر دیا۔

عوام کو رغبت دلانے کے لیے بریلی میں جلسۂ عام میں خود چندہ دیا۔ حمایتِ سلطنتِ اسلامی و اعانتِ مظلومینِ ٹرک کی نافع و مفید تدابیر آگاہی عام کے لیے شائع کیں۔" (ایضاً۔ ص ۱۲۔۱۳)

۲۲/تا ۲۴/مارچ ۱۹۲۱ء جمعیۃ العلمائے ہند کا ایک اہم اجلاس بریلی میں منعقد ہوا۔ جس میں خلافت و ترکِ موالات سے متعلق گفتگو کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کو ایک خط تحریر کیا۔ چناں چہ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ (وصال ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) نے اس اجلاسِ بریلی میں وفدِ علمائے اہل سنت کی نمائندگی و ترجمانی کی، جن کی شخصیت و خطابت کی تصویر کشی کرتے ہوئے خواجہ حسن نظامی دہلوی نے لکھا ہے:

"گورا رنگ، مضبوط جسم، گنجان داڑھی، تیز و چمک دار آنکھیں، عمر پچاس کے قریب، بہار میں مکان ہے، علی گڑھ کالج میں دینیات کے پروفیسر ہیں، صوفیانہ مشرب رکھتے ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ تقریر ایسی تیز اور مسلسل کرتے ہیں جیسے ای آئی آر کی ڈاک گاڑی۔ دورانِ تقریر صرف درود شریف پڑھنے کے لیے تھوڑی دیر میں وقفہ ہوتا ہے ورنہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمالہ کی چوٹی سے گنگا کی دھارا نکلی ہے جو ہری دُوار تک کہیں رکنے اور ٹھہرنے کا نام نہیں لے گی۔

بیان کی ایسی روانی آج کل ہندستان کے کسی عالم میں نہیں ہے۔ تقریر میں محض الفاظ ہی نہیں ہوتے بلکہ ہر فقرے میں دلیل اور علیت کا انداز ہوتا ہے۔" (درویش جنتری ۱۹۲۳ء از خواجہ حسن نظامی، بہ حوالہ کتابی دنیا، کراچی، شمارہ جنوری، فروری ۱۹۶۷ء)

"آپ ملکی مفاد اور بہبود کے لیے مل کر کوشش کیجیے مگر جہاں سے مذہبی حدود آئیں۔ مسلمان الگ۔ اور ہندو الگ۔ ہم اپنے "مذہب میں" ہندوؤں سے اتحاد نہیں کر سکتے۔

غرض مقاماتِ مقدسہ وخلافت اسلامیہ کے مسائل میں ہمیں اختلاف نہیں۔ ہندستان کے مفاد کی کوشش کیجیے۔ اس سے ہمیں خلاف نہیں۔ خلاف ان حرکات سے ہے جو آپ لوگ منافی ومخالفِ دین کر رہے ہیں۔ ان حرکات کو دور کر دیجیے ان سے باز آ جائیے۔ ان کی روک تھام کیجیے۔ عوام کو ان سے باز رکھیے، تو خلافت اسلامیہ وممالک مقدسہ کی حفاظت، ہندستان کے ملکی مفاد کی کوششیں، ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر کرنے کو تیار ہیں۔" (ص ۷-۸۔ روداد مناظرہ۔ بہادری پریس بریلی)

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی عینی شاہد کے طور پر لکھتے ہیں:

"......خطیب مولانا سلیمان اشرف تھے اور اس میں شک نہیں کہ بڑے فصیح وبلیغ مقرر تھے۔ موصوف کی تقریر نے جو بڑی لمبی تھی۔ کانفرنس کو ہلا ڈالا۔ اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب اور کچھ کہنا ممکن نہیں۔" (ذکر آزاد۔ وہفت روزہ چٹان لاہور۔ ۶ر مارچ ۱۹۶۱ء)

اتنے اہم مسائل پر اتنی برجستہ اور جامع تقریر سن کر ارکان جمعیۃ العلما مبہوت ہو کر رہ گئے اور آزاد صاحب کا یہ حال تھا کہ:

"مولانا سلیمان اشرف کی جادو بیانی مولانا (آزاد) سن رہے تھے اور ان کے کندھے
مولانا سلیمان اشرف مرحوم کی جادو بیانی سن کر نمایاں طور پر پھڑک رہے تھے۔" (ایضاً)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا قادری بریلوی (وصال ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) خلفِ اکبر امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی یہ تقریر بھی تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"حرمین شریفین ومقاماتِ مقدسہ وممالک اسلامیہ کی حفاظت وخدمت ہمارے نزدیک ہر مسلمان پر بقدرِ وسعت وطاقت فرض ہے۔ اس میں ہمیں کچھ کلام نہ ہے نہ تھا۔ تمام کفار ومشرکین ونصاریٰ ویہود ومرتدین وغیرہم سے ترک موالات ہم ہمیشہ کے لیے ضروری وفرض جانتے ہیں۔

ہمیں خلاف آپ کی ان خلافِ شرع وخلاف اسلام حرکات سے ہے۔ جن میں سے کچھ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان کیں اور جن کے متعلق جماعت (رضائے مصطفیٰ بریلی) کے ستر (۷۰) سوالات بنام "اتمام حجت تامہ" آپ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے جواب دیجیے۔ جب تک آپ ان تمام حرکات سے اپنا رجوع نہ شائع کر دیں گے اور ان سے عہدہ برآں نہ ہو لیں گے، ہم آپ سے علاحدہ ہیں۔

اور اس کے بعد خدمت وحفاظت حرمین شریفین ومقاماتِ مقدسہ وممالکِ اسلامیہ میں آپ کے ساتھ مل کر جائز کوشش کرنے کو تیار ہیں۔ الخ" (۱۰-۱۱۔ روداد مناظرہ۔ مطبوعہ بریلی)

تحریک خلافت اور جمعیۃ العلمائے ہند کے اس دورِ افراط وتفریط میں ۲۲/۲۳/۲۴ر شعبان ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء کو اہل سنت وجماعت کی تنظیم "انصار الاسلام" کی طرف سے بریلی میں شان دار اجلاس ہوئے۔ جن میں اماکنِ مقدسہ کی حفاظت اور ترکوں کی مدد کے لیے مسلمانوں کو ترغیب دی گئی۔ مندرجہ ذیل حضرات نے ان جلسوں میں خطاب فرمایا:

(۱) مولانا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی (مارہروی)
(۲) مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری (خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی)
(۳) مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی (خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی)
(۴) پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری (خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی)
(۵) مولانا سید دیدار علی شاہ الوری (خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی)

ان حضرات نے ترکوں کی مدد، اماکن مقدسہ کی حفاظت اور ترک موالات کے موضوع پر مدلل تقریریں فرمائیں۔ لیکن ان کا مطمح نظر سیاسی نہیں بلکہ شرعی تھا اس لیے مخالفین کی طرف سے ان جلسوں کو درہم برہم کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ اس جذباتی دور میں معقولیت اور شریعت کی بات سننے کے لیے بہت کم لوگ تیار تھے۔ کیوں کہ سوءِ اتفاق کہ مخالفین کے رہ بر بھی از قسم علما ہی تھے۔ فرق یہ تھا کہ وہ کفار ومشرکین کے ساتھ تھے اور یہ علاحدہ۔ اور یہی بہت بڑا فرق تھا جو اس وقت محسوس نہیں کیا گیا۔

اجلاس میں جو قراردادیں منظور کی گئیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) علمائے حق اہل سنت اور مسلمانانِ بریلی کا یہ عظیم الشان جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنا اور تمام اتحادیوں کا اثر جزیرۃ العرب سے اٹھا کر مسلمانوں کو مذہبی دست اندازی کی تکلیف سے باز رکھے۔
(۲) یہ جلسہ گورنمنٹ سے زبردست مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مظلومین سمرنا وغیرہ کی مالی اعانت وارسالِ زر کے قابل اطمینان ذرائع ہمارے لیے بہم پہنچائے۔
(۳) یہ جلسہ ترک وعرب میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے ایک وفد بھیجنا تجویز کرتا ہے اور گورنمنٹ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ عرب میں (اہل عرب کی امداد واعانت کرنے کے لیے) ہمارے وفد کی ذمہ داری قبول کرے۔
(۴) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ ان مطالبات کے لیے گورنمنٹ کے پاس وفد بھیجا جائے۔
(۵) یہ جلسہ مسلمانوں کو پورے زور کے ساتھ ترغیب دیتا ہے کہ اپنے تمام مقدمات جن کو وہ

آپس میں طے کرنے کے مجاز ہیں مطابق شرع شریف فیصل کرلیں اور کچہریوں کی مقدمہ بازی سے کہ فریقین کے لیے تباہ کن ہوتی ہیں، بچیں۔

(۶) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ گورنمنٹ جو قانون ایسا بنائے جس سے کسی اسلامی مسئلے کو مضرت پہنچے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو، اس کی ضرور ترمیم چاہی جائے اور اس کی جائز کوشش انتہا تک پہنچائی جائے۔

(۷) یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو خاص اپنی تجارت بڑھانے کی ترغیب دیتا ہے اور اس کے ذرائع کی توسیع اور حتی الامکان ان صورتوں کے بہم پہنچانے پر توجہ دلاتا ہے جن سے مسلمان کبھی کسی غیر مسلم تجارت کے محتاج نہ رہیں۔

(۸) یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اسلامی بینک کھولنے پر توجہ دلاتا ہے تاکہ مسلمان غیر مسلموں کے دست برد سے بچیں۔

(۹) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ تُجّار اور رؤسا سے ایک اسلامی خزانہ قائم کرنے کی تحریک کی جائے جس میں ماہ بہ ماہ سال بہ سال کچھ رقم جمع ہوتی رہے کہ وقتاً فوقتاً مسلمانوں کی تجارت کی توسیع کی ضرورتوں اور نیز اعانتِ سلطنت اسلام وضروریاتِ اسلام میں کام آئے۔

(۱۰) یہ جلسہ مسلمانوں کو علم دین و مذہب اہل سنت و جماعت کے مطابق عقائد علمائے حرمین شریفین کی اشاعت پر نہایت تاکید سے توجہ دلاتا ہے۔

(۱۱) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ جو غلط طریقے، ناجائز راستے، مضر وطیرے، بہ غلط لباس شرعی پہنائے گئے ہیں، ان کی شناخت پر مسلمانوں کو تحریراً تقریراً مطلع کرے۔

(ماہ نامہ السواد الاعظم مراد آباد۔ شعبان ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء)

اکثر علمائے اہل سنت بھی اسی نظریہ کی تائید میں تھے جس کی ترجمانی حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے فرمائی۔ چناں چہ پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی (کراچی) فرزندِ حضرت مفتی شاہ مظہر اللہ خطیب وامام شاہی مسجد فتح پوری (متوفی ۱۹۶۶ء) رقم طراز ہیں:

''حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ مجددی دہلوی قدس سرہ بھی تحریک آزادیِ ہند سے الگ تھلگ نہیں رہے۔ البتہ سیاسی معاملات میں ہمیشہ شریعت کو پیش نظر رکھا۔ تحریک خلافت کے آغاز (۱۹۱۹ء) میں کچھ عرصہ شریک رہے لیکن جب تحریک ترکِ موالات (۱۹۲۰ء) کا آغاز ہوا تو اس سے علاحدہ ہو گئے اور ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فتویٰ دیا۔ اس فتویٰ کی بنیاد سیاسی نہ تھی بلکہ خالصۃً شرعی تھی۔''

مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی سے حضرت (مفتی مظہر اللہ دہلوی) کے مخلصانہ تعلقات تھے۔ یہ حضرات حضرت کے پاس آتے جاتے تھے۔ چناں چہ مولانا منور حسین سیف الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی صاحبان بھی حضرت مفتی اعظم (دہلی) سے ملتے تھے مگر حضوری کے بعد یہی کہتے تھے کہ:

''مفتی صاحب اٹل ہیں۔ وہ مشرکوں کے ساتھ کسی صورت میں اشتراک کو جائز نہیں سمجھتے۔''

حضرت (مفتی مظہر اللہ دہلوی) نے ہمیشہ سیاسی معاملات کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھا۔ اور اس دینی اور سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا جو ان کے معاصر علما میں ماسوا چند ایک کے کسی کو حاصل نہ تھی۔ ترک موالات کے علاوہ جب مشرکین ہند کی تالیفِ قلوب کے لیے گائے کی قربانی ترک کرنے کی تحریک خود مسلمانوں کی طرف سے شروع ہوئی تو حضرت نے سخت مزاحمت فرمائی اور اس کے خلاف فتویٰ دیا۔''

(ص ۲۹ و ۳۰۔ حیات مظہری۔ مطبوعہ کراچی)

نواب مشتاق احمد خاں حیدر آبادی فرزندِ نواب فخر یار جنگ وزیر مالیات حیدر آباد دکن، حضرت مولانا سید سلیمان اشرف سابق صدر شعبۂ سنی دینیات مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ (خلیفۂ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی) پر لکھے گئے اپنے ایک مضمون میں بیان کرتے ہیں کہ:

یہ تحریک عدم تعاون کا زمانہ تھا۔ کالج (علی گڑھ) میں علمائے کرام اور سیاست دانوں کی یلغار تھی۔ ذہنی خلجان اور افراتفری کا عالم تھا۔ سب چھوٹے بڑے نتائج سے بے پروا اسی رَو میں بہے جا رہے تھے۔ مولانا (سید سلیمان اشرف) ان معدودے چند بزرگوں میں تھے جنھیں اس تحریک سے اختلاف تھا۔ ان کی نظر میں بعض مضمرات مسلمانوں کے عقائد اور مفاد کے منافی تھے۔ مثلاً شردھانند جیسے کٹر ہندو کو تقریر کے لیے مسجد میں لانا ایک ناقابلِ برداشت جسارت تھی۔

مولانا اپنے خیالات کا اظہار کھلم کھلا اور لگی لپٹی کے بغیر کر دیتے تھے۔ رَو میں بہہ جانے والے لوگوں نے خاص کر بعض علمائے کرام نے انھیں بہت کچھ برا بھلا کہا اور اخباروں اور رسالوں میں لعن طعن ہوتی رہی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

ایک دن جب وہ تفسیر کا درس دے رہے تھے۔ مولانا محمد علی جوہرؔ جنھوں نے اس زمانہ میں اپنا مستقر علی گڑھ بنالیا تھا۔ طلبہ کے ایک گروہ کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے۔ اور قریب آکر مولانا پر ایک طنزیہ فقرہ چست کر دیا.........

اس کے بعد جو کچھ میں نے دیکھا اور سنا۔ مولانا کی اعلیٰ شخصیت اور کردار کی بلندی کا واضح ثبوت مل گیا۔ وہ نہ صرف اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ بلکہ اس گرما گرم بحث میں مولانا محمد علی جوہرؔ جیسے شخص کو نیچا دکھا دیا۔

اس دن میں نے مولانا کو بڑے جلال میں دیکھا۔ ان کی یہ بات میں کبھی نہیں بھول سکتا کہ:

''آپ لوگوں نے مذہبی اصولوں اور فقہی مسائل کو تماشہ بنا دیا ہے۔ میں زندہ رہا تو دیکھوں گا کہ کون حق پر ہے؟'' (ص ۹۲۔ ماہ نامہ ضیائے حرم۔ لاہور۔ شمارہ جون ۱۹۷۷ء)

حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے انتقال کی خبر دیتے ہوئے روز نامہ ''پیسہ'' لاہور نے'' آہ مولانا احمد رضا خاں صاحب'' کے عنوان سے ایک اداریہ لکھا تھا جس کا یہ تاریخی حصہ پڑھنے کے لائق ہے:

''ترک موالات کے متعلق مرحوم کی رائے یہ تھی کہ:

مسلمانوں میں ترک موالات کا حکم صاف اور عام ہے تو اس میں استثنا کی ضرورت نہیں۔ وہ یہ کہ جب اسلام میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ یک ساں ترک موالات کا حکم ہے تو جس طرح انگریزوں اور ان کی حکومت سے ترک موالات کیا جاتا ہے ویسے ہی ہندوؤں سے بھی جو مشرکین میں شمار کیے جاتے ہیں، ترک موالات ہونی چاہیے۔

یہ منطق نہایت کم زور ہے کہ انگریزوں سے تو ترک موالات ہو اور ہندوؤں سے محض سیاسی اتحاد کے لیے موالات روا رکھی جائے۔'' (روز نامہ پیسہ لاہور۔ شمارہ ۳ر نومبر ۱۹۲۱ء)

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبالؔ (متوفی ۱۹۳۸ء) بھی ابتداءً پنجاب خلافت کمیٹی کے سکریٹری تھے۔ مگر کچھ دنوں بعد انھوں نے اس کمیٹی سے استعفا دیتے ہوئے لکھا:

''گرامی صاحب کی خدمت میں السلام علیکم عرض کیجیے۔ سنا ہے وہ مجھ پر ناراض ہیں کہ میں نے خلافت کمیٹی سے کیوں استعفا دے دیا۔ وہ لاہور آئیں تو ان کو حالات سے آگاہ کروں۔ جس طرح یہ کمیٹی قائم کی گئی اور جو کچھ اس کے بعض ممبروں کا مقصد تھا۔ اس کے اعتبار سے تو اس کمیٹی کا وجود میری رائے میں مسلمانوں کے لیے خطرناک تھا۔ (۱۱ر فروری ۱۹۲۰ء)'' (ص ۲۷۔ مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خاں۔ مطبوعہ بزم اقبال لاہور ۱۹۵۴ء)

شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال (متوفی ۱۹۳۸ء) کے صاحب زادے مسٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

''اقبالؔ مسئلۂ خلافت پر مسلمانوں کے ہندوؤں کے ساتھ مل کر عدم تعاون کی تحریک میں شرکت کے خلاف تھے۔ کیوں کہ کسی قابلِ قبول ہندو مسلم معاہدہ کے بغیر محض انگریز دشمنی کی بنا پر قومیتِ متحدہ کی تشکیل ممکن نہ تھی۔ علاوہ اس کے انھیں خدشہ تھا کہ کہیں ایسے اشتراک اور مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر قومیتِ متحدہ کے داعی ان کی علیٰحدہ ملی حیثیت نہ ختم کر دیں۔ جس کے سبب بعد میں انھیں پشیمان ہونا پڑے۔ انھیں اختلاف کی بنا پر اقبالؔ نے صوبائی خلافت کمیٹی سے استعفا دے دیا۔'' (ص: ۲۴۸۔ ج دوم۔ زندہ رود۔ از جاوید اقبال۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

ڈاکٹر اقبالؔ اپنے ایک مکتوب بنام مولانا سید سلیمان ندوی میں لکھتے ہیں:

''اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھوں بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا۔ افسوس اہل خلافت اپنی اصل راہ سے بہت دور جا پڑے۔ وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص ایک منٹ کے لیے

قبول نہیں کر سکتا۔'' (ص: ۲۴۹۔ ج دوم۔ زندہ رود۔ از جاوید اقبال۔ مطبوعہ لاہور)

اس دور کے مذہبی اور سیاسی حالات سے واقفیت کے لیے ڈاکٹر اقبالؔ کے ایک دوست مولانا غلام بھیک نیرنگ (وکیل انبالہ، پنجاب) کے ایک مضمون بعنوان ''اقبالؔ کے بعض حالات'' کا یہ حصہ ملاحظہ فرماتے چلیں:

''۱۹۲۳ء کے آغاز میں اسی سلسلہ کی ایک منظم اور اعلانیہ شدھی تحریک آگرہ، متھرا، بھرت پور، ایٹہ، وغیرہ اضلاع میں جاری ہوئی۔ اور مسلمانوں نے اس حملہ کی مدافعت کے لیے ان شدھی زدہ علاقوں میں اپنے واعظ اور مبلغ بھیجے۔ اس زمانے میں جو تجربات و مشاہدات ہوئے، ان کے پیش نظر راقم نے یکم جولائی ۱۹۲۳ء کو بہ مشورہ و امداد بعض اکابر ملت مثل حاجی مولوی سر رحیم بخش مرحوم، مولانا عبد الماجد بدایونی، نواب عبد الوہاب خاں مرحوم ایک مرکزی ''جمعیت تبلیغ الاسلام'' قائم کی جو بفضلہ تعالیٰ اب تک قائم ہے۔ چوں کہ اقبالؔ کو تبلیغ و اشاعت اسلام کا خاص شوق تھا (اس لیے) وہ ماہ اکتوبر ۱۹۲۳ء میں ہماری اس جمعیت کے ممبر ہو گئے۔'' (ص ۲۲۔ سہ ماہی اقبال۔ لاہور۔ شمارہ اکتوبر ۱۹۵۷ء)

چناں چہ سر اقبالؔ اپنے ایک مکتوب محررہ ۵ر دسمبر ۱۹۲۸ء بنام مولانا غلام بھیک نیرنگ (انبالہ، پنجاب) میں فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام تمام کاموں پر مقدم ہے۔ اگر ہندستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض آزادی اور اقتصادی بہبودی ہے اور حفاظتِ اسلام اس مقصد کا عنصر نہیں ہے جیسا کہ آج کل کے قوم پرستوں کے رویہ سے معلوم ہوتا ہے تو مسلمان اپنے مقاصد میں کبھی کام یاب نہ ہوں گے۔

یہ بات میں علیٰ وجہِ البصیرت کہتا ہوں۔ اور سیاسیاتِ حاضرہ کے تھوڑے سے تجربے کے بعد۔ ہندستان کے سیاسیات کی روش جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے خود مذہب اسلام کے لیے ایک خطرۂ عظیم ہے۔ اور میرے خیال میں شدھی کا خطرہ اس خطرے کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ یا کم از کم یہ بھی شدھی بھی اسی کی ایک غیر محسوس صورت ہے۔

بہر حال! جس جاں فشانی سے آپ نے تبلیغ کا کام کیا ہے اس کا اجر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی دے سکتے ہیں۔ آپ کے ایجنٹ کے طور پر کہنے سننے کو حاضر ہوں۔ مگر آپ اور مولوی عبد الماجد بدایونی جنوبی ہند کے دورہ کے لیے تیار رہیں۔'' (ص: ۲۴، سہ ماہی اقبالؔ، لاہور، ۱۹۵۷)

سوامی شردھانند کی نہایت خطرناک تحریک ''شدھی سنگٹھن'' یعنی تحریک اِرتدادِ مسلمین (در ۱۹۲۳ء) کے سدِ باب کے لیے مسلمانوں کی طرف سے کی جانے والی تدابیر و مساعی کی تاریخ کا ایک حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ تحریکِ خلافت و تحریکِ موالات کے زُعما و قائدین اور جمعیۃ العلما کے علما و مشائخ نیز دیگر

قوم پرست مسلم لیڈروں کا کوئی قابلِ ذکر اور موثر کردار دور دور تک کہیں نظر نہیں آتا اور لاکھوں مسلمانوں کے ارتداد کا طوفان انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں کام یاب نہیں ہوتا۔ کیا اس کے پسِ پشت نظریۂ قوم پرستی ''متحدہ قومیت'' اور ''ہندو مسلم اتحاد'' کے ایمان شکن واسلام دشمن اثرات ونتائج کارفرما نہیں ہیں؟

اربابِ بصیرت اور دیدہ ور مسلم تاریخ نگاروں کو اس پہلو پر غور کرکے اس کا صحیح تجزیہ کرنا چاہیے کہ شدھی تحریک (یعنی تحریکِ ارتداد مسلمین) ۱۹۲۳ء کی طرف سے علما وزُعمائے تحریکِ خلافت وترکِ موالات وجمعیۃ العلما نے کیوں چشم پوشی وغفلت برتی؟ اس اجتماعی بے حسی وبے اعتنائی کے اسباب ومحرکات کیا تھے؟ ارتداد جیسی خطرناک طوفانی مہم بھی ان کی ایمانی غیرت وحمیت کو بیدار کیوں نہ کرسکی؟ جس نے ان کے مومنانہ ضمیر کے وجود پر ایک نمایاں سوالیہ نشان لگادیا؟...... اور اس کا صحیح جواب بھی مسلمانانِ ہند کے سامنے پیش کرکے انہیں مستقبل کی اس طرح کی ممکنہ غلطی سے مکمل اجتناب واحتراز کا پیغام دینا چاہیے۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی قائم کردہ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی شریف (تشکیل در ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء) نے شدھی سنگٹھن تحریک ۱۹۲۳ء کے مقابلے میں علاقہ آگرہ ومیوات وراج پوتانہ میں اپنا وفد بھیج کر اس کا سیلاب روکا اور لاکھوں مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچایا۔ اس موقع پر ممبر وفدِ جماعت رضائے مصطفیٰ حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی (وصال ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء) تحریر فرماتے ہیں:

''جمعیۃ العلما وخلافت کمیٹی کی طرف سے ابھی تک کوئی عملی خدمت شروع نہیں کی گئی، باوجود یہ کہ ان جماعتوں کے پاس کافی روپیہ اور کثیر التعداد ممبر اور مبلغ اور لیکچرار بھی ہیں۔ اگر ان میں سے ایک جزو اس کام پر مامور کردیا جاتا تو ان جماعتوں کی شان سے کچھ بعید نہ ہوتا لیکن نہ معلوم یہ جماعتیں اس کام کو کیوں غیر ضروری سمجھتی ہیں؟ اور پانچ لاکھ مسلمانوں کے ایمان کا خطرہ انہیں بے چین کیوں نہیں کرتا؟ مسلمانوں کی غفلت کب تک رہے گی؟ اور وہ اپنے دین پر ایسے زبردست حملے دیکھ کر بھی ہوش میں نہ آئیں گے؟'' (ص ۴، دبدبہ سکندری، رام پور، مورخہ ۱۶ر فروری ۱۹۲۳ء۔ ص ۹۵۔ تحریک شدھی اور علمائے اہل سنت، مؤلفہ محمد شہاب الدین رضوی، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

تحریک خلافت وترک موالات کے علما وقائدین کی حرکات کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۹۴۳ء) کہتے ہیں:

''اور ان لیڈروں کی کیا شکایت کی جاوے؟ بعض مولوی ایسے بدحواس ہوئے کہ نہ ان کو دنیا کی خبر رہی اور نہ ہی دین کی۔ ایمان تک قربان اور نثار کرنے کو تیار ہوگئے۔ اور ایک مولوی صاحب نے

گاندھی کے عشق میں اپنے ایمان اور دین اور اس میں گزری ہوئی عمر کو اس پر نثار کرنے کا اس شعر میں اقرار کرلیا ہے:

عمرے کہ بآیات واحادیث گذشت رفتی و نثارِ بت پرستی کردی

ایک لیڈر صاحب نے یہ کہا کہ ''اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی مستحق نبوت تھا۔''

حیرت ہے کہ ایسا کم فہم نبی ہوتا؟ اگر فہیم ہوتا تو پہلے آخرت پر ایمان لاتا۔'' (ص: ۱۲۵۔ حصہ پنجم۔ الافاضات الیومیہ۔ مولانا اشرف علی تھانوی۔ مطبوعہ کراچی)

''یہ پہلے ہی سے اسلام اور ایمان کو ہتھیلی پر لیے پھرتے تھے۔ اوپر سے طاغوت کا سہارا مل گیا۔ سب کچھ اس کی نذر کردیا۔ ماتھے پر قشقے لگوائے۔ جے کے نعرے بلند کیے۔ ہندوؤں کی ارتھیوں کو کاندھا دیا۔ مساجد میں منبروں پر کافروں کو بٹھا کر مسلمانوں نے نذرکر بنادیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی کی بے حرمتی کی۔ آیات واحادیث میں گزری ہوئی عمر کو ایک کافر بت پرست پر نثار کردیا۔ لیڈروں کی اجازت سے مسلمان والنٹیروں نے رام لیلا کا انتظام کیا۔ یہ علی الاعلان شائع کیا گیا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو فلاں طاغوت نبی ہوتا۔'' (ص: ۸۰۔ الافاضات الیومیہ، مولانا اشرف علی تھانوی۔ جلد ہشتم، مطبوعہ تھانہ بھون)

مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری (متوفی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء) کے احوال وافکار کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں:

''اسی طرح جس وقت گائے کے ذبیحہ کا ترک شروع ہوا اور بہتیرے مولویوں نے بھی اس کو مباح قرار دے کر بہ مصالحِ دینیہ ترجیحِ ترک پر فتویٰ دیے تو آپ نے سکوت پسند نہیں کیا۔ اور شعارِ اسلام ہونے کے لحاظ سے اس کی ضرورت علماً وعملاً محقق فرمائی۔ اس وقت آپ پر سب وشتم ضرور ہوا مگر چند ہی روز بعد اس کا نتیجہ دیکھ کر ممانعت کا فتویٰ دینے والے خود فرضیت کا فتویٰ دینے لگے۔

غرض اس اصول کے آپ ہمیشہ پابند رہے کہ ہر کارے و ہر مردے۔ دنیوی ضروریات پر جس طرح نظر لیڈرانِ قوم کی جائے گی اسی طرح دینی ضروریات پر اول نگاہ پڑنا علما ومشائخ کا منصب ہے نہ کہ لیڈرانِ قوم کا فتویٰ جس میں وہ علما کو متفق کرنے کی کوشش کریں کسی طرح دین نہیں ہوسکتا۔ ایک بار آپ نے افسوس کے ساتھ فرمایا۔

مسلمان اس شورش میں ہلاک ہوجائیں گے کہ لیڈران کو کرلیا آگے اور مولوی ہولیے ان کے پیچھے۔'' (ص ۲۱۸۔ تذکرۃ الخلیل از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔ مطبوعہ الخلیل مشین پریس میرٹھ)

مولانا شبیر احمد عثمانی سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات وصدر مہتمم دار العلوم دیوبند (متوفی ۱۳۶۹ھ/ دسمبر ۱۹۴۹ء) تحریکِ خلافت وترکِ موالات کے حامی ہونے کے باوجود

لکھتے ہیں کہ:

''بہت سے خیر خواہ ''ہندو مسلم اتفاق'' کے عواقب کے بعد عوام الناس اور بعض لیڈروں کی ان غلط کاریوں پر متنبہ فرمارہے ہیں جو اس اتفاق کے جوش سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً قربانی گاؤ میں بعض جگہ تشدد و مزاحمت کیا جانا، یا قربانی کے جانور کو سجا کر رضا کارانِ خلافت کا گؤشالہ پہنچانا، یا قشقہ لگانا، یا ہندوؤں کی ارتھیوں کے ساتھ خصوصاً ''رام رام ستیہ ہے'' کہتے ہوئے جانا، یا یہ کہنا کہ امام مہدی کی جگہ امام گاندھی تشریف لائے ہیں۔ یا یہ کہ اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔ یا قرآن و حدیث میں بسر کی ہوئی عمر کو نثار بت پرستی کرنا......

بلاشبہہ میں بھی جب اپنی قوم کے بڑے سربر آوردہ لوگوں کو سنتا ہوں کہ وہ اس قسم کے محرمات یا کفریات کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ باتیں زبان سے بے دھڑک نکال دیتے ہیں جن کو سن کر ایک مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو میرا دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ الخ'' (ص: ۴۷۔ علامہ شبیر احمد عثمانی۔ از ڈاکٹر علی ارشد۔ مطبوعہ پنجاب یونی ورسٹی لاہور۔ ۲۰۰۵ء)

حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی قائم کردہ تحریک ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' (تشکیل ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء) نے شدھی تحریک کے مقابلے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا قادری بریلوی، شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی لکھنوی وغیرہم کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ تحریک شدھی سنگھٹن کے زہریلے جراثیم اور خطرناک مفاسد کے ازالہ کے سلسلے میں ملکانہ یعنی آگرہ و متھرا و بھرت پور و انو روغیرہ میں جماعتِ رضائے مصطفیٰ بریلی شریف کی مساعیِ جمیلہ کو اس وقت (۱۹۲۳ء) کی دو عظیم المرتبت شخصیتوں اور مقبولِ عوام و خواص بزرگوں (۱) امیر ملت سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (وصال ۱۳۷۰ھ) اور شیخ المشائخ سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی (وصال ۱۳۵۵ھ) کی مکمل تائید و حمایت اور سرپرستی حاصل تھی۔ جن کے وفود اور مبلغین نے جماعت رضائے مصطفیٰ کے ساتھ تعاون کر کے ملکانہ راج پوتوں کے علاقوں میں قریہ قریہ گھوم کر اور اپنی جان جوکھم میں ڈال کر ہزاروں مسلمانوں کو ارتداد سے محفوظ رکھا اور ہزاروں وہ مسلمان جو ارتداد کا شکار ہو چکے تھے انہیں دوبارہ کلمہ پڑھا کر مشرف بہ اسلام کیا۔ یہ تفصیلات ۱۹۲۳ء و ۱۹۲۴ء کے رسائل و مجلات میں تاریخی ریکارڈ کے طور پر درج ہو چکی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک مستقل کتاب ''تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ'' مؤلفہ مولانا شہاب الدین رضوی مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی جو کئی سو صفحات پر مشتمل ہے اس کا مطالعہ کر کے اس وقت کے حالات و کیفیات اور جماعت کی خدمات وغیرہ ہر طرح کی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔

ماہ نامہ اشرفی کچھوچھہ شریف (ضلع فیض آباد) کی ایک تجزیاتی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

''مشرکینِ ہند کی یہ نگاہ سرسری طور پر نہ تھی بلکہ گہری تھی مگر وہ قدرت کے فیصلے اور آنے والے واقعات سے بے خبر تھے۔ چناں چہ اب وہ دیکھ رہے ہیں کہ خلافت کے حقیقی غم خوار اور اسلامی دفاعی قوت کی سچی جاں نثار فوج اور نوجوان مسلمان کا واقعی لشکر جس کا دوسرا نام ''جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی'' ہے اور جس کو عرصہ سے دنیا ضلالت شکن اور ارتداد فگن کا خطاب دے چکی ہے، وہ لشکرِ ظفر پیکر غازیِ اعظم کی فاتحانہ شوکت دیکھ کر ادھر سے مطمئن ہو کر ملکانہ کے میدانِ جہاد پر ٹوٹ پڑا ہے اور پنجاب و ممالک متحدہ سے اس وقت تک بارہ کمک اس کے لیے پہنچ چکی ہے۔ جن کے مقابل قدیم ارتداد پسندوں سے بھی ''مشرکین ہند'' کو کوئی معتد بہ نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔

رؤسا بھی اب غافل نہیں جیسا کہ جماعت مبارکہ (رضائے مصطفیٰ بریلی) کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی گڑھ کے شیروانی رؤسا نے جن میں ''اشرفی'' کے سرپرست عالی جناب خان بہادر نواب محمد ابوبکر خاں صاحب رئیس دادوں (علی گڑھ) بھی شامل ہیں، اسلام کے لیے کمر بستہ اور تیار ہو چکے ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے حقیقی سردار مشائخ کرام اپنی اپنی خانقاہوں سے نکل پڑے اور ان کی کبر سنی اور ضعیف العمری نے ان کو خدمتِ اسلام سے باز نہیں رکھا۔'' (ماہ نامہ اشرفی، کچھوچھہ مقدسہ، شمارہ ذوالحجہ ۱۳۴۱ھ/اگست ۱۹۲۳ء)

محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی کچھوچھوی (وصال رجب ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) جنہوں نے تحریکِ ارتداد کے خلاف عملی طور پر حصہ لیا تھا، اس سلسلے میں آپ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''مورخہ ۲۳/ذوالحجہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۷/اگست ۱۹۲۳ء کو میں طلبیدہ فرنگی محل لکھنؤ گیا اور وہاں سے آگرہ روانہ ہوا تاکہ مبلغینِ اسلام کی مساعیِ جمیلہ کو مشاہدہ کروں۔ (ماہ نامہ اشرفی، کچھوچھہ مقدسہ، ذوالحجہ ۱۳۴۱ھ/اگست ۱۹۲۳ء)

اپنے ایک خطبۂ صدارت در کانفرنس عیدگاہ بھڑوچ گجرات منعقدہ ۱۸/۱۹/۲۰/نومبر ۱۹۵۷ء میں فرماتے ہیں:

''اس ادارہ کو سب سے پہلے ملکانہ کی اس تحریک شدھی سے مقابلہ پڑا جو تحریک ننگی تلوار کے سایہ اور سرمایہ سے شروع ہوئی تھی اور جس کے دفاع کے لیے کسی اقدام میں جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ بدیسی حکومت کی پالیسی افتراق پیدا کرنے کی ہوا دے رہی تھی۔ اور ملک کے تمام ادارے خوف زدہ ہو کر خاموش ہو گئے تھے۔

اس وقت ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' رضائے مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حاصل کرنے کے لیے خطرات سے بے پروا ہو کر جان کی بازی لگا کر سر بہ کف میدان میں کود پڑی۔ اور جماعت کی شان دار کام یابیوں کو دیکھ کر اوروں میں بھی جرأت ہوئی۔ اور چندہ خوروں نے بھی خون لگا کر شہیدوں میں داخل

ہونے کی کوشش کی۔

مگر ملکانہ کا ذرہ ذرہ گواہ ہے۔ اور اس وقت کے حکومتی دفاتر گواہ ہیں کہ "جماعت رضائے مصطفیٰ" نے تحریک (شدھی) کو ایسی فاش شکست دی کہ جو بچھڑ چکے تھے آ کے گلے ملے۔ اور جو بچھڑنے کے قریب تھے وہ باز رہے۔ اور اس سعی کے کے نتیجے میں جو قطعی بیگانے تھے ان کی بڑی تعداد کے افراد اپنے یگانے ہوگئے اور میدان میں صرف "جماعت رضائے مصطفیٰ" کا جھنڈا لہراتا رہا۔ مدارس قائم کیے گئے اور ملکانہ کا ذرہ ذرہ حلاوتِ ایمان حاصل کرنے لگا۔" (ماہ نامہ سنی لکھنؤ۔ بابت جمادی الآخرہ ۱۳۷۷ھ)

بہت سے وطنیت پرست زُعما و قائدین جمعیۃ العلما نے اپنی عاقبت نااندیشی سے حد سے متجاوز ہوکر "ہندو مسلم اتحاد" جسے مشرک نوازی سے تعبیر کیا جانا چاہیے اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو زبردست نقصان پہنچایا اور اس نعرہ کے سہارے "اِدغام و اِنضمام" کی ایسی لہر چل پڑی جس پر بڑی مشکل سے قابو پایا جاسکا۔

مولانا حسین احمد مدنی اور ان کے ہم نوا علما ے دیوبند کھلے بندوں یہ اعلان کرتے تھے کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔"

مولانا حسین احمد مدنی (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) کے ہاتھوں میں اس نظریہ قومیت کا پرچم تھا۔ اور ان کے پیچھے جمعیۃ علماے ہند کا قافلہ رواں دواں تھا۔ اور آج بھی ان کے وارث علما سیاسی حلقوں میں "نیشنلسٹ علما" ہی کہے اور سمجھے جاتے ہیں۔

یہاں یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ امتِ اجابت اور ملتِ اسلامیہ کا خمیر دین اسلام ہے اور قومیت جغرافیائی وحدت یا نسبی و نسلی یگانگت سے عبارت ہے۔ دین کے تشخص اور امت و ملت کے تحفظ کو اسلام ہر حال میں فوقیت اور ترجیح دیتا ہے۔ دیگر امور و معاملات کی حیثیت محض ثانوی ہے۔ قومیتِ متحدہ کے نام پر مسلم تشخص کا جذبہ سرد کرکے ہندو مسلم اِدغام و اِنضمام کی راہ ہموار کرنا مسلمانانِ ہند کے لیے نہ پہلے قابل قبول تھا نہ اس وقت ہے اور نہ آئندہ ایسا کبھی ہوسکتا ہے۔

مسلم مخالف قومی و فکری رجحان کی تردید کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے اسی وقت کہا تھا:

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود برسرِ منبر کہ "ملت از وطن ست"
چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

☆☆☆

ندائی نکتۂ دینِ عرب را
کہ گوئی صبحِ روشن تیرہ شب را
اگر قوم از وطن بودے محمد
ندا دے دعوتِ دیں بولہب را

☆☆☆

حق را بفریبد کہ نبی را بفریبد
آں شیخ کہ خود را مدنی می خواند

☆☆☆

اپنی ملت کو قیاس اقوامِ مغرب پہ نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پہ انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں؟
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

مولانا شبیر احمد عثمانی سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، گجرات و صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند (متوفی ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) اس نظریۂ وطنیت جس سے اسلام و ایمان پہ حرف آئے اس کے خلاف اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے لیے سب پہلے ایک اسلامی وحدت و مرکزیت پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے بدوں کسی نام نہاد قومیتِ متحدہ کے تیز دھارے میں گھاس کے تنکوں کی طرح اپنے آپ کو ڈال دینا خود کشی کے مترادف ہے۔

مسلمان دوسری قوموں سے صلح کرسکتے ہیں۔ عہد و پیمان کرسکتے ہیں۔ بہت سے امور میں تعاون اور اشتراکِ عمل کرسکتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی مستقل ہستی کو دوسروں میں مدغم نہیں کرسکتے۔"

(ص ۲۳۔ ماہ نامہ طلوعِ اسلام دہلی۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری (وصال ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء) سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ تحریکِ خلافت اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والی تحریکِ ترکِ موالات اور وطن پرستی کے انجام کا فیصلہ فرماتے ہوئے اپنی وقیع کتاب "النور" مطبع مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں تحریر فرماتے ہیں:

''مسٹر گاندھی کی دور بیں نگاہوں نے جب یہ دیکھا کہ مادرِ وطن کا نام لے کر مسلمانوں کو من حیث القوم حرکت میں نہیں لایا جاسکتا۔ چاہے چند ذی وجاہت یا شہرت پسند شریک ہو جائیں لیکن قوم کی شرکت متعذر ہے تو وہ ہندوؤں کے سامنے آزادیِ ہند کو شفیع لائے۔ اور مسلمانوں کے سامنے مسئلۂ خلافت پیش کیا۔ اور اس ایک مرکز پر کہ انگریزوں کا وجود دونوں کی گرفتاری اور پائمالی کا موجب ہے...... ہندو مسلم دونوں متضاد قوموں کا اجتماع کر دیا۔

شاید مسلمانوں کو ہندو لیڈروں کی اس زمانے کی پالیسی ابھی یاد ہوگی جب کہ یورپ کے میدان کارزار میں جنگ کی ایسی آگ بھڑکی جس کے شعلے اور چنگاریوں سے ہندستان کا مصئون و محفوظ رہنا بھی معرضِ خطر میں تھا، اس وقت خصوصیت کے ساتھ مسٹر گاندھی کی پالیسی مسلمانوں کے ساتھ ان کی ''مخلصانہ محبت'' کا اچھا سراغ بتاتی ہے۔

یہ عجیب کشاکش کا وقت ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے لیے تھا۔ ملخصا۔

اس عقدۂ لاینحل کو مسٹر گاندھی نے اپنے ناخن تدبیر سے ایسا سلجھایا کہ مسلمانوں کی عقلیں الجھ گئیں۔ اسی الجھن میں مسلمانوں نے اتحاد کا ہاتھ بڑھانے سے پیش تر مدغم ہو جانے کی کوشش کی۔ قشقہ کھینچا، مندروں میں گئے، چڑھاوے چڑھائے، بتوں پر پھولوں کا تاج رکھا، گئوماتا کی جے پکاری، قربانیِ گاؤ سے توبہ کی، منبر و مکبرہ پر ہنود کو تبلیغ و ہدایت کے لیے جگہ دی۔

اب مضامین لکھے جاتے ہیں۔ کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ وعظ کہے جاتے ہیں۔ جن کا موضوع یہ ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین میں جذب ہو جانا عین اسلام ہے۔

غالباً خلافت کے متعلق تم یہ جواب دو گے کہ اب یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ جب تک ہندستان آزاد نہ ہو اور انگریزوں کا قدم یہاں سے نہ ہٹے، مسلمان کچھ بھی خلافت کی مدد نہیں کر سکتے ہیں۔

ہاں! میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ پہلے خلافت کے لیے ہندو تک سرگرم کار تھے۔ لیکن اسی قلیل مدت میں یہ تبدیلی واقع ہوئی کہ خود مسلمان بجائے خلافت ''سوراج'' پکارنے لگے۔

شاید گاندھی کے باب میں تم یہ جواب دو کہ جب تک مسلمانوں میں کوئی صاحب سجادہ کوئی خانقاہ نشیں کوئی واعظ و فقیہ کوئی محدث و مفسر، حد یہ کہ کوئی جنٹل مین لیڈر مثل گاندھی کے نہ ہو تو ہمیں اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ ہم اسی کی تقلید کریں؟

ہاں! میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ گاندھی تمہارا پیشوا ہے اور تم اس کے پیرو...... ہاں! میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ تم اس میں جذب ہو گئے تھے۔'' ملخصا (النور۔ ص ۴۹، مطبوعہ علی گڑھ و لاہور و ممبئی۔ النور کی اشاعتِ جدید بنام ''موالات و معاملات کا شرعی حکم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء)

''جذب'' کے اسی عالمِ رستاخیز میں علی برادران (مولانا محمد علی جوہرؔ و مولانا شوکت علی) حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چوں کہ آپ اہل سنت و جماعت کے پیشوا و مقتدیٰ تھے اس لیے کسی نہ کسی حیلے بہانے سے آپ کی حمایت اور تائید ضروری سمجھی جاتی تھی۔

علی برادران نے چاہا کہ آپ کی حمایت حاصل کر لیں۔ اس طرح ہماری آواز کا وزن کچھ اور بڑھ جائے گا۔ بلکہ ہم پوری قوت کے ساتھ اپنے مطالبات منوا سکیں گے۔ چناں چہ انھوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ ہماری تحریک خلافت وغیرہ کا ساتھ دیں۔ جس کا جواب آپ نے اس طرح عنایت فرمایا۔

''مولانا! میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ''ہندو مسلم اتحاد'' کے حامی ہیں۔ میں مخالف ہوں۔

اس جواب سے علی برادران کچھ کبیدہ خاطر ہوئے تو آپ نے تالیفِ قلب کے لیے مکرر ارشاد فرمایا:

''مولانا! میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں۔ ''ہندو مسلم اتحاد'' کا مخالف ہوں۔

علی برادران کی یہ ملاقات اپنے مقصد میں ناکام رہی۔ کیوں کہ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی جوش سے زیادہ ہوش کے قائل تھے اور انھیں کسی طرح یہ گوارہ نہ تھا کہ مسلمان جذبات کی رو میں آکر اپنے ملی تشخص سے دست بردار ہو کر غیروں کی گود میں چلے جائیں اور ایک دشمن کے زیر کرنے کی فکر میں دوسرے دشمن کے شکار ہو جائیں۔ جیسا کہ ان کی دور بیں نگاہیں دیکھ رہی تھیں اور زمانہ مابعد نے ان کا موقف سچ کر دکھایا کہ مسلمانوں نے اپنے شعائر کی توہین کی۔ قشقے کھنچوائے۔ جے جے کار کی اور غیر مسلموں کو مسجدوں میں لا کر انھوں نے خود دعوتِ تقریر دی۔ العیاذ باللّٰہ۔

اس بحث کے آخر میں یہ حقیقت افروز اور چشم کشا تأثر و تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

مولانا سید سلیمان اشرف سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ یونی ورسٹی علی گڑھ کے ایک حاضر باش فیض یافتہ اور اردو کے مشہور ادیب پروفیسر رشید احمد صدیقی اس دور کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ (یہاں یہ بات واضح رہے کہ سید سلیمان اشرف نے ''النور'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جو ۱۹۲۱ء ہی میں انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ سے شائع ہوئی تھی اور تحریکِ خلافت و تحریکِ ترکِ موالات کے سلسلے میں سید سلیمان اشرف کا وہی موقف تھا جو امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کا تھا۔)

''۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے۔ نان کوآپریشن کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے۔ ''گائے کی قربانی'' اور ''موالات'' پر بڑے بڑے جید اور مستند لوگوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ اس زمانہ کے اخبارات، تقاریر، تصانیف اور رجحانات کا اب اندازہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیا سے کیا ہو گیا؟

اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ کہا جا رہا ہے وہی سب کچھ ہے۔ یہی باتیں ٹھیک ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور بات ٹھیک ہو ہی نہیں سکتی۔ کالج (علی گڑھ) میں عجیب افراتفری

پھیلی ہوئی تھی۔ مرحوم (سید سلیمان اشرف) مطعون ہو رہے تھے لیکن چہرہ پر کوئی اثر نہ تھا اور نہ معمولات میں کوئی فرق۔

سیلاب گزر گیا۔ جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا۔ لیکن مرحوم (سید سلیمان اشرف) نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ قائم ہے۔ سارے علما سیلاب کی زد میں آچکے تھے۔ صرف مرحوم اپنی جگہ قائم تھے۔" (گنج ہائے گراں مایہ۔ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ نئی دہلی۔ از پروفیسر رشید احمد صدیقی)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے مواقع پر خود امام احمد رضا بریلوی نے کیا عملی اقدامات کیے؟ اس کے جواب میں حضرت مولانا سید اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی (وصال ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء) کی یہ تحریر دوبارہ ملاحظہ فرمائیں:

"آج (۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) سے برسوں پہلے جنگ بلقان (۱۲-۱۹۱۱ء) کے موقع پر انھوں (مولانا احمد رضا بریلوی) نے سلطنتِ اسلامی و مظلومین مسلمین کی اعانت و امداد کی مناسب و صحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں۔ عام طور پر شائع کیں۔ قولاً و عملاً ان کی تائید کی۔ خود چندہ دے کر عوام کو اس کی طرف رغبت دلائی۔ اور اب بھی لوگوں کو صحیح مفید شرعی طریقے اعانتِ اسلام و مسلمین کے بتاتے رہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب جو عملی کوشش کر سکتے تھے انھوں نے کیں۔ خود چندہ دیا اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلایا۔ مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد و اعانت پر توجہ و رغبت دلائی۔ تحفظِ سلطنتِ اسلامی کی مفید و کارگر تدابیر بتائیں۔ یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے؟" (ص:۱۲۔ برکاتِ مارہرہ و مہمانانِ بدایوں۔ مطبوعہ حسنی پریس بریلی از اولادِ رسول سید محمد میاں قادری برکاتی مارہروی)

اس بحث کے آخر میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کا یہ بیانِ ہدایت نشان بھی دوبارہ ملاحظہ فرمائیں:

"آؤ! اب تمھیں قرآن عظیم کی تصدیق دکھائیں اور ان کی طرف سے اس میل اور میل کا راز بتائیں۔ دشمن اپنے دشمن سے تین باتیں چاہتا ہے۔ (۱) اول: اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔ (۲) دوم: یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔ (۳) سوم: یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالف نے یہ درجے ان پر طے کر دیے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔

(۱) اولاً: جہاد کے اشارے ہوئے، اس کا کھلا نتیجہ ہندستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔

(۲) ثانیاً: جب یہ نہ بنی تو ہجرت کا بھرّا دیا کہ کسی طرح دفع ہوں۔ ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائیں۔ یہ اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ کر جائیں۔ بہر حال ہمارے ہاتھ آئیں۔ ان کی مساجد، مزاراتِ اولیا ہماری پامالی کو رہ جائیں۔

(۳) ثالثاً: جب یہ بھی نہ نبھی تو ترکِ موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترکِ معاملت پر ابھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو، کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، مال گزاری ٹیکس کچھ نہ دو، خطابات واپس کر دو، امر اخیر تو صرف اس لیے کہ ظاہر نام کا دنیاوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہ جائے، اور پہلے تین اس لیے کہ ہر شعبہ اور محکمے میں صرف ہنود رہ جائیں۔" (المحجة المؤتمنة، مطبوعہ بریلی)

یہاں میں تاریخِ ماضی کا ایک ورق الٹنا اور تاریخی اعتبار سے بھی قارئین کو یقین دلانا چاہوں گا کہ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے جو کچھ لکھا اس کی شہادت مذہب کے ساتھ تاریخ بھی دے رہی ہے کہ امام احمد رضا کا موقف مبنی بر حقیقت تھا۔

خواجہ الطاف حسین حالی (متوفی ۱۹۱۴ء) لکھتے ہیں:

"۱۸۳۵ء میں سرکاری دفتروں اور عدالتوں کی زبان اردو قرار دی گئی تھی۔ اگر اور صوبوں کی نسبت کسی کو کچھ تامل ہو تو شمال مغربی اضلاع کی نسبت کسی کو بھی تامل نہیں ہو سکتا کہ یہاں کی قومی زبان اردو ہے۔ یہ صوبہ ان دو شہروں سے گھرا ہوا ہے جو اردو زبان کے سرچشمے سمجھے جاتے ہیں۔ یعنی دہلی اور لکھنؤ۔

اس صوبہ کے ہندو عموماً اردو سے ایسے مانوس ہیں جیسے مسلمان۔ مگر حضرت تعصب وہ ذات شریف ہیں جن کا مقولہ ہے کہ "من بجہنم لیکن تختۂ یاراں تباہ گردد"۔

فرانس کے مشہور اورینٹلسٹ گارساں دتاسی جنھوں نے اردو زبان کی تحقیقات میں اپنی عمر صرف کی وہ اس متنازعہ مسئلہ کی نسبت ایک لیکچر میں لکھتے ہیں "ہندو اپنے تعصب کی وجہ سے ہر ایک ایسے امر کے مزاحم ہوتے ہیں جو ان کو مسلمانوں کی حکومت کا زمانہ یاد دلائے۔"

اسپین والوں نے بھی مسلمانوں کے زوالِ سلطنت کے بطور اسی طرح مسلمانوں کی نشانیاں مٹائی تھیں مگر انھوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں ایسا کیا تھا اور ہمارے ہم وطن بھائی محکوم ہونے کی حالت میں ایسے ارادے رکھتے ہیں۔" (ص ۱۴۴۔ حیات جاوید از خواجہ الطاف حسین حالی۔ مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو نئی دہلی۔ طبع پنجم ۲۰۰۴ء)

"اردو زبان جو در حقیقت ہندی بھاشا کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے اور جس میں عربی و فارسی سے صرف کسی قدر اسما اس سے زیادہ شامل نہیں ہیں جتنا کہ آٹے میں نمک ہوتا ہے۔ اس کو ہمارے ہم وطن بھائیوں نے صرف اس بنا پر مٹانا چاہا کہ اس کی ترقی کی بنیاد مسلمانوں کے عہد میں پڑی تھی۔

چناں چہ ۱۸۶۷ء میں بنارس کے بعض سر برآوردہ ہندوؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو تمام سرکاری عدالتوں میں سے اردو زبان اور فارسی خط کو موقوف کرانے میں کوشش کی جائے۔ اور بجائے اس کے بھاشا زبان جاری ہو جو دیوناگری میں لکھی جائے۔

سر سید کہتے تھے کہ یہ پہلا موقع تھا جب کہ مجھے یقین ہو گیا کہ:

''اب ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر سب کے لیے ساتھ ساتھ کوشش کرنا محال ہے''۔

ان کا بیان ہے کہ ''انھیں دنوں میں جب کہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا ایک روز مسٹر شکسپیر سے جو اس وقت بنارس میں کمشنر تھے، میں مسلمانوں کی تعلیم کے باب میں کچھ گفتگو کر رہا تھا اور وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سن رہے تھے۔

آخر انھوں نے کہا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ:

میں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے۔اس سے پہلے تم عام ہندستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کرتے تھے۔

میں نے کہا:

اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہوسکیں گی۔ابھی تو بہت کم ہے آگے اس سے زیادہ مخالفت وعناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے۔جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔

انھوں نے کہا کہ:

اگر آپ کی یہ پیشین گوئی صحیح ہو تو نہایت افسوس ہے۔

میں نے کہا:

مجھے بھی نہایت افسوس ہے مگر اپنی پیشین گوئی پر مجھے پورا یقین ہے۔'' (ص:۱۴۱۔حیات جاوید از خواجہ حالی۔مطبوعہ نئی دہلی)

''مارچ ۱۸۹۸ء میں جس کی ستائیسویں کو سرسید نے دنیا سے رحلت کی، حضور سر مکڈانل لفٹنٹ گورنر اضلاع شمال مغرب واودھ کی خدمت میں دونوں صوبوں کے بڑے بڑے اور معزز سربرآوردہ ہندوؤں نے پھر ایک میموریل اس غرض سے گزارا کہ تمام سرکاری عدالتوں اور کچہریوں میں بجائے اردو زبان اور فارسی خط کے ہندی بھاشا اور ناگری خط جاری کیا جائے۔

اگرچہ اس زمانہ میں سرسید پر ہجومِ رنج والم کے سبب ایسا سکتہ کا سا عالم طاری تھا کہ وہ بالکل نقشِ دیوار بن گئے تھے مگر اسی حالت میں انھوں نے اس مضمون پر ایک آرٹیکل لکھا جو ۱۹؍ مارچ کے انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں سرسید کی وفات سے نو دن پہلے شایع ہوا۔اور جو کمیٹی مسلمانوں نے الہ آباد میں اردو کی حمایت کے لیے قائم کی تھی اس کو اس باب میں بذریعہ تحریر کچھ مشورے دیے۔اور لکھا کہ اگرچہ اب مجھ سے کچھ نہیں ہوسکتا لیکن جہاں تک ممکن ہوگا میں ہر قسم کی مدد دینے کو موجود ہوں۔

ان کو یقین ہوگیا تھا کہ:

ہندوؤں کا یہ کام درحقیقت محض قومی تعصب پر مبنی ہے اس لیے وہ اپنے ہندو دوستوں کی ناراضی کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے۔'' (ص:۱۴۲۔۱۴۳۔حیات جاوید از خواجہ حالی، مطبوعہ نئی دہلی)

''ہندو مسلم اتحاد کے مضر اثرات سے عاجز آکر چند سال بعد ہی مولانا محمد علی جوہر و مولانا حسرت موہانی وغیرہ نے جو موقف اختیار کیا اور مولانا جمال میاں فرنگی محلی (کراچی) فرزندِ مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی نے جو راہ اختیار کی اس سے اہل علم واصحابِ مطالعہ اچھی طرح واقف ہیں۔ گویا عملی طور پر ان حضرات نے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے موقف پر مہرِ تصدیق ثبت کردی کہ ''ہندو مسلم اتحاد'' کا خواب ایک سراب اور فریب کے سوا کچھ نہیں۔اور اس سے اصولِ شریعت وشعائرِ اسلام کی جو پامالی ہوئی ہے وہ اہلِ اسلام کے حق میں نہایت خطرناک اور تباہ کن ہے۔.....رفتہ رفتہ حقائق سے پردے اٹھتے رہے اور دوسرے حلقے بھی آپ کی مومنانہ بصیرت کے قائل ہوتے چلے گئے۔ چناں چہ جماعتِ اسلامی ہند کے افکار ونظریات کا ایک ترجمان ماہ نامہ الحسنات رام پور لکھتا ہے: ''احمد رضا خاں کے آخری دور میں سیاست نے ایک نیا رخ اختیار کرلیا تھا۔۱۳۳۸ھ/ ۱919ء میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔اور دوسرے ہی سال ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات کا آغاز ہوا۔احمد رضا خاں نے اس سے اختلاف کیا۔اور ایک رسالہ المحجة الموتمنة فی آیۃ الممتحنة (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) تحریر کیا۔اس میں انھوں نے کفار ومشرکین سے اختلاط اور ان کے ساتھ سیاسی اتحاد کے خطرناک نتائج کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے معتقدین نے ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔اور اس کے بعد آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے دوسری تنظیم قائم کی گئی جس کا دوسرا نام ''جمہوریت اسلامیہ مرکزیہ'' رکھا گیا۔اس کے ایک اہم رکن اور بانی نعیم الدین مرادآبادی (۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) تھے، جو احمد رضا خاں کے خلیفہ تھے۔سیاست کے اس نازک دور میں وہ جوش وخروش سے زیادہ سلامت روی کو مسلمانوں کے لیے مفید سمجھتے تھے۔'' (شخصیات نمبر، ماہ نامہ الحسنات، رام پور ۱۹۷۹ء)

خلاصۂ کلام:

مذکورہ تمام دینی وفکری مسائل ومباحث اور سیاسی تنظیموں، تحریکوں کے افکار ونظریات اور ان کی سرگرمیوں پر حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے شرعی موقف اور آپ کے شرعی احتساب ومؤاخذہ کا اجمالی جائزہ لینے کے بعد ہر انصاف پسند انسان مندرجہ ذیل نتائج سے مکمل طور پر اتفاق کرے گا کہ مرجع آگاہ فقیہِ اسلام امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ (وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

(۱) ہر اس فتنہ کے زبردست مخالف تھے جس سے اسلام وایمان کو کچھ بھی خطرہ لاحق ہو۔

(۲) متوقع خطرات کو پہلی ہی نظر میں اپنی مومنانہ بصیرت کے ذریعہ بھانپ لیا کرتے تھے۔

(۳) جدید افکار وتحریکات کے سبھی گوشوں کو مدِ نظر رکھ کر ہی کوئی فیصلہ فرماتے اس لیے آپ مدت

العمر اپنے موقف پہ جبلِ مستقیم کی طرح جمے رہے۔ اور کبھی آپ کو بعض دیگر اصحابِ علم اور دانش وران قوم وملت کی طرح تبدیلی رائے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔

(۴) آپ کے فیصلے وقتی جذبات اور عارضی اسباب ومحرکات کی نذر نہیں ہوئے بلکہ آپ کی ہر بات اور ہر قدم سنت کی اقتدا اور شریعت کی اطاعت واتباع کی راہ پر تاحیات گامزن رہا۔ آپ نے دینی ومذہبی فکر ومزاج کے ساتھ استقلال واستقامت کا ہمیشہ ثبوت دیا اور ان سے ایک لمحہ کے لیے بھی انحراف نہیں کیا۔ کیوں کہ تمسک بالدین اور استقامت علی الحق آپ کا جوہر امتیاز تھا۔

(۵) بعض اوقات اپنے جذبۂ دینی کے تحت آپ نے از خود پیش قدمی کر کے گم راہیوں کی نشان دہی فرمائی۔ اور اصلاحی کوششوں کے باوجود جب مخالفین کا اپنے رویّہ پر ضد اور اِصرار بڑھا تب ہی آپ نے ان کے خلاف۔ کوئی شرعی فتویٰ صادر فرمایا۔

(۶) آپ کی زندگی میں جلالِ فاروقی کا جلوہ صاف عیاں ہے۔ کیوں کہ باطل تحریکوں کے مقابلے میں آپ نے ذرا بھی رُورعایت سے کام نہ لیا۔ بلکہ صف شکن مجاہد کی طرح آپ کی شمشیرِ خاراشگاف قہرِ الٰہی بن کر دشمنوں کے سر پہ ہمیشہ لٹکتی رہی۔

(۷) دینی مسائل اور ملکی معاملات پر آپ واضح فکر کے حامل تھے اور مسئلہ کے ہر پہلو پر آپ کی گہری نظر رہا کرتی تھی۔

(۸) تحریکوں، تنظیموں کے نمائندے آپ سے ملاقات کر کے یا کسی طرح آپ سے رابطہ قائم کر کے آپ کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کرتے لیکن آپ نہایت بصیرت واحتیاط سے کام لیتے ہوئے وہی کہتے جس کی شریعتِ مطہرہ اجازت دیتی۔

(۹) اپنے عہد کے مشاہیر علما ومشائخِ کرام سے آپ کے دوستانہ مراسم اور قریبی تعلقات تھے اور وہ لوگ آپ کی رائے کا نہایت احترام کرتے۔

(۱۰) مسلمانانِ اہل سنت اس وقت کے حالات کے پیش نظر مختلف تحریکات کے تعلق سے آپ کی بارگاہ میں ہدایت کے طالب ہوتے اور آپ ان کی صحیح رہ نمائی کرتے ہوئے ہمیشہ حق وصواب کی راہوں سے آشنا کرنے اور سلامت روی اختیار کرنے کی آپ انہیں ہدایت دیتے۔

(۱۱) آپ نے جادۂ حق واعتدال سے منحرف خیالات ونظریات اور باطل تحریکات سے اختلاف پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ عملی طور پر ان کی اصلاح کی مخلصانہ کوشش کی اور نئے ماحول میں کام کرنے کے طریقے بھی بتائے۔

(۱۲) خدمتِ قوم وملت کے لیے عملی طور پر ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' (تشکیل در ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء) قائم فرمائی جس نے متعدد محاذوں پر قابل قدر کارنامے انجام دیے۔

(۱۳) مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشی ہر محاذ پر آپ کی ہدایات سے قوم مستفید ہوئی۔

(۱۴) آپ کی حق گوئی وبے باکی اور تبلیغ وہدایت سے ایک عالم متاثر ہوا۔ نہ جانے کتنے گم گشتگانِ راہ منزلِ مقصود تک پہنچے اور فلاح وسعادت سے ہم کنار ہوئے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے جذباتِ صادقہ وخدماتِ جلیلہ ومساعیِ جمیلہ کے مفید نتائج برآمد ہوئے اور ہنگامی وبحرانی حالات کے تحت جن حضرات کے قدم شریعت کی راہ سے ڈگمگا گئے تھے، ان میں سے باتوفیق لوگوں کو رب تعالیٰ سے اپنے جرم وخطا اور غفلت وتقصیر کی معافی اور اس کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کی سعادت حاصل ہوئی۔ چناں چہ تحریک خلافت کے روحِ رواں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (متوفی رجب ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء) جن سے آپ کی طویل مراسلت ہوئی تھی اور آپ نے حسبِ حکمِ شرع ان سے توبہ ورجوع کا مطالبہ فرمایا تھا جس کے بعد انھوں نے اپنا حسبِ ذیل توبہ نامہ شائع کیا۔

''میں نے بہت گناہ دانستہ کیے اور بہت سے نادانستہ، سب سے توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں نے جو امور قولاً وفعلاً وتحریراً وتقریراً بھی کیے۔ جن کو میں گناہ نہیں سمجھتا تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ان کو کفر یا ضلال یا معصیت ٹھہرایا۔ ان سب اور ان کے مانند امور سے جن میں میرے مشائخ اور مرشدین سے میرے لیے کوئی قاعدہ نہیں ہے، محض مولوی صاحب موصوف پر اعتماد کر کے توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ! میری توبہ قبول کر۔ فقیر عبدالباری عفی عنہ۔'' (ص:۳۔ مطبوعہ ہم دم لکھنو، جمعہ ۱۱؍رمضان ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۰؍مئی ۱۹۲۱ء)

مولانا محمد جلال الدین قادری (تحصیل کھاریاں ضلع گجرات، پنجاب، پاکستان) اپنی کتاب ''محدثِ اعظم پاکستان'' میں (از ص:۱۰۵ تا ۱۰۷۔ جلد اول۔ مکتبہ قادریہ لاہور ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء) لکھتے ہیں:

''اس سلسلے کا ایک واقعہ یوں ہے۔ جب نجدیوں نے مدینہ منورہ پر بم باری کی تھی اور مقابر وماثر کے انہدام کا سلسلہ شروع کیا تھا اس وقت لکھنؤ میں ''خدام الحرمین'' کے نام سے ایک انجمن قائم ہوئی تھی جس کے سربراہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی (م ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) علیہ الرحمہ تھے۔''

اس وقت مسلمانوں میں بہت زیادہ اضطراب وہیجان تھا۔ حرمین شریفین کی حفاظت وصیانت کے لیے ایک بڑا اجتماع لکھنؤ میں بلایا گیا۔ اس میں بریلی سے جماعت رضائے مصطفیٰ کا علما پر مشتمل وفد زیر قیادت حضرت حجۃ الاسلام (مولانا حامد رضا قادری بریلوی) لکھنؤ پہنچا۔ وفد کے حضرات یہ تھے:

حضرت حجۃ الاسلام، حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی، حضرت مولانا سید محمد میاں

مارہروی، حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور حضرت مولانا حشمت علی خاں لکھنوی، ودیگر علما وارا کین جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے اپنے مال دار رؤسا مریدین ومعتقدین کے ہم راہ حضرت حجۃ الاسلام کے شان دار استقبال کا اہتمام کیا۔ جب حجۃ الاسلام ٹرین سے اتر رہے تھے تو مولانا عبدالباری نے مصافحہ کی کوشش کی مگر آپ نے ہاتھ روک لیا اور مصافحہ نہ کیا۔ بلکہ فرمایا:

''مصافحہ ہوگا مگر پہلے وہ مسئلہ شرعی طریقے سے طے ہوجانا چاہیے، جس کی وجہ سے ہماری اور آپ کی علاحدگی ہوئی ہے۔ مسئلہ کے طے ہونے تک آپ کے ہاں قیام نہ کروں گا۔ میرے ایک دوست یہاں پر ہیں، ان کے ہاں میرا قیام ہوگا۔''

یہ واقعہ ایک عظیم استقبال کے موقع پر ہوا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی ناکام واپس آگئے۔ ان کے لیے یہ صورت حال انتہائی ناگوار تھی۔

اس واقعہ کا پس منظر یہ تھا کہ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے دور میں مولانا عبدالباری ہندو لیڈر گاندھی سے بہت متاثر ہوئے۔ اسی دور میں ان سے کچھ ایسے کلمات وحرکات صادر ہوئے جو ایک مسلمان کی شان کے خلاف تھے۔ امام احمد رضا نے انہیں توجہ دلائی کہ آپ ان کلمات سے توبہ کریں۔ دونوں حضرات کے درمیان مراسلت (الطاری الداری لھفوات عبدالباری کے نام سے مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی نے اس مراسلت کو مرتب کردیا تھا جس کی اشاعت ۱۹۲۰ء ہی میں جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی طرف سے ہوگئی تھی) جاری رہی مگر معاملہ (پہلی توبہ کے بعد مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے کچھ ایسے اعمال وافعال سرزد ہوگئے تھے جو قابلِ مواخذہ شرعیہ تھے) طے نہ ہوسکا۔ اس بنا پر علمائے اہل سنت اُن سے خوش نہ تھے۔

مولانا عبدالباری کی ناگواری دیکھ کر حضرت صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور مولانا عبدالقدیر بدایونی ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ:

مولانا! آپ کو ناگوار نہ ہو، اس میں ناراضی کی کوئی بات نہیں۔ چوں کہ امام احمد رضا کا شرعی فتویٰ آپ کے خلاف موجود ہے۔ آپ نے ان کے انتباہ کے باوجود اپنی غیر شرعی حرکات سے (بالکلیہ) رجوع نہیں کیا۔ اس لیے حضرت حجۃ الاسلام نے اس شرعی ذمہ داری کی بنا پر، محض دین کی خاطر ایسا کیا ہے۔ اگر انہیں دنیا رکھنی منظور ہوتی تو لکھنؤ میں آپ کی وجاہت اور آپ کے ساتھیوں کی کثرت دیکھ کر ضرور آپ سے مصافحہ فرمالیتے مگر انھوں نے اس کی قطعاً کوئی پروانہ کی بلکہ شرعی فتویٰ کا احترام کیا اور حکم شرعی پر علانیہ عمل کرکے دکھایا ہے۔

حضرت صدرالافاضل کی اس تقریرِ پُرتاثیر کا مولانا عبدالباری پر گہرا اثر ہوا۔ انھوں نے اس سے

متاثر ہوکر نہایت اخلاص سے توبہ نامہ تحریر فرمادیا۔

جب یہ ''توبہ نامہ'' حضرت حجۃ الاسلام، حضرت مفتی اعظم اور ان کے رفقا کے پاس پہنچا، تو اُن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سب کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو چھلکنے لگے۔ ادھر مولانا عبدالباری نے فوراً کاروں کا اہتمام فرمایا اور حجۃ الاسلام ومفتی اعظم اور ان کے رفقا کو نہایت محبت واحترام کے ساتھ اپنے دارالعلوم میں لائے۔

اس موقع پر جب حضرت حجۃ الاسلام اور مولانا عبدالباری کا آپس میں مصافحہ ومعانقہ ہوا تو وہ منظر نہایت ہی پرکیف، ایمان افروز اور قابلِ دید تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام کی استقامت علی الشریعت، حضرت صدرالافاضل کی پرخلوص مساعی اور مولانا عبدالباری کی للّٰہیت نے مل کر ایک عجیب نورانی سماں باندھ دیا۔

بعد ازاں مولانا عبدالباری کے زیر اہتمام محفل میلاد ہوئی۔ حضرت حجۃ الاسلام کے ہم راہ دارالعلوم منظر اسلام، بریلی کے طالب علم (جو بعد میں شیخ الحدیث بنے) مولانا محمد سردار احمد بھی تھے۔ حضرت حجۃ الاسلام کے ارشاد پر حضرت شیخ الحدیث نے مولانا عبدالباری کی خدمت میں فتاویٰ رضویہ کی جلد اوّل پیش کی، جسے مولانا عبدالباری نے نہایت مسرت و احترام کے ساتھ قبول کیا۔''

(ص ۷۔ ہفت روزہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ پنجاب، پاکستان۔ شمارہ ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ ومکتوب مولانا تقدس علی بریلوی متوفی ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء بنام محمد جلال الدین قادری۔ محررہ یکم صفر المظفر ۱۴۰۷ھ)

ابوالفیض مولانا محمد عبدالحفیظ حقانی بریلوی مفتی شاہی جامع مسجد آگرہ (متوفی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء کراچی) لکھتے ہیں:

''میں خود فرنگی محل مدرسہ نظامیہ (لکھنؤ) کا ادنیٰ طالب علم ہوں۔ حضرت مولانا عبدالباری (فرنگی محلی) رحمۃ اللہ علیہ سے خاص طور پر شرح چغمینی پڑھی ہے۔ مگر زمانہ تحریک خلافت میں کچھ باتیں ان سے سرزد ہوگئیں جن پر اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا بریلوی) نے گرفت فرمائی۔

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی نے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا بریلوی) رحمۃ اللہ علیہ نے آپ پر جو اعتراضات کیے ہیں ان باتوں سے توبہ کیجیے۔ چناں چہ صدرالافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش سے (مولانا عبدالباری نے) ایک تحریر دی۔

اس کے بعد حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود فرنگی محل (لکھنؤ) گئے۔ دونوں میں مصافحہ ومعانقہ ہوا۔ حضرت مولانا حامد رضا نے حضرت مولانا عبدالباری کے ہاتھ چومے، اس لیے کہ وہ صحابی کی اولاد ہیں۔ اس خوشی میں دارالشفا (لکھنؤ) کی برفیاں آئیں۔ باقاعدہ فاتحہ ہوا اور تقسیم ہوئیں۔

اسی طرح علی برادران (مولانا محمد علی جوہر و مولانا شوکت علی) بھی جو تحریکِ خلافت وترک موالات کے نشہ میں چور تھے اور ان کی زبان وقلم سے بہت سے ایسے اقوال وافعال سرزد ہوچکے تھے جو شرعاً قابل

مؤاخذہ تھے۔ ان کی تنبیہ، اتمام حجت اور خوف آخرت سے ہوشیار کرنے کے لیے حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے خلیفۂ ارشد صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ (متوفی ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) مولانا جوہر مرحوم کے سفرِ لندن سے پہلے ان کی قیام گاہ پر دہلی پہنچے اوران کو اسلامی احکام سے روشناس کراتے ہوئے آخرت کے عذاب وخسران سے ڈرایا۔ مولانا جوہر صدرالافاضل مرادآبادی کی تبلیغ حق سے متاثر ہوئے اوران کو گواہ بناکر توبہ کی۔ اوران کے بھائی شوکت علی مرحوم نے بھی مرادآباد آکر صدرالافاضل کے دست حق پرست پر توبہ کی۔ ''حیاتِ صدرالافاضل'' میں مولانا غلام معین الدین نعیمی مرادآبادی (کراچی) نے یہ روایت درج کی ہے۔

ندوہ کے اجلاس بریلی کے موقع پر مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواروی جو ندوہ کے سرگرم رکن تھے اور بعد میں بھی اس سے ان کا کچھ تعلق رہا۔ وہ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے انتباہ پر ان کے نام یہ تحریر ۱۳۱۳ھ میں بھیجتے ہیں جو بشکل اشتہار اُسی سال چھپ چکی ہے۔

''اس میں شک نہیں کہ میں ندوہ کا حامی ورکن ہوں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے اپنی دیانت وعقیدہ کو خراب کرڈالا۔

مخدوما! میں تو آپ کا ہم خیال ہوں۔ کابراعن کابر میں بلاتقیہ پکار پکار کر کہوں گا کہ ندوۃ العلما کے الف لام سے مراد یہی عُلمائے اہلِ سنت ہونا چاہیے۔ نہ روافض وخوارج ونیچریہ ووہابیہ خذلھم اللّٰہ انّی یُوفکون.

آپ کا خادم: محمد سلیمان قادری چشتی از پھلواری شریف ۱۴ رشوال ۱۳۱۳ھ۔''

حضرت مولانا مولوی سید شاہ ابوسلیمان محمد عبدالمنان قادری ابوالعلائی منعمی صدرالمدرسین مدرسہ عربیہ محمدیہ عظیم آباد (بہار) حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مجھ فقیر کو بھی ۱۳۳۹ھ کے موسم بہار میں زیارت کا موقع ملا۔ یوں تو عرصۂ دراز سے آپ کے رسائلِ مفیدہ وتحریراتِ انیقہ دیکھا کرتا تھا اور جزئیاتِ فقہیہ پر اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا بریلوی) کو جو یدِ طولیٰ حاصل تھا اس کا قائل بھی تھا اور درحقیقت انھیں رسائل وتحریرات نے زیارت کا ولولہ بھی اس فقیر کے دل میں پیدا کردیا تھا۔

بالآخر جب یہ فقیر درس نظامیہ کی تکمیل کررہا تھا اور تعلیم کا آخری سال گزار رہا تھا تو برسوں کی تمنائے دلی برآئی۔ بریلی شریف جانے کا اتفاق ہوا۔ طالب علمانہ شان سے اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا بریلوی) کے مدرسہ میں پہنچا۔ حضرات اساتذہ سے ملاقاتیں کیں اور دلی تمناؤں کے اظہار کا موقع ہاتھ آیا۔ اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو کہوں گا کہ جناب مولانا مولوی قاضی رحم الٰہی صاحب مدرس مدرسہ نے مجھے اعلیٰ حضرت کی خدمت فیض درجت میں پہنچایا۔ اورمیری پوری رہ بری کی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ تحریک خلافت وترک موالات اپنے پورے شباب پر تھی اور جماعتِ کثیرہ ان تحریکوں میں شامل تھی۔ بناءعلیہ یہ فقیر بھی شدت کے ساتھ ان تحریکات کا حامی تھا۔ لیکن اعلیٰ حضرت کی تحریروں نے جو وقتاً فوقتاً مجھے مل جایا کرتی تھیں اور جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب اور ابوالکلام (آزاد) کی باہمی گفتگو نے مجھے ان تحریکات سے برگشتہ کردیا تھا اور ایک قسم کی دل میں خلش پیدا ہوگئی تھی جس نے بریلی شریف پہنچانے میں معاونت کی کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہو اور مسائل حاضرہ بھی سمجھ لوں۔

چناں چہ جیسا سنا کرتا تھا اور تحریروں سے معلوم کرتا تھا کہ علمی تبحر میں آپ کا کوئی ثانی نہیں اور اخلاقِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زندہ مثال ہیں۔ آپ کی زیارت نے بہ تمام وکمال فقیر پر یہ ثابت کردیا کہ جو کچھ بھی آپ کی تعریفیں ہوئی ہیں وہ کم ہیں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ فقیر سادات سے ہے تو آپ نے بڑی عزت بخشی اور جملہ شکوک کو چند منٹوں میں اس طرح رفع فرمادیا گویا کہ شکوک کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔

پھر اخلاق کا یہ عالم کہ دو دن مجھے آپ کے اخلاق کریمانہ نے روک رکھا اور ان دو دنوں میں اس فقیر نے بہت کچھ فیوض وبرکات حاصل کیے۔ پھر رخصت ہوتے وقت خاص کرم فرمایا کہ کچھ نقد روپے جو الہ آباد کی آمد ورفت میں صرف ہوسکتے تھے بلکہ کچھ زائد ہی تھے مرحمت فرمائے۔ فقیر نے پہلے تو انکار کیا لیکن اعلیٰ حضرت نے یہ فرمایا کہ یہ تو آپ کے گھر ہی کے عنایت کردہ ہیں، اسے لے لیجیے۔ تو فقیر نے وہ رقم لے لی اور واپسی کے بعد ان تحریکات سے کلیۃً علاحدگی اختیار کرلی۔

پھر بعد وصال اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ چند مرتبہ عرس اعلیٰ حضرت میں جانے کا اتفاق ہوا۔ بعد وصال بھی اعلیٰ حضرت کی روحانیت نے اپنے فیوض وبرکات سے محروم نہ رکھا۔

وللّٰہ الحمد و الصلاۃُ و السلامُ علیٰ رسولہٖ الکریم. و اٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربِ العالمین. (ص،۲۲۹-۲۳۰ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۳ء)

☆☆☆

تصانیفِ رضا کا مطالعہ: ایک تاثر

ہندو پاک کے مشہور دانش ور اور مفکر مولانا کوثر نیازی اپنے ایک خطاب میں فرماتے ہیں:

''قرطاس و قلم سے میرا تعلق دو چار سال ہی کی بات نہیں، نصف صدی کی بات ہے۔ اس دوران وقت کے بڑے بڑے اہل علم و قلم، مشائخ و علما کی صحبت میں بیٹھ کر استفادہ کرنے کا موقع ملا اور ان کے درس میں شریک رہا۔ اور اپنی بساط کے مطابق فیض حاصل کرتا رہا۔ زندگی میں میں نے اتنی روٹیاں نہیں کھائی ہیں جتنی کثیر تعداد میں کتابیں پڑھی ہیں۔ میری اپنی ذاتی لائبریری میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں وہ سب مطالعہ سے گزری ہیں۔ ان سب کے مطالعہ کے دوران امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتب نظر سے نہیں گزری تھیں۔ اور مجھے محسوس ہوتا تھا کہ علم کا خزانہ پالیا ہے اور علم کا سمندر پار کرلیا ہے۔ علم کی ہر جہت تک رسائی حاصل کرلی ہے۔ مگر جب امام اہل سنت کی کتابیں مطالعہ کیں اور ان کے دروازے پر دستک دی۔ اور فیض یاب ہوا تو اپنے جہل کا احساس اور اعتراف ہوا۔ یوں لگا کہ ابھی تو میں علم کے سمندر کے کنارے کھڑا صرف سیپیاں چن رہا تھا۔ علم کا سمندر تو امام کی ذات ہے۔ امام کی تصانیف کا جتنا مطالعہ کرتا ہوں عقل اتنی ہی حیران ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ امام احمد رضا، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے جسے اللہ نے اتنا وسیع علم دے کر دنیا میں بھیجا ہے کہ علم کی کوئی جہت ایسی نہیں کہ جس پر امام کو مکمل دسترس حاصل نہ ہو۔ اور اس پر کوئی تصنیف نہ لکھی ہو۔ یقیناً آپ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کے صحیح جانشین تھے جس سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔

فقہ حنفی میں ہندستان میں دو کتابیں مستند ترین ہیں۔ ان میں سے ایک ''فتاویٰ عالم گیریہ'' ہے جو دراصل چالیس علما کی مشترکہ خدمت ہے۔ دوسرا ''فتاویٰ رضویہ'' ہے جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام چالیس علما نے مل کر انجام دیا وہ اس مرد مجاہد نے تنہا کر کے دکھا دیا۔ اور یہ مجموعہ ''فتاویٰ رضویہ'' ''فتاویٰ عالم گیریہ'' سے زیادہ جامع ہے۔ اور میں نے جو آپ کو ''امام ابوحنیفہ ثانی'' کہا ہے وہ صرف محبت یا عقیدت میں نہیں کہا بلکہ ''فتاویٰ رضویہ'' کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے ابوحنیفہ ہیں۔ آپ کے فتاویٰ میں مختلف علوم و فنون پر جو بحثیں کی گئی ہیں ان کو پڑھ کر بڑے بڑے علما کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کاش کہ اعلیٰ حضرت کی حیات اس دور کو میسر آجاتی تاکہ آج کل کے پے چیدہ مسائل حل ہوسکتے۔ کیوں کہ آپ کی تحقیق حتمی ہوتی، مزید کی گنجائش نہ ہوتی۔''

خطاب: مولانا کوثر نیازی مطبوعہ ''امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت'' ص ۳۰، ۳۳، رضا اسلامک مشن مدن پورہ بنارس (یوپی)

امام احمد رضا کی نصائح

محمد ادریس رضوی (ایم۔اے)
سنی جامع مسجد، پتری پل، کلیان Cell. 9869781566

امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحتیں مضبوط قلعے کی مانند ہیں، جن میں پناہ لینے والا دونوں جہاں کی سعادتیں حاصل کرتا ہے، ان کی نصیحتیں خوفِ خدا سے لبریز، عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پُر، حبِ صحابۂ کرام کے جذبات سے سرشار، ائمۂ مجتہدین کی محبت سے بھرپور، اولیا و صلحا کی اطاعت سے لبالب ہیں، حق و باطل میں خطِ امتیاز اور بدعقیدوں سے بچنے کے آلے ہیں، ان کی نصیحتوں میں ایمانیات و عبادات کے تذکرے، احکامات کے فلسفے ہیں، ان کی نصیحتوں کو غور سے پڑھیے تو کہیں پر خوشی سے دل شاد ہوجاتا تو کہیں پر خوف سے کانپ جاتا ہے، کہیں پر آنکھیں نم ہوجاتیں تو کہیں پر دل تڑپ جاتا ہے، ان کی نصیحتوں کے دائرے بہت وسیع ہیں۔ ان میں سے چند نصیحتوں کے گہر کو جمع کرنے کی برکتیں حاصل کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو عمل کرنے اور بر ہم زلفِ یار کو غور و خوض کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ایمان تمام چیزوں سے مقدس اور مقدم ہے، نفس کی شر انگیزیوں، حرص و ہوس کی لہروں اور شیطان کی چکا چوند موجوں سے جس نے اس انمول ہیرا کو بچالیا کام یاب ہوگیا، اس کے بعد جو عبادات کے غازہ سے اسے مزین کرتا ہے اس میں بہاریں پیدا ہوجاتی ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ۶۱۰ء میں اعلان نبوت فرمایا اور ۶۲۱ء میں نماز فرض ہوئی، ان گیارہ سالوں میں مومن بننے کے لیے صرف اور صرف کلمۂ توحید و رسالت پڑھنا فرض تھا، اس درمیان میں جو مسلمان اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف کوچ کیے مومن ہی نہیں اعلیٰ مومن بن کر گئے، اس کے بعد نماز کی فرضیت کا حکم ہوا۔ چناں چہ اس تعلق سے حضرت حکیم الامت علامہ احمد یار خاں نعیمی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''خیال رہے کہ مومن کی علامت مختلف زمانوں میں مختلف رہی ہے اس لحاظ سے ان کے متعلق مختلف احادیث وارد ہوئیں ایک وقت کلمہ پڑھنا مومن کی علامت تھی، نماز وغیرہ کوئی احکام نہ آئے تھے، تب ارشاد ہوا مَن قَالَ لا الٰہ الا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ جس نے کلمہ پڑھ لیا جنتی ہوگیا، پھر وہ وقت آیا جب نماز وغیرہ بھی آگئی تو ارشاد ہوا جو یہاں مذکور ہے، یعنی اللہ کو پوجو اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو، مدینہ منورہ میں منافقین بھی تھے جو کلمہ

نماز وغیرہ ادا کرتے ہوئے بھی بے ایمان رہے، تب اللہ جل جلالہٗ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت علامتِ ایمان قرار پائی کہ ارشاد ہوا لا یومن احد کم حتی اکون ......الخ آئندہ کے متعلق خبر دی گئی کہ آخری زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو تم سے زیادہ عابد و زاہد ہوگی مگر اسلام سے خارج ہوگی۔ (۱)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اسی نماز و روزہ سے آراستہ عابد و زاہد مگر ایمان سے خالی، گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہنود و نصاریٰ سے بھی آگے، اس قوم کی پہچان بتا کر مسلمانوں کو دل سوز نصیحتیں کرتے ہیں، دین اسلام کے اس حکیم حاذق نے بتا دیا کہ اس قوم کو متعدی مرض لاحق ہے، لہٰذا اس سے دور رہو، جن لوگوں نے نہیں مانا اور اس قوم سے یاری جوڑی ان کو بھی گستاخی و بے ادبی کا مرض لگ گیا۔ امام احمد رضا کے فرمودات پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، ان کو ایمان محبوب ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پیارے ہیں تو مسلمانوں کو بھی دعوت دی، پیغام دیا، قرآن سنایا، احادیث بتائی کہ ایمان کو محبوب رکھو، اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرو۔

ایک ڈاکٹر انتباہ کرتا ہے کہ مسلول کا جوٹھا کھانا، تندرست اشخاص کو نہیں کھانا چاہیے اور نہ ہی مسلول کے ساتھ ایک برتن میں کھانا پینا چاہیے، طاعون سے بچنے کے لیے تمام ایسی چیزوں کو جن کو طاعون کی چھوت یعنی اس کے لگ جانے کا اندیشہ ہو مثلاً مریض کا لباس، بستر اور چارپائی وغیرہ سب کو جلا دینا چاہیے، سرطان کے مریض سے بچنا چاہیے، ایڈز کے مریض سے مصافحہ نہیں کرنا چاہیے، نہیں تو مرض لگ جائے گا، اس پر ہم سختی سے عمل کرتے اور لوگوں سے عمل کرنے کو کہتے ہیں تو پھر ایمان کے بچانے کی جو تدبیریں امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بتائی ہیں اس پر قیل و قال کیوں؟ ہاں جو افراد امام احمد رضا کے طریقے کو جانتے مانتے اور ان پر عمل کرتے ہیں وہ علاج کی غرض سے مریضوں کے پاس جا سکتے ہیں، اپنے پاس بٹھا کر امام احمد رضا کا نسخہ بتا سکتے ہیں، لیجیے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحتوں کو پڑھیے اور گرہ میں باندھنے کی کوشش کیجیے۔

ایمانیات:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا ۔ تا ۔ بُکْرَةً وَّ اَصِيْلًا (۲) کی روشنی میں نصیحت فرماتے ہیں:

مسلمانو! دیکھو دینِ اسلام بھیجنے، قرآن مجید اتارنے کا اصل مقصد ہی تمہارا مولیٰ تبارک وتعالیٰ تین باتیں بتاتا ہے، اوّل یہ کہ لوگ اللہ و رسول پر ایمان لائیں، دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کریں، سوم یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں رہیں۔

مسلمانو! ان تین باتوں کی جمیل ترتیب دیکھو سب میں پہلے ایمان کو فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کو اس لیے کہ بغیر ایمان تعظیم کار

آمد نہیں، بہتیرے نصاریٰ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور حضور پر سے دفع اعتراضات کافرانِ لئیم میں تصنیفیں کر چکے، لکچر دے چکے، مگر ایمان نہ لائے کچھ مفید نہیں کہ یہ ظاہری تعظیم ہوئی، دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی عظمت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے، پھر جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو، عمر بھر عباداتِ الٰہی میں گزارے، سب بے کار و مردود ہے، بہتیرے جوگی اور راہب ترکِ دنیا کر کے اپنے طور پر ذکر و عبادتِ الٰہی میں عمر کاٹ دیتے ہیں بلکہ ان میں بہت وہ ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر سیکھتے اور ضرب لگاتے ہیں مگر از آنجا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کیا فائدہ اصلاً قابل قبول بارگاہِ الٰہی نہیں، اللہ عزوجل ایسوں ہی کو فرماتا ہے: وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا اور جو کچھ اعمال انھوں نے کیے ہم نے سب برباد کر دیے، ایسوں ہی کو فرماتا ہے عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ. تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً. عمل کریں، مشقتیں بھریں اور بدلہ کیا ہوگا یہ بھڑکتی آگ میں بیٹھیں گے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ مسلمانو! کہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم مدارِ ایمان و مدارِ نجات و مدارِ قبول اعمال ہوئی یا نہیں، کہو ضرور ہوئی۔ (۳)

ظالمو! محبوب کا حق تھا یہی

عشق کے بدلے عداوت کیجیے

محبت و عداوت، ایمان و کفر متضاد چیزیں ہیں، محبت کی آنکھ محبوب کو بے عیب، سب سے نرالا اور انوکھا دیکھتی ہے، عداوت نقص اور خامیاں تلاش کرتی ہے، محبت جس کو چاہتی ہے، عداوت اس سے روکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک ہی چیز کے متعلق لوگوں کی الگ الگ رائیں، الگ الگ باتیں، الگ الگ خیالات، متضاد فتاوے ہیں، میلاد شریف کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں: ''یہ فعل جائز و مستحسن ہے اور اس کے کرنے میں لذّت پاتا ہوں۔'' (۴) یہ محبت کی بولی ہے، عداوت کہتی ہے ''انعقادِ مجلس مولود ہر حال میں ناجائز ہے، تداعی امر مندوب کے واسطے منع ہے۔'' (۵)

حلاوت ایمان کی طلب اور کفر کے تقاضوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، جن چیزوں کو کفر پسند کرتا ہے، ایمان ان سے منع کرتا ہے، تاریخ کے صفحات پر سرسری نظر ڈال کر دیکھیے، حضرت عثمان غنی، حضرت بلال، حضرت خباب وغیرہم (رضی اللہ عنہم) کے ایمان لانے پر ان کو کافروں نے کیسی اذیتیں دیں، یہ کفر کے تقاضے تھے، ایمان کا ذوق دیکھیے، جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کی رائے طلب کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی، آپ کو مکّہ مکرّمہ میں رہنے نہیں دیا، یہ کفر کے سردار اور سرپرست ہیں ان کی گردنیں اڑا دیجیے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو فدیہ سے غنی کیا ہے، علی مرتضیٰ کو عقیل پر اور حضرت حمزہ کو عباس پر، اور مجھے میرے قرابت داروں پر مقرر کیجیے کہ ان کی گردنیں مار دیں۔ (۶)

عجیب آزمائش کی گھڑی تھی، قرآن مجید میں ہے کہ۔ الٓمّٓ. اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ترجمہ: کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنا کہہ لینے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی...... لیکن یہ آزمائش کیوں؟ تا کہ مومن مخلص اور منافق میں امتیاز ظاہر ہو جائے، لیجیے مذکورہ آیت کی روشنی میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی نصیحت کا ایک جز ملاحظہ کیجیے:

''تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو، جیسے تمہارے باپ، تمہارے استاد، تمہارے پیر، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہارے احباب، تمہارے بڑے، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے حافظ، تمہارے مفتی، تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد، جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کریں اصلاً تمہارے قلب میں ان کی عظمت، ان کی محبت کا نام ونشان نہ رہے فوراً ان سے الگ ہو جاؤ، ان کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، ان کی صورت، ان کے نام سے نفرت کھاؤ، پھر نہ تم اپنے رشتے، علاقے، دوستی، الفت کا پاس کرو نہ اس کی مولویت، مشیخت، بزرگی، فضیلت کو خطرے میں لاؤ کہ آخر جو کچھ تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی بنا پر تھا جب یہ شخص ان ہی کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا؟ اس کے جبّے عمامے پر کیا جائیں، کیا بہتیرے یہودی جبّے نہیں پہنتے؟ عمامے نہیں باندھتے؟ ان کے نام وعلم وظاہری فضل کو لے کر کیا کریں؟ کیا بہتیرے پادری، بہ کثرت فلسفی بڑے بڑے علوم وفنون نہیں جانتے؟ اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل تم نے اس کی بات بنانی چاہی، اس نے حضور سے گستاخی کی اور تم نے اس سے دوستی نباہی یا اسے ہر بُرے سے بدتر بُرا نہ جانا یا اسے بُرا کہنے پر بُرا مانا یا اسی قدر کہ تم نے اس امر میں بے پروائی منائی یا تمہارے دل میں اس کی طرف سے سخت نفرت نہ آئی تو للہ اب تم ہی انصاف کر لو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے، قرآن وحدیث نے جس پر حصولِ ایمان کا مدار رکھا تھا اس سے کتنی دور نکل گئے۔(۷)

امام احمد رضا کی نصائح قرآن مجید سے ماخوذ ہیں، کمیاں ہم میں ہیں کہ ہم قرآن کی جانب رجوع نہیں کرتے، قرآن نے ہمیں ایمان کو سلامت رکھنے کے لیے ان مول نگینے دیے ہیں، لیکن ہم ان نگینوں کی طرف جھانکنے کی کوشش نہیں کرتے۔

ایمان تو آفتاب سے بڑھ کر آفتاب اور ماہ تاب سے بڑھ کر ماہ تاب، سونے سے زیادہ خالص اور دودھ سے زیادہ شیریں ہے، لیکن جب آفتاب کے اوپر بادل آجاتا ہے تو آفتاب کی روشنی اس کی چمک دمک غائب ہو جاتی ہے، اسی طرح جب ایمان پر گستاخیوں کے ابر چھا جاتے ہیں تو ایمان کی شعائیں اور اس کی روشنی معدوم ہو جاتی ہے، راہوں کو منور کرنے والا چاند، راہ میں تاریکی

پیدا کر دیتا ہے، خالص سونا میں دیگر دھات ملانے دینے سے سونے کی چمک ماند پڑ جاتی ہے اور دودھ میں پانی ڈال دینے سے دودھ کی حلاوت ختم ہو جاتی ہے، بلا تمثیل ایمان اور کفر ایک ساتھ پروان نہیں چڑھتے، ایمان اللہ اور اس کے رسول کی شان میں گستاخیوں کو قبول نہیں کرتا، بے ایمانوں، کافروں، مرتدوں اور گستاخوں کی محبت میں مبتلا ہونے والوں کو دائرۂ اسلام میں نہیں رکھتا، قرآن مجید، پارہ ۲۸/ سورہ مجادلہ کی آیت ۲۲/ کا ترجمہ پڑھیے:

''تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت کی، اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں، یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انھیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ رہیں، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ اللہ کی جماعت ہے، سنتا ہے، اللہ ہی کی جماعت کام یاب ہے'' (۸)

قرآن مجید کی آیت کے ترجمہ پر مفسر قرآن علامہ مفتی سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''یعنی مومنین سے یہ نہیں ہو سکتا اور ان کی یہ شان ہی نہیں اور ایمان اس کو گوارہ نہیں کرتا کہ خدا اور رسول کے دشمن سے دوستی کرے۔ مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بددینوں اور بدمذہبوں اور خدا و رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والے سے مؤدت واختلاط جائز نہیں، چناں چہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے جنگ احد میں اپنے باپ جراح کو قتل کیا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روز بدر اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو مبارزت کے لیے طلب کیا، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس جنگ کی اجازت نہ دی اور مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمیر کو قتل کیا، اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو روز بدر قتل کیا، اور حضرت علی ابن ابی طالب وحمزہ وابوعبیدہ نے ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کو اور ولید بن عتبہ کو بدر میں قتل کیا جو ان کے رشتہ دار تھے، خدا اور رسول پر ایمان لانے والوں کو قرابت اور رشتہ داری کا کیا پاس۔'' (۹)

مولانا شبیر احمد عثمانی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یعنی جو دوستی نہیں رکھتے اللہ کے مخالف سے اگر چہ باپ بیٹے ہوں وہ ہی سچے ایمان والے ہیں، ان کو یہ درجے ملتے ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان یہ تھی کہ اللہ ورسول کے معاملہ میں کسی چیز اور کسی شخص کی پروا نہیں کی، اسی سلسلہ میں ابوعبیدہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا، جنگ احد میں ابوبکر صدیق اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے مقابلہ میں نکلنے کو تیار ہو گئے، مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو، عمر بن الخطاب نے اپنے ماموں عاص بن ہشام

کو، علی ابن ابی طالب، حمزہ، عبیدہ بن الحارث نے اپنے اقارب عتبہ، شیبہ، اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا، اور رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نے جو مخلص مسلمان تھے، عرض کیا: یارسول اللہ! اگر آپ حکم دیں تو اپنے باپ کا سر کاٹ کر خدمت میں حاضر کروں، آپ نے منع فرمادیا۔" (۱۰)

مذکورہ دونوں تفاسیر بلکہ حضرت شاہ صاحب کی تفسیر کو بھی شمار کریں تو تین تفاسیر ہوئیں، ان تینوں کی روشنی میں دیکھیں کہ عاشق رسول اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کیا کہتے ہیں، جو باتیں کہتے ہیں، ان تفاسیر سے مطابقت رکھتی ہیں یا نہیں؟ تحریر فرماتے ہیں:

"اس آیت کریمہ میں صاف فرمادیا کہ جو اللہ یا رسول کی جناب میں گستاخی کرے، مسلمان اس سے دوستی نہ کرے، جس سے صریح یہ مفاد ہوا کہ اس سے جو دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا، پھر اس حکم کا قطعاً عام ہونا بالتصریح ارشاد فرمایا کہ باپ، بیٹے، بھائی، عزیز سب کو گنایا یعنی کوئی کیسا ہی تمہارے زعم میں معظم یا کیسا ہی تمہیں بالطبع محبوب ہو، ایمان ہے تو گستاخی کے بعد اس سے محبت نہیں رکھ سکتے، اس کی وقعت نہیں مان سکتے ورنہ مسلمان نہ رہوگے، مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کا اتنا فرمانا ہی مسلمان کے لیے بس تھا، مگر دیکھو وہ تمہیں اپنی رحمت کی طرف بلاتا، اپنی عظیم نعمتوں کا لالچ دلاتا ہے کہ اگر اللہ و رسول کی عظمت کے آگے تم نے کسی کا پاس نہ کیا، کسی سے علاقہ نہ رکھا تو تمہیں کیا کیا فائدے حاصل ہوں گے۔

(۱) اللہ تمہارے دلوں میں ایمان نقش کردے گا جس میں ان شاء اللہ تعالیٰ حسن خاتمہ کی بشارت جلیلہ ہے کہ اللہ کا لکھا نہیں مٹتا۔

(۲) اللہ تعالیٰ روح القدس سے تمھاری مدد فرمائے گا۔

(۳) تمھیں ہمیشگی کی جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔

(۴) تم خدا کے گروہ کہلاؤ گے، خدا والے ہو جاؤ گے۔

(۵) منہ مانگی مرادیں پاؤ گے بلکہ امید و خیال و گمان سے کروڑوں درجے افزوں۔

(۶) سب سے زیادہ یہ کہ اللہ تم سے راضی ہوگا۔

(۷) یہ کہ فرماتا ہے مَیں تم سے راضی، تم مجھ سے راضی، بندے کے لیے اس سے زائد اور کیا نعمت ہوگی کہ اس کا رب اس سے راضی ہو مگر انتہائے بندہ نوازی یہ کہ فرمایا: اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

مسلمانو! خدا لگتی کہنا اگر آدمی کروڑوں جانیں رکھتا ہو اور وہ سب کی سب ان عظیم دولتوں پر نثار کردے تو واللہ کہ مفت پائیں، پھر زید و عمرو سے علاقۂ تعظیم و محبت یک لخت قطع کردینا کتنی بڑی بات ہے، جس پر اللہ تعالیٰ ان بے بہا نعمتوں کا وعدہ فرما رہا ہے اور اس کا وعدہ یقیناً سچا ہے، قرآنِ کریم کی عادتِ کریمہ ہے کہ جو حکم فرماتا ہے جیسا کہ اس کے ماننے والوں کو اپنی نعمتوں کی بشارت دیتا ہے نہ

ماننے والوں پر اپنے عذابوں کا تازیانہ بھی رکھتا ہے کہ جو پست ہمت نعمتوں کی لالچ میں نہ آئیں سزاؤں کے ڈر سے راہ پائیں وہ عذاب بھی سن لیجیے۔" (۱۱)

عذاب کا تذکرہ کرنے سے پہلے چند باتیں عرض کردوں کہ مذکورہ حکم قطعی نص سے ثابت ہے، مگر بعض جاہل قسم کے لوگوں کو کہتے سنا گیا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے کلمہ پڑھنے والوں کو آپس میں تقسیم کردیا ہے، اگر کوئی برا یا گستاخ ہے تو اس کے اعمال اس کے ساتھ ہیں اس سے ملنے اور اس کے ساتھ کھانے پینے، بیٹھنے، اٹھنے اور شادی بیاہ کرنے میں کیا حرج ہے؟...... اسی بھولے پن میں بہت سے بدعقدگی کی لہر میں بہہ گئے، بغیر سمجھے جو دل میں آیا بک دیا کہ مولانا احمد رضا میں تشدد تھا، وہ متشدد تھے، وغیرہ۔ کبھی قرآن پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق نہیں ہوئی کہ اس سلسلے میں قرآن کیا حکم فرماتا ہے، امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا فتویٰ، فرمان اور ان کی نصیحتیں ان کی طبیعت کی نہیں، بلکہ حکم اسلام کے مطابق ہیں، قرآن پاک کھولیے، اور سورۃ الممتحنہ کی آیت نمبر ۱ پڑھیے، دیکھیے اللہ تعالیٰ کیا حکم فرماتا ہے:

"اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم انھیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی سے، حالاں کہ وہ منکر ہیں اس حق کے ساتھ جو تمھارے پاس آیا، گھر سے جدا کرتے ہیں رسول کو اور تمھیں اس پر کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے، اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا چاہنے کو تو ان سے دوستی نہ کرو، تم انھیں خفیہ پیام محبت کا بھیجتے ہو، اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو، اور تم میں جو ایسا کرے وہ بے شک سیدھی راہ سے بہکا۔" (۱۲)

آیت کے ترجمہ کی روشنی میں سمجھنا یہ ہے کہ یہ آیت کس کے حق میں اور کس بنا پر نازل ہوئی، تفصیل کے لیے تفسیر اور شانِ نزول کا مطالعہ کرنا ہوگا، پہلے تفسیر ملاحظہ کرتے ہیں پھر امام احمد رضا کی تحریر، تا کہ سمجھ میں آئے کہ شدت کا الزام کس قدر بے جا ہے۔

علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی آیت مذکورہ کی تفسیر میں شان نزول کے تئیں تحریر فرماتے ہیں:

"شان نزول: بنی ہاشم کے خاندان کی ایک باندی سارہ مدینہ طیبہ میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئی جب کہ حضور فتح مکہ کا سامان فرما رہے تھے، حضور نے اس سے فرمایا کیا تو مسلمان ہو کر آئی؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا کیا ہجرت کرکے آئی؟ عرض کیا نہیں، فرمایا پھر کیوں آئی؟ اس نے کہا محتاجی سے تنگ ہو کر، بنی عبد المطلب نے اس کی امداد کی، کپڑے بنائے، سامان دیا، حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے ملے، انھوں نے اس کو دس دینار دیئے، ایک چادر دی اور ایک خط اہل مکہ کے پاس اس کی معرفت بھیجا، جس کا مضمون یہ تھا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں، تم سے اپنے بچاؤ کی جو تدبیر ہو سکے کرو، سارہ یہ خط لے کر روانہ ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس کی خبر دی، حضور نے اپنے چند اصحاب کو جن میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ بھی تھے گھوڑوں پر روانہ کیا اور فرمایا مقام روضہ خاخ پر تمھیں ایک مسافر عورت ملے گی اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط ہے جو اہل مکہ کے نام لکھا گیا ہے، وہ خط اس سے لے لو اور اس کو چھوڑ دو، اگر انکار کرے تو اس کی گردن مار دو، یہ حضرات روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اسی مقام پایا جہاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، اس سے خط مانگا وہ انکار کر گئی اور قسم کھا گئی، صحابہ نے واپسی کا قصد کیا، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہ قسم فرمایا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر خلاف ہو ہی نہیں سکتی اور تلوار کھینچ کر عورت سے فرمایا، یا خط نکال یا گردن رکھ! جب اس نے دیکھا کہ حضرت بالکل آمادۂ قتل ہیں تو اپنے جوڑے میں سے خط نکالا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُلا کر فرمایا کہ اے حاطب اس کا کیا باعث؟ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جب سے اسلام لایا کبھی میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے حضور کی نیاز مندی میسر آئی کبھی حضور کی خیانت نہ کی اور جب سے اہل مکہ کو چھوڑا کبھی ان کی محبت نہ آئی لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں قریش میں رہتا تھا اور ان کی قوم سے نہ تھا، میرے سوا اور جو مہاجرین ہیں ان کے مکہ مکرمہ میں رشتہ دار ہیں جو ان کے گھر بار کی نگرانی کرتے ہیں، مجھے اپنے گھر والوں کا اندیشہ تھا اس لیے میں نے چاہا کہ میں اہل مکہ پر کچھ احسان رکھ دوں تا کہ وہ میرے گھر والوں کو نہ ستائیں اور یہ میں یقین سے جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اہل مکہ پر عذاب نازل فرمانے والا ہے میرا خط انھیں بچا نہ سکے گا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا یہ عذر قبول فرمایا اور ان کی تصدیق کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجیے اس منافق کی گردن مار دوں، حضور نے فرمایا اے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ تعالیٰ خبر دار ہے جب ہی اس نے اہل بدر کے حق میں فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تمھیں بخش دیا یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنسو جاری ہو گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔" (۱۳)

مذکورہ آیت کے ترجمہ کے ضمن میں شان نزول کے تیئں مفسر قرآن مولانا احمد یار خاں نعیمی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا صلاح الدین یوسف، مولانا پیر محمد کرم شاہ ازہری نے اسی وقعہ کو لکھا ہے جو مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی نے رقم کیا ہے، اور آیت کے ضمن میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں:

"پہلی دو آیتوں میں تو ان سے دوستی کرنے والوں کو ظالم گم راہ ہی فرمایا تھا، اس آیت کریمہ نے بالکل تصفیہ فرما دیا کہ جو ان سے دوستی رکھے وہ بھی ان ہی میں سے ہے، ان ہی کی طرح کافر ہے، ان کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جائے گا، اور وہ کوڑا بھی یاد رکھیے کہ تم چھپ چھپ کر ان سے میل

رکھتے ہو اور میں تمھارے چھپے ظاہر سب کو خوب جانتا ہوں، اب وہ رسی بھی سن لیجیے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے باندھے جائیں گے۔" (۱۴)

امام احمد رضا کا روئے سخن ہر گستاخ کی جانب ہے، چاہے وہ گستاخ جس شکل، جس لباس میں ہو، گستاخ ہے تو اس کی تردید میں تشدد کی کیا بات ہے؟ بعض کے نزدیک امام احمد رضا کی باتوں سے تشدد کی بو آتی ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرض کرنے کو کیا کہیں گے کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجیے اس منافق کی گردن مار دوں۔"

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمائے اور رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ کا باادب بندہ بنائے۔ (آمین)

مراجع

(۱) مرأت المناجیح، ص ۳۵، ج ۱
(۲) پارہ ۲۶ رکوع ۹، سورۃ الفتح
(۳) تمہید ایمان، از امام احمد رضا
(۴) تفصیل کے لیے دیکھیے حضرت حاجی صاحب کی کتاب "فیصلہ ہفت مسئلہ"
(۵) فتاویٰ رشیدیہ، از مولوی رشید احمد گنگوہی
(۶) ماہ تاب رسالت کی جلوہ ریزیاں، مولانا محمد ادریس رضوی
(۷) تمہید ایمان، از امام احمد رضا
(۸) کنز الایمان، از امام احمد رضا
(۹) خزائن العرفان، برحاشیہ کنز الایمان
(۱۰) القرآن الکریم وترجمۃ معانیہ وتفسیر الی اللغۃ الاردیۃ، مطبع شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلیکس، پوسٹ بکس ۳۵۶۱ مدینہ منورہ
(۱۱) کنز الایمان، از امام احمد رضا
(۱۲) کنز الایمان
(۱۳) خزائن العرفان برحاشیہ کنز الایمان، ۹۵/۷ تاج کمپنی لاہور
(۱۴) تمہید ایمان، از امام احمد رضا

☆☆☆

اعلیٰ حضرت اور زر کی بازار کاری

پروفیسر عبدالمجید صدیقی
سابق پرنسپال سٹی کالج، مالیگاؤں
Cell.09221275129

اسلامی معاشیات کے چند بنیادی اصول ذیل میں درج کیے جارہے ہیں جنھیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

☆اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمھاری باہمی رضامندی کا ہو۔ (سورۂ نسا:۹۹/کنزالایمان)

☆اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور سائلوں اور گردن چھڑانے میں۔ (سورۂ بقرۃ:۱۷۷/کنزالایمان)

☆اور فضول نہ اڑا بے شک اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

(سورۂ بنی اسرائیل:۲۶-۲۷/کنزالایمان)

☆اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا سود اگر مسلمان ہو۔

(سورۂ البقرۃ:۲۷۷/کنزالایمان)

☆پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کرلو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا مال لے لو، نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ نہ تمھیں نقصان ہو۔ (سورۂ البقرۃ:۲۷۸/کنزالایمان)

☆وہ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑا ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا بیع بھی تو سود ہی کے مانند ہے اور اللہ حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا اور اس کا کام خدا کے سپرد ہے اور جو اب ایسی حرکت کرے گا تو وہ دوزخی ہے، وہ اس میں مدتوں رہیں گے، اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ کو پسند نہیں کوئی ناشکرا بڑا گنہ گار۔

(سورۂ البقرۃ:۲۷۴-۲۷۵/کنزالایمان)

☆اَمۡوَالَکُمُ الَّتِیۡ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمۡ قِیٰمًا (تمھارے وہ مال جن کو اللہ نے تمھاری زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا۔)

☆وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ (اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔)

اس ضمن میں چند احادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ملاحظہ فرمالیں:

☆حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں یمن بھیجا تو ارشاد فرمایا: دیکھنا! عیش پسند زندگی سے دور رہنا کیوں کہ اللہ کے بندے عیش پسندانہ زندگی نہیں گزارتے۔ (احمد)

☆میرے آقا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر آدم کے کسی بیٹے کی ملکیت میں سونے کے دو پہاڑ دے دیں تو وہ تیسرے پہاڑ کی تمنا کرے گا، صرف قبر کی مٹی ہی آدم کی اولاد کا پیٹ بھر سکتی ہے۔ (صحیح بخاری، باب ۸۱، حدیث ۶۴۳۶)

☆سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو یہ پرواہ نہ ہوگی کہ جو مال وہ حاصل کر رہا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔ (صحیح بخاری شریف)

☆رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی اپنے اہل خانہ پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو یہ خرچ کرنا اس کے حق میں صدقہ ہے۔ (بخاری عن ابن مسعود)

☆جو شخص اللہ تعالیٰ سے تھوڑی روزی پر راضی رہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف سے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاتا ہے۔ (بیہقی)

درج بالا قرآن واحادیث کے چند حوالوں سے کچھ ایسے اسلامی معاشی امور اخذ کیے جاسکتے ہیں جن کا تعلق عصری معاشیات سے بھی ہے، ذیل میں مختصراً اس کی وضاحت کی جارہی ہے۔

(۱) **آمدنی و دولت** (Income and Wealth): کسی ذریعے سے حاصل ہونے والا مال آمدنی ہے، اسے اللہ کا فضل قرار دیا گیا ہے، اور جائز طریقوں سے اسے حاصل کرنے پر اکسایا گیا ہے، ناجائز طریقوں سے مال حاصل کرنے سے روکا گیا ہے۔

ایک شخص جو رقم یا مال وقتاً فوقتاً حاصل کرتا رہتا ہے وہ اس کی آمدنی ہے، اس آمدنی کا ایک معتد بہ حصہ وہ اپنی مختلف ضروریات پر خرچ کرتا رہتا ہے، اس کے بعد جو حصہ بچ رہتا ہے وہ اس کی دولت (Wealth) کی شکل میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ چناں چہ کسی ذریعہ سے حاصل ہونے والا مال آمدنی ہے، اس میں سے جو پس انداز ہو کر جمع ہو جائے وہ دولت ہے۔

(۲) **صرف** (Consumption): اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانی ضروریات کے پیش نظر بہت ساری چیزوں کو پیدا فرمایا ان چیزوں نے انسانی زندگی کو بے شمار سہولیات بہم پہنچائی ہیں، ان ہی کے سبب ہمارا کھانا پینا، رہنا سہنا، لباس، ادویات اور حصول علم وغیرہ ممکن ہوئے ہیں، (تمھارے وہ مال جن کو اللہ نے تمھاری زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔) حسب ضرورت اور حسب استطاعت ان

چیزوں (اموال) کے استعمال کی ترغیب دی ہے، بہر حال فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی بتلا کر انسان کو اس سے روکنے کی ترغیب بھی دی نیز اس بات کی بھی ترغیب دی کہ "لوگ اپنا مال اللہ کے بندوں کی خیر و فلاح میں بھی لگائیں" ...... چناں چہ اسلام نے فضول خرچی سے بچتے ہوئے اپنی ضروریات پر نیز اللہ کے بندوں پر خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

(۳) **بچت** (Saving): آمدنی کا وہ حصہ جو خرچ نہ کیا گیا ہو بچت کہلاتا ہے، اسلام فضول خرچی اور عیش پسندانہ زندگی گزارنے سے روکتا ہے، اسلام بچت کی ترغیب دیتا ہے، لیکن اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے دولت کی مرکوزیت اور ذخیرہ اندوزی (Hoarding) سے روکتا بھی ہے، جمع پانی کے مقابلے میں بہتا ہوا پانی معاشرہ کے لیے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ معیشت میں یہ بچت نہایت اہم رول ادا کرتی ہے، جس کی کارگزاری کا مشاہدہ زر بازار اور سرمایہ بازار میں ہم آگے کریں گے۔

اس ضمن میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ کسی بھی مقصد سے استعمال کے لیے اس بچت کو سود پر دینے کی اسلام شدت سے مخالفت کرتا ہے۔

(۴) **روپیہ کاروبار میں لگانا** (Investment): اس سے مراد وہ خرچ ہے جو منافع کمانے کا سبب بنے۔ اس خرچ سے نقصان بھی ممکن ہے، کاروباری شخص اپنی خود کی بچت کے ساتھ مختلف ذریعوں سے وسائل حاصل کر کے منافع کی امید پر کاروبار میں لگاتا ہے، اللہ کا فضل تلاش کرنے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے، یہ کاروبار زراعت، تجارت، صنعت و حرفت، وغیرہ میں سے کوئی ایک یا ایک سے زائد بھی ہوسکتا ہے۔

روپیہ کاروبار میں لگانے کے تعلق سے اسلام نے کچھ شرائط متعین کر رکھی ہیں مثلاً سودی کاروبار نہ کریں، شراب جیسی حرام اشیا کی پیداوار اور تجارت سے مکمل احتراز کریں۔ مال روک کر بازار میں مصنوعی قلت پیدا نہ کریں۔

بعض لوگ اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، راہ گیروں، سائلوں اور گردن چھڑانے میں لگا دیتے ہیں، اور آخرت میں کہیں بڑے اجر کے حق دار ہو جاتے ہیں۔ ناچیز اسے بھی Investment ہی گردانتا ہے۔

درج بالا معاشی معاملات خواہ آمدنی ہو یا دولت یا صَرف (Consumption)، بچت (Saving) یا روپیہ کاروبار میں لگانا (Investment) ہو تمام ہی معاشی معاملات میں زر (Money) کا عمل دخل کلیدی ہے۔

آیئے ان مشمولات کے حوالے سے کچھ غور وفکر کرلیں!

اسلامی و جدید معاشی نظام میں بعض قدر مشترک ہونے کے باوجود ان کے اندر بے پناہ بنیادی اختلافات بھی ہیں، ان میں سب سے بڑا اختلاف ہے جدید معاشی نظام کا "سود"۔ سود ہی وہ بنیاد ہے جس پر سرمایہ دارانہ نظام کی عمارت کھڑی ہے۔ جس کے اوپری منزل پر نہایت آرام و آسائش کے ساتھ دنیا کی ایک مخصوص اور محدود آبادی جام دوشینہ سے سرشار براجمان ہے۔ جب کہ نچلے منزلے پر ایک بہت بڑی آبادی نان شبینہ سے بھی محروم ومحتاج ہے۔ مسلمان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کی معاشی حالت تو اور بھی ناگفتہ بہ ہے۔

مجدد علم معاشیات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی اس خستہ حالی کو بہت پہلے محسوس کر لیا تھا اور آپ نے اس کا علاج بھی تجویز فرما دیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہوسکیں۔

(۲) بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تو ان گر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بنک کھولیں۔

(۳) مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

(۴) علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔

(بحوالہ: امام احمد رضا کے معاشی نکات، تحریر: پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی، کوئنز یونی ورسٹی کنیڈا، ماخوذ: تدبیر فلاح ونجات واصلاح، از امام احمد رضا، ناشر نوری مشن مالیگاؤں)

جدید معاشی نظام کے حوالے سے بازار کاری (Marketing) میں زر (Money) کے رول کا جائزہ مذکورہ بالا چار نکات کی روشنی میں لینے سے قبل اعلیٰ حضرت کی ایک اور فقید المثال تحریر "کرنسی نوٹ کے مسائل" (کفل الفقیہ) سے بھی استفادہ میں ضروری سمجھتا ہوں۔ ملاحظہ کریں۔

۱۹۰۵ء/۱۳۲۴ھ میں اعلیٰ حضرت کے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران حنفی امام شیخ عبداللہ میر داد آپ کے سامنے کرنسی نوٹ سے متعلق ۱۲ رسوالات پیش کیے تھے، اس وقت وہاں کرنسی نوٹ ایک نئی چیز تھی، اعلیٰ حضرت نے ان سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے۔ ان بارہ سوالات میں سے چند بنیادی اور متعلقہ سوالات اور ان کے جوابات شامل مقالہ کر رہا ہوں، مثلاً:

(تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں: ص ۱۰ تا ۱۲، کرنسی نوٹ کے مسائل، از امام احمد رضا، پیش کش الرضا پبلی کیشن ممبئی، ناشر رضا اکیڈمی ممبئی)

سوال ۱- کیا نوٹ مال ہے یا رسید؟

جواب- نوٹ قیمتی مال ہے رسید نہیں۔

سوال ۶- کیا اسے درہموں دیناروں اور پیسے کے ساتھ بیچنا جائز ہے؟

جواب- ہاں جائز ہے جیسے عام شہروں میں لوگوں کے درمیان معمول ہے۔

سوال ۷- اگر اسے کپڑے کے بدلے لیا جائے تو بیع متقایضہ ہوگی یا مطلق بیع؟

جواب- یہ اصطلاحی ثمن ہے لہٰذا کپڑے کے بدلے اسے لینا بیع متقایضہ نہیں بلکہ مطلق بیع ہوگی۔

سوال ۸- کیا اسے قرض میں دینا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو اس کے مثل کے ساتھ ادائیگی ہوگی یا دراہم کے ساتھ؟

جواب- ہاں اسے بطور قرض دینا جائز ہے، اور ادائیگی صرف اس کے مثل کے ساتھ ہوگی۔

سوال ۹- کیا اسے بطور ادھار مقررہ مدت تک درہموں کے بدلے بیچنا جائز ہے؟

جواب- ہاں جائز ہے، بشرطیکہ مجلس میں نوٹ پر قبضہ کرے تاکہ دین کے بدلے دین نہ ہو۔

سوال ۱۰- کیا اس میں بیع سلم جائز ہے، مثلاً ایسے نوٹ کے بدلے جس کی نوع اور صفت معلوم ہو ایک مہینہ پیشگی درہم دینا؟

جواب- ہاں نوٹ میں بیع سلم جائز ہے۔

سوال ۱۱- نوٹ میں لکھی ہوئی روپوں کی تعداد سے زائد کے بدلے اس کی بیع جائز ہے؟ مثلاً دس کا نوٹ ۱۲ یا ۲۰ روپے یا اس کے کم کے ساتھ بیچنا کیسا ہے؟

جواب- ہاں اس سے کم یا زیادہ کے ساتھ جس طرح دونوں فریق راضی ہوں سودا کرنا جائز ہے۔

سوال ۱۲- اگر یہ جائز ہے تو کیا یہ بھی جائز ہے کہ جب زید، عمرو سے دس روپے بطور قرض لینا چاہے تو عمرو کہے میرے پاس درہم نہیں البتہ میں دس کا نوٹ تم پر ۱۲ روپے میں بیچتا ہوں تم ہر مہینے ایک روپے ادا کرتے رہنا، کیا اسے سود کا حیلہ سمجھتے ہوئے اس سے روکا نہیں جائے گا؟ اور اگر روکا نہ جائے تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال ہے اور (وہ) حرام، حالاں کہ دونوں کا نتیجہ ایک ہے، یعنی زائد مال حاصل کرنا۔

جواب- ہاں جائز ہے اور واقعی سودے کی نیت کرے قرض کی نہیں، اگر قرض ہوگا تو حرام اور سود ہوگا کیوں کہ یہ ایک ایسا قرض ہے، جس کے ذریعے نفع حاصل کیا جاتا ہے،

مذکورہ بالا سوالات اوران کے جوابات زر (Money) کی بازار کاری (Marketing) میں زبردست رول ادا کرسکتے ہیں۔ نیز غیر سودی بنکاری اور اسٹاک اکسچینج مارکیٹ کو اسلامی انقلابی فکر سے مالا مال کرسکتے ہیں۔

مولوی امید علی صاحب (۱۳۱۸ھ/۱۸۹۹ء) میں موضع چر قاضی پور ڈاک خانہ سوبگاچہ، ضلع پاپنا، ملک بنگالہ سے ایک استفتا اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ان الفاظ میں روانہ کیا کہ: کیا فرماتے ہیں

علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ کمانا کس وقت فرض ہے، کس وقت مستحب، کس وقت مکروہ، کس وقت حرام اور سوال کرنا کب جائز ہے اور کب ناجائز؟

اس مختصر سے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے ایک رسالہ بعنوان ''خیر الآمال'' تحریر فرمایا جسے الرضا پبلی کیشن کی پیش کش پر رضا اکیڈمی ممبئی ۹ نے ''تجارت کا جائز طریقہ'' کے عنوان سے شائع کیا۔ اس رسالے میں اعلیٰ حضرت نے وقت کے حوالے سے روپیہ کمانے کے ۹ر احکامات تحریر فرمائے ہیں۔ جو اس طرح ہیں:

(۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) مستحب (۵) مباح (۶) مکروہ تنزیہی (۷) اساءت (۸) مکروہ تحریمی (۹) حرام

اس رسالہ کے ص ۱۱ پر آپ تحریر فرماتے ہیں: احکام کسب کی طرف چلیے، فاقول وباللہ التوفیق ظاہر ہے کہ کسب یعنی تحصیل مال خواہ روپیہ ہو یا طعام یا لباس یا کوئی شے سبب وغرض دونوں سے ناگزیر ہے، اور احکام نو ۹ رگانہ میں پہلے چار جانب طلب ہیں جن میں فرض وواجب دونوں کی طلب جازم ہے اور سنت ومستحب کی غیر جازم، اور پچھلے چار جانب نہی ہیں جن میں مکروہ تنزیہی واساءت سے نہی ارشادی اور تحریمی وحرام سے حتمی اور مباح طلب ونہی دونوں سے خالی ہے، اب اگر سبب وغرض دونوں اقسام تسعہ سے ایک ہی قسم کے ہیں جب تو ظاہر وہی حکم کسب پر ہوگا، مثلاً ذریعہ بھی فرض اور غرض بھی فرض، تو ایسا کسب دوہرا فرض ہوگا اور دونوں حرام تو دونا حرام علیٰ ہٰذا القیاس۔ چناں چہ ذریعہ اور غرض یہ وہ دوعوامل ہیں جو کسب (روپیہ کمانے) کے عمل کو متعین کرتے ہیں کہ یہ عمل فرض ہے...... یا......حرام، اس کی روشنی میں آپ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ آپ کی کمائی کس زمرہ میں آتی ہے۔

فی زمانہ ''کمائی'' عموماً روپے پیسے کی شکل میں ہوتی ہے جسے علم معاشیات میں ''زر'' (Money) کہا جاتا ہے، ماہرین معاشیات کہتے ہیں:

Money is a matter of functions four
a medium, a measure, a standard a store.
(Monetary Economics, by Suray B.Gupta, Page3)

معیشت میں روپیہ چار کام انجام دیتا ہے: اول تبادلہ کا ذریعہ (Medium of Exchange) دوم قدر پیمائی (Measure of value) سوم بعد کی ادائیگی کا پیمانہ (Standard of deferred payment) چہارم قدر کی ذخیرہ اندوزی (Store of Value)

ماہرین معاشیات اس پر متفق ہیں کہ ''قدر پیمائی'' ''تبادلہ کا ذریعہ'' کا پرتو ہے۔ اسی طرح

''بعد کی ادائیگی کا پیمانہ''، ''قدر کی ذخیرہ اندوزی'' کا پرتو ہے چناں چہ زر کے دو ہی کام ہیں، اول تبادلہ کا ذریعہ دوم قدر کی ذخیرہ اندوزی۔ زر کے ان افعال نے بازار کاری (Marketing) کے عمل کو آج بہت آسان بنا دیا ہے۔

بازار کاری ایک ایسا عمل ہے جہاں خریدنے اور بیچنے والے اکٹھا ہو کر خرید و فروخت کا عمل انجام دیتے ہیں، اس کی بے شمار قسمیں بتائی جا سکتی ہیں، جتنی اشیا اتنے بازار، لیکن ان تمام بازاروں کو ہم درج ذیل بازاروں میں تقسیم کریں گے،

(۱) صَرف بازار (Consumption Market) (۲) زر بازار (Money Market or Banking) (۳) سرمایہ بازار (Capital Market)

آیئے ان تینوں بازاروں میں زر یعنی Money کا کیا عمل دخل ہے اس کا جائزہ لیں۔

(۱) صَرف بازار: اس بازار میں صارفین وہ اشیا خریدتے ہیں جنھیں وہ خریدنا چاہتے ہیں یا انھیں خریدنا پڑ جاتا ہے، اس شے کی طلب اور رسد زر کی شکل میں اس کی قیمت متعین کرتے ہیں اس قیمت پر خریدنے کا فیصلہ خریدار اس وقت کرتا ہے جب اس شے سے ملنے والی افادیت (Utility) زر کی مقدار کے برابر ہوتی ہے۔ اگر خریدار کی نظر میں شے کی افادیت کم ہے تو وہ کم خریدے گا یا نہیں خریدے گا۔ اور اگر افادیت زر سے زیادہ ہے تو وہ زیادہ خریدے گا، اسی طرح سے تاجر بھی اپنے نفع و نقصان کے پیش نظر شے کے فروخت کا فیصلہ کرتا ہے۔

دنیاوی بازار میں دونوں فریق (خریدنے اور بیچنے والا) اپنے مفاد کا بھرپور خیال رکھتے ہیں جس کے سبب تجارت میں حسب ضرورت دونوں جائز و ناجائز دونوں طریقوں کا استعمال کرتے ہیں جب کہ اسلامی صَرف بازار میں جائز طریقوں سے تجارت کی ترغیب دی گئی ہے۔ مثلاً جو کپڑا آپ فروخت کر رہے ہیں اگر اس میں کچھ نقص ہے تو خریدار کو آپ نقص بتا کر فروخت کریں اسی طرح سے وزن بڑھانے کے لیے نیچے کے گیہوں کو گیلا کر لیں اور اوپر خشک گیہوں رکھ کر اگر آپ بیچنا چاہتے ہیں تو آخرت میں آپ کی گرفت یقینی ہے۔

اپنے رسالہ ''خیر الآمال'' (تجارت کا جائز طریقہ) میں (جس کا اوپر ذکر کیا گیا) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کسب یعنی تحصیل مال میں صرف روپیہ کا شمار نہیں فرمایا ہے بلکہ طعام یا لباس یا کوئی شے بھی شامل فرمایا ہے، اگر کسی شے کے حصول کا ذریعہ اور اس کی غرض دونوں فرض ہیں تو ایسا کسب دوہرا فرض ہوگا، مثلاً ایک شخص نے حمالی کے ذریعہ کچھ روپیہ کمایا ہے اور اس کے بچے بھوکے ہیں تو اس پر دوہرا فرض یہ کہ وہ اناج خریدے نہ کہ شراب۔ چناں چہ اعلیٰ حضرت کی تحریر کے مطابق صرف بازار میں اپنا روپیہ کیسے خرچ کرنا ہے اس کی پوری پوری رہنمائی صارف حاصل کرتا ہے۔

(II) زر بازار (Money Market or Banking): زر بازار وہ بازار ہے جہاں ''مستقبل میں زر (Money) کے استعمال'' کی خرید و فروخت ہوتی ہے، زر بیچنے والوں کو آپ قرض دینے والا (Money Lender) سمجھ لیجیے مثلاً ساہوکار یا بنک وغیرہ۔ اس کے برعکس زر خریدنے والے کو آپ قرض لینے والا (Borrower) سمجھ لیجیے، بالخصوص سرمایہ دارانہ نظام میں قرض دینے والے ایک خاص منافع پر اپنا زر (Money) قرض لینے والے کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ عام زبان میں اس عمل کو ہم قرض لینے دینے کا عمل کہتے ہیں جو نقصان سے قطع نظر ایک خاص منافع کی شرط پہ منعقد ہوتا ہے، یہ خاص منافع ''سود'' ہے، چناں چہ اس بازار میں سود پر قرض کا لین دین ہوتا ہے، قرض لینے والا اس قرض کو جیسے خرچ کرنا چاہے وہ اسے خرچ کر سکتا ہے، چاہے وہ اسے اپنے صرف (Consumption) پر خرچ کرے چاہے زراعت، تجارت یا صنعت و حرفت پر بہر حال اسے ''سود'' ادا کرنا ہوتا ہے۔

ہندوستان میں قرض مہیا کرنے والے روایتی ادارے بھی ہیں۔ (مثلاً ساہوکار، بنئے، وغیرہ وغیرہ) اور جدید ادارے بھی ہیں مثلاً بنک وغیرہ۔ روایتی ادارے عموماً بہت زیادہ شرح سود پر قرض دیتے ہیں جب کہ جدید اداروں کی شرح سود نسبتاً کم ہوتی ہے، اس کے علاوہ اور بھی کئی وجوہات ہیں جن کے سبب ساہوکاروں (روایتی اداروں) کے مقابلے میں بنک (جدید ادارے) کو قبول عام حاصل ہے۔ (ویسے اول الذکر ابھی بھی بازار زر میں ہیں،) چناں چہ ہم اپنی بات بنک تک ہی محدود رکھیں گے۔

بنک کسے کہتے ہیں؟ بنک ایک ایسا ادارہ ہے جو لوگوں سے ایسی امانت (Deposit) قبول کرتا ہے، جسے چیک کے ذریعہ واپس (Withdraw) لیا جا سکتا ہے اور جسے سود پر لوگوں کو بطور قرض دیا جا سکتا ہے۔

بنکاری نہایت قدیم کاروبار ہے۔ بابل اور روم کی قدیم تہذیبوں میں اس کا حوالہ ملتا ہے۔ اٹلی کی نشاۃ الثانیہ اور پھر ۱۷ ویں صدی عیسوی میں برطانیہ میں جدید خطوط پر بنک کی شروعات ہوئی۔

لفظ بنک غالباً اطالوی لفظ BANCO سے ماخوذ ہے، جس کے معنی بینچ ہے۔ لندن کے لومبارڈ واسٹریٹ میں بینچ پر بیٹھ کر سونار، یہودی وغیرہ لوگوں سے امانت قبول کرتے اور اس امانت کو سود پر حکومت، صناعوں، تاجروں اور دیگر ضرورت مندوں کو بطور قرض دیا کرتے تھے، Lawrence S.Tiller اور William L.Silber اپنی کتاب Principles of Money, Banking and Financial Markets کے ساتویں ایڈیشن کے ص ۱۷۶ پر رقم طراز ہیں کہ (تجارتی) بنک ایک ایسا مالیاتی ادارہ ہے جو کئی مختلف النوع خدمات پیش کرتا ہے جس میں چیکنگ

حسابات اور کاروباری قرض شامل ہیں۔

بنک کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ مالیاتی ادارہ قصیر المدتی قرضے (Short term Loans) سود پر مہیا کرتا ہے۔

سودی بنکوں کی کارگزاریاں: (Functions) ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

(۱) **قبول امانت** (Acceptance of Deposit): بنک چار قسم کی امانتیں قبول کرتا ہے، مثلاً

(i) رواں حسابات (Current Accounts)

(ii) بچت حسابات (Saving Accounts) (iii) میعادی حسابات (Fixed Accounts) (iv) مراجعتی حسابات (Recurring Accounts) ...... جتنی طویل مدت کے لیے امانت رکھی جاتی ہے اتنا ہی زیادہ سودی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

(۲) **قرض کی پیش کش** (Advancement of Loan): یہاں بھی بنک چار قسم کے قرضے سود پر قرض خواہوں کو فراہم کرتا ہے جو ذیل میں بالا اختصار درج ہیں:

(i) نقدی قرض (Cash Draft) (ii) زائد قرض (Over-Draft) یعنی زائد از جمع رقم بطور قرض نکالنا (iii) یک مشت قرض (Loan) (iv) ہنڈی توڑنا (Disconting of Bill of Exchange) اسے آپ منہائی قرض بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۳) **تخلیق زر کی کارگزاری** (Credit Creation Function)

(۴) **غیر بنکاری کارگزاریاں:** اس کی تین قسمیں ہیں جو مندرجۂ ذیل ہیں:

(الف) بطور گماشتہ/ایجنٹ کارگزاریاں (Agency Function)

(ب) عمومی افادیتی خدمات (General Litility Cervices)

(ج) سماجی بنکاری خدمات (Social banking Services)

ان چار کارگزاریوں میں سوائے چوتھی کارگزاری کی بقیہ تمام کارگزاریوں میں بنک سودی کاروبار کرتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بنک بغیر سودی کاروبار کیے درج بالا تمام کارگزاریاں انجام دے سکتا ہے؟

اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔ شریعت نے سود کو حرام قرار دیا ہے اور بیع کو حلال، جدید بنکس کی شریانوں میں غلیظ سودی خون دوڑتا ہے، جب کہ اسلامی بنکوں کے پیکر میں منافع کا صالح خون گردش کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے شریعت کے اس کلیدی ضابطے کا اظہار اپنی تحریر ''تدبیر فلاح ونجات و اصلاح'' (ناشر: نوری مشن مالیگاؤں، ص۱۲) میں یوں فرمایا ہے کہ: ثالثاً بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تواں گر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لیے بنک کھولتے، سود شرع نے حرام قطعی

فرمایا ہے مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب ''کفل الفقیہ الفاھم'' میں چھپ چکا ہے۔

اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد علم معاشیات سے متصادم نہیں ہے، بلکہ اس کے متوازن ہے، شریعت نے ''سو طریقے نفع لینے'' کے جو بتلائے ہیں اس پر ایک زمانے تک اسلامی معیشت کاربند رہی ہے یہ ایک ایسا درس تھا جسے مسلمانوں کی سیاسی غلامی نے ذہنوں سے محو کر دیا تھا، اعلیٰ حضرت نے اس سبق کو پھر سے یاد دلایا ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب زر کا تبادلہ اشیا سے ہوتا ہے تو منافع جنم لیتا ہے، عام بازاروں میں زر کے بدلے تاجر جب اپنی اشیا فروخت کرتا ہے تو اسے منافع حاصل ہوتا ہے جب کہ بنک ایک ایسا بازار ہے جہاں زر کا تبادلہ زر سے ہوتا ہے۔ زر کے ذریعے ایک متعینہ مدت کے لیے زر قرض لینے کے نام پر خریدا جاتا ہے، زر کی یہ خرید و فروخت ایک متعینہ شرح پر ہوتی ہے جسے سود کہا جاتا ہے مثلاً زید نے بکر کے ہاتھوں ۱۰ فی صد شرح سود پر ایک سال کے لیے ایک لاکھ روپے فروخت کیا (یعنی بطور قرض دیا) سال بھر گزرنے پر بکر زید کو ایک لاکھ دس ہزار روپے دینے کا پابند ہے یہ دس ہزار سود ہے لیکن زر کی اس فروخت میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ بکر جو ایک لاکھ روپیہ سال بھر کے لیے حاصل کر کے کاروبار کرتا ہے اس کے منافع میں سے زید دس ہزار کا حق دار تو بن گیا لیکن اگر زید کو کاروبار میں نقصان ہوتا ہے تو اس نقصان کا کیا؟ یہیں پر سودی بنکاری شریعت اسلامیہ سے متصادم ہے اسی سبب سے اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے مگر سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے۔''

آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ کتب فقہ میں نفع لینے کے حلال طریقے کون کون سے ہیں، ان حلال طریقوں کا ایک اجمالی خاکہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

اس بات کو ہم پہلے جان لیں کہ زر بذات خود زر پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، مثلاً زر آپ اپنی تجوری میں رکھیں یا بنک میں اگر استعمال میں نہ آئے تو عددی طور پر اس میں کوئی بھی اضافہ ناممکن ہے جب تک زر کے ساتھ انسانی محنت وصلاحیت روبہ عمل نہ ہو تو عددی طور پر اس میں نہ ہی کوئی اضافہ ہو سکتا اور نہ ہی کوئی کمی۔ چناں چہ زر بذات خود بانجھ ہے۔

کتب فقہ میں نفع لینے کے حلال طریقے: نفع لینے کے حلال طریقوں کا اجمالی خاکہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مضاربت: اس کے مطابق بنک غیر سودی بنیادوں پر سرمایہ فراہم کرے گا۔ کاروبار کرنے والا شخص بنک سے غیر سودی بنیادوں پر سرمایہ حاصل کر کے اپنے کاروبار میں لگائے گا، اور جو نفع حاصل ہوگا وہ

ایک متعینہ تناسب کے حساب سے بنک اور کاروباری شخص کے درمیان تقسیم ہوگا اور اگر کاروبار میں نقصان ہوا تو طے شدہ معاہدے کے تحت بنک وہ نقصان اٹھائے گا،

(۲) مشارکت: اس طریقۂ کار میں دونوں فریق (بنک اور کاروباری شخص) سرمایہ کاری کریں گے اور دونوں مل کر کاروبار کریں گے، اور جو نفع حاصل ہوگا طے شدہ معاہدے کے مطابق دونوں میں تقسیم ہوگا، اور اگر نقصان ہوتا ہے تو ہر فریق اپنے اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کے تناسب سے نقصان اٹھائے گا۔

(۳) مرابحہ: یہ طریقۂ کار بڑا سیدھا سا ہے، جو ایک مثال سے آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے، مثلاً زید کو اپنے کارخانے کے لیے ایک مشین درکار ہے، جس کی آج بازار میں قیمت دس لاکھ روپے ہے آج زید اتنی بڑی رقم یک مشت خرچ کرکے مشین خریدنے کی پوزیشن میں نہیں ہے، غیر سودی بنک آج دس لاکھ کی یہ مشین خرید کر زید کے ہاتھوں بارہ لاکھ روپے میں اس رعایت کے ساتھ فروخت کرتا ہے کہ وہ یہ بارہ لاکھ روپے سال بھر میں قسط وار ادا کرے، مثلاً ہر ماہ ایک لاکھ روپے۔ ایسا کرنے سے بنک نے دو لاکھ روپے کما لیا۔

غیر سودی بنک کا یہ طریقۂ کار سب طریقوں سے زیادہ مقبول طریقہ ہے۔

(۴) بیع موجل: اس طریقۂ کار میں اپنے خریدار زید کو تاخیر سے ادائیگی کی سہولت کے ساتھ بنک ایک سامان فروخت کرتا ہے۔ لیکن یہ ادائیگی قسطوں میں نہیں بلکہ یک مشت ہوتی ہے۔ مثلاً بنک دس لاکھ کی ایک مشین خرید کر زید کو بارہ لاکھ روپے میں ایک سال کی ادائیگی کی مہلت کے ساتھ فروخت کرتا ہے۔ سال کے گزرنے پر زید بارہ لاکھ روپے بنک کو ادا کرے گا چناں چہ بنک نے دو لاکھ روپے کما لیا۔

مرابحہ اور بیع موجل میں ایک اور فرق ہے، مرابحہ میں فروخت کی گئی شے کی قیمت خریدار کو معلوم ہوتی ہے جب کہ بیع موجل میں بنک کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی قیمت خرید سے خریدار کو آگاہ کرے۔

بعض فقہا نے بنک کے ذریعے کمائے گئے اس دو لاکھ روپیہ کو سود قرار دیا ہے جب کہ فقہائے احناف نے اس بنیاد پر جائز قرار دیا ہے کہ فروخت کرنے والا شخص اپنا سامان جس قیمت پر چاہے فروخت کرسکتا ہے۔ یہ خرید و فروخت ویسی ہی ہے جیسی کہ عام طور پر بازاروں میں کسی شے کا تبادلہ زر سے کرکے تاجر منافع کماتا ہے۔

یہاں بتلانا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ مضاربت اور مشارکت کے مقابلے میں مرابحہ اور بیع موجل بنکوں میں زیادہ منافع بخش اور مقبول طریقۂ کار رہے ہیں۔

(۵) بیع سلم: اس طریقۂ کار میں خریدار قیمت پہلے ادا کرتا ہے اور مال بعد میں طے شدہ متعینہ مدت پر بنک خریدار کو دیتا ہے اس کی ایک صورت اور بھی ہے جسے بیع استصنا کہتے ہیں جس کے مطابق خریدار

سامان کی قیمت کی پیشگی ادائیگی کرتا ہے اور فروخت کرنے والا اس سامان کو تیار کرکے خریدار کو بعد میں مہیا کرتا ہے۔

بیع سلم اور بیع موجل ایک دوسرے کی ضد ہیں بیع سلم میں قیمت پہلے ادا کی جاتی ہے، سامان بعد میں ملتا ہے جب کہ بیع موجل میں سامان پہلے مل جاتا ہے قیمت بعد میں ادا کی جاتی ہے۔

(۶) اجارہ: اس طریقۂ کار میں بنک اپنے مالکانہ حقوق کی ایک شے (مثلاً رہائشی مکان) کسی کو کرائے پر دے اور ساتھ ہی ساتھ اسے اسی شخص کے ہاتھوں فروخت بھی کردے۔ لیکن اس شے کی قیمت قسطوں میں کرائے کے ساتھ وصول کرے۔

مثلاً ماضی میں بنک نے ایک مکان دس لاکھ روپے میں خریدا تھا اور آج زید کے ہاتھوں اسی مکان کو بارہ لاکھ روپے میں بنک سال بھر کی مدت ادائیگی کے ساتھ فروخت کرنا چاہتا ہے۔ اور ساتھ ہی سال بھر کے لئے زید کو ہی کرائے پر دینا بھی چاہتا ہے، اگر زید اس پر راضی ہے تو وہ ہر ماہ بنک کو (مکان کی قیمت کا ایک لاکھ روپیہ اور مکان کے کرائے کا دس ہزار روپیہ) ایک لاکھ دس ہزار روپے ادا کرے گا۔ سال بھر میں تمام ادائیگیوں کے بعد مکان کے مالکانہ حقوق بنک زید کے نام منتقل کردے گا اس طرح بنک (مکان کی قیمت پر دو لاکھ روپے اور مکان کے کرائے کے نام پر ایک لاکھ بیس ہزار روپے) تین لاکھ بیس ہزار کما لیتا ہے۔

مضاربت اور مشارکت کے مقابلے میں بقیہ تمام طریقۂ کار منافع کمانے کے لیے کہیں زیادہ بہتر ثابت ہوتے رہے ہیں۔ اول الذکر دونوں طریقوں سے بہ مشکل پانچ فی صد منافع بنک کو ملتا ہے جب کہ تمام تر منافع دوسرے طریقۂ کار سے حاصل ہوتے ہیں۔

سودی بنک کے حصول زر کے ذرائع: اجمالاً انھیں یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

(۱) جدید بنک شیئر فروخت کرکے زر کی فراہمی کرتا ہے، جسے وہ سودی کاروبار میں لگاتا ہے۔

(۲) سود کی لالچ دے کر مختلف حسابات (Accounts) کے نام پر (جیسا کہ اوپر درج کیا جاچکا ہے) امانتیں جمع کرتا ہے۔

(۳) حسب ضرورت دوسرے بنکس اور مالیاتی اداروں سے بھی قرض وغیرہ لے سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

بہر حال ان تمام ذرائع کا تعلق سودی کاروبار سے ہے، جو غیر سودی بنکوں کے لیے قطعی طور پر نا قابل قبول ہیں۔ غیر سودی بنک انھیں ذرائع سے زر کی فراہمی کرسکتا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہوگا کہ کسی بھی ذریعہ سے حاصل کیا گیا زر سود کی لالچ کے بجائے نفع اور نقصان میں حصہ داری کے نام پر ہوگا۔ چناں چہ کچھ مال دار حضرات (جیسا کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے کہ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تواں گر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بنک کھولیں نیز مقدمہ بازی، غیر پیداواری اخراجات

پر لگام لگا کر) رقم پس انداز کریں۔ یہ رقم بنک کے شیئر خریدنے اور بنکوں میں بطور امانت (Deposit) رکھنے کے لیے استعمال کی جاسکتی ہے اسی طرح غیر سودی بنک دوسرے غیر سودی مالیاتی اداروں اور بنکوں سے زر کا حصول کرسکتا ہے، بہر حال ان حصول زر کی بنیاد سود کی بجائے نفع ونقصان میں حصہ داری پر ہوگی۔

اسی طرح سے غیر سودی بنک نفع ونقصان میں حصہ داری کی بنیاد پر تخلیق زر (Credit Creation Function) کی انجام دہی بھی کرسکتی ہے، (غیر سودی بنک کے اس کارگزاری پر گفتگو بہت طوالت طلب ہے، اس عنوان پر پھر کبھی گفتگو کی جائے گی۔

غیر سودی بنک کی غیر بنکاری کارگزاریاں (Non-Banking Functions): اپنے گاہکوں کی درخواست پر بنک یہ خدمات ادا کرتا ہے ان کارگزاریوں کو درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(الف) بطور گماشتہ/ایجنٹ کارگزاریاں (Agency Functions)

(ب) عمومی افادیتی خدمات (General Utility Services)

(ج) سماجی بنکاری خدمات (Social Banking Services)

آیئے غیر سودی بنکوں کے ان کارگزاریوں کا مختصراً جائزہ لیں:

(الف) **بطور گماشتہ/ایجنٹ کارگزاریاں**: بنک بطور ایجنٹ بھی اپنی خدمات انجام دے سکتا ہے اور ان کے عوض "معاوضہ خدمت" (Service Charge) وصول کرکے اپنی آمدنی میں اضافہ کرسکتا ہے اس ضمن میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

☆ مالیاتی دستاویزات مثلاً چیک، ہنڈی وغیرہ جمع کرنا اور ان کی ادائیگی کرنا اگر سودی لین دین نہیں ہے تو

☆ رقومات کی منتقلی بحوالہ مقام وافراد

☆ اپنے کھاتے داروں کے اکاؤنٹ سے قرض، بجلی کے بل وغیرہ کی ادائیگی

☆ بطور متولی یا ناظم وصیت ناموں کا نفاذ

☆ حصص (Shares) وغیرہ کی خرید وفروخت اور ان پر ملنے والے منافع کو اپنے گاہکوں کی جانب سے وصول یابی،

(ب) **عمومی افادیتی خدمات**: ان اقدامات کے صلے میں بھی معاوضہ خدمت (Service Charge) حاصل کرکے بنک اپنی آمدنی میں اضافہ کرسکتا ہے۔ مثلاً:

☆ اپنے گاہکوں کے نام پر ذاتی اور تجارتی خط اعتبار (Latter of Credit) بنک جاری کرسکتا ہے تا کہ اس خط کی بنیاد پر گاہک بازار میں روپیوں کے بغیر بھی لین دین کرسکے۔

☆ اپنے گاہک کے لیے زرمبادلہ (Foreign Exchange) کی خرید وفروخت بنک کرسکتا ہے۔

☆ مناسب اجرت پر گاہک کو "محفوظ تحویل" (Safe Deposite) کی سہولت بہم پہنچا سکتا ہے۔

☆ کاروبار میں درکار تجارتی وصنعتی اعداد وشمار اور دیگر معلومات کاروباری شخص کو مہیا کرسکتا ہے۔

☆ سفری چیک جاری کرسکتا ہے۔

☆ عوامی اداروں کے ذریعہ لیے گئے قرضوں کی واپسی کی تحریری ضمانت بنک دے سکتا ہے، اگر یہ قرض غیر سودی ہو تو۔

(ج) **سماجی بنکاری خدمات**: فی زمانہ سماجی بنکاری خدمات نامی ایک نیا باب بنک کی کارگزاریوں میں شامل ہوگیا ہے۔ بنک کچھ خدمات ادا کرکے سماج سے اگر منافع کماتا ہے تو سماج کے لیے کچھ ایسی خدمات بھی اسے ادا کرنا چاہیے جو منافع کے بغیر ہو۔ بنک اگر چہ ایک منافع کمانے کے مقصد سے قائم کیا گیا ایک کاروباری ادارہ ہے لیکن آج اس سے یہ توقع بھی رکھی جارہی ہے کہ منافع کے بغیر بھی یہ ادارہ سماج کو کچھ خدمات دے۔ ان خدمات کا کوئی عوض جدید بنکوں کو نہیں ملتا اس کے برعکس کچھ نہ کچھ اخراجات کا بوجھ بنک کے خزانے پر ضرور پڑتا ہے چناں چہ بادل نخواستہ جدید بنکوں کو اس کام کا بوجھ ڈھونا پڑتا ہے۔

اسلامی اصولوں پر اگر غیر سودی بنک اس کام کی انجام دہی کرے تو یہ کام اسے بوجھ نہیں معلوم ہوگا بلکہ اس کے کارندوں کے لیے اطمینان قلب کا سبب بنے گا نیز بنک کے خزانے پر بھی کوئی بوجھ نہیں پڑے گا۔

صاحب نصاب افراد پر اسلام نے زکوۃ فرض قرار دیا ہے، اسلام صدقات وخیرات کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ زکوۃ وصدقات وخیرات کی راہ سے اسلام دولت کی مساویانہ تقسیم کے بجائے منصفانہ وعادلانہ تقسیم کو ترجیح دیتا ہے غیر سودی بنک ان مدات میں آئی ہوئی رقومات سے ایک الگ محکمہ قائم کرسکتا ہے اور شریعت کی روشنی میں غریبوں، قلاشوں، یتیموں، بیواؤں، معذوروں، مسافروں، اور دیگر مستحقین کی منظم طور پر مالی اعانت کرسکتا ہے۔

(III) **سرمایہ بازار**: یہ تیسرا اہم بازار ہیں جہاں عصری معیشت میں زر اپنا گراں قدر رول ادا کرتا ہے آیئے پہلے ہم نہایت اختصار کے ساتھ اس بازار کے معنی اور ہیئت کا جائزہ لیں۔

سرمایہ بازار یعنی کیا؟ عام فہم الفاظ میں سرمایہ بازار وہ بازار ہے جہاں سرمائے کا لین دین ہوتا ہے اس لین دین میں عیاں خانوں کے ساتھ ساتھ نہاں خانوں میں بھی "زر" (Money) کی کرم فرمائی ہوتی ہے۔ زر بازار (Money Market) کاروبار وضروریات پر صرف کرنے کیلیے اگر قصیر المدتی (Short Term) صرفہ بشکل زر مہیا کرتا ہے تو سرمایہ بازار کاروباری وتجارتی مقاصد

کے لیے کثیر المدتی (Long Term) صرفہ بشکل زر فراہم کرتا ہے۔

Thomas Mayer, J.S.Duesenberry and Robert Z.Aliber اپنی کتاب Money, Banking and The Economy کے دوسرے ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۱۲۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ (ترجمہ) ''سرمایہ بازار فاضل (آمدنی) رکھنے والی اکائیوں سے خسارہ (آمدنی) رکھنے والی اکائیوں کی طرف فنڈ کو بڑے پیمانے پر منتقل کرتا ہے۔''

L.R.Ritter and W.L.Silber اپنی کتاب Principles of Money,Banking and Financial Markets کے ساتویں ایڈیشن کے صفحہ ۲۵ پر سرمایہ بازار کے تعلق سے رقم طراز ہیں کہ (ترجمہ) ''مالیاتی (سرمایہ) بازار بچت کر کے قرض دینے والوں اور قرض لے کر خرچ کرنے والوں کے درمیان (سرمایہ) ارسال کرنے کی ترکیب ہے۔'' انھیں دونوں ماہرین کے مطابق سرمایہ بازار طویل مدتی تحفظات (Long Term Securities) اور زر بازار مختصر مدتی تحفظات (Short Term Securities) کے حوالے سے جانے جاتے ہیں۔ سال بھر سے زائد مدت کو طویل مدت سمجھا جاتا ہے۔ اسٹاک مارکیٹ سرمایہ بازار کا نہایت اہم حصہ ہے۔

مشترک سرمایہ کمپنی (Joint Stock Company) اپنے جیسی بہت ساری اکائیوں میں سے ایک ہوتی ہے جو سرمایہ بازار سے حصول سرمائے کے لیے جڑی ہوئی ہوتی ہے۔

ایک مشترک سرمایہ کمپنی سرمایہ بازار سے کس طرح سرمایہ حاصل کرتی ہے؟

یہ کمپنی سرمایہ بازار میں اپنے حصص (Shares) اور تمسکات (Debentures) فروخت کر کے سرمایہ حاصل کرتی ہے، آیئے اس کے طریقۂ کار پر ایک نظر ڈالیں۔

حصص (Shares): مشترک سرمایہ کمپنی حصص فروخت کر کے سرمایہ حاصل کرتی ہے۔ یہ حصص دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اول- ترجیحی حصص، (Preferencial Shares) دوم- عام حصص (Equity Shares)، آیئے ان دونوں حصص کا جائزہ لیں۔

اول- ترجیحی حصص: مشترک سرمایہ کمپنی (Joint Stock Company) کے قیام کے لیے کچھ افراد آگے آتے ہیں۔ ابتدائی قانونی اور مالیاتی معاملات کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر کمپنی قائم کرتے ہیں۔ یہ حضرات کمپنی کو جو رقم فراہم کرتے ہیں اس کے عوض میں کمپنی کے ترجیحی حصص (Preferencial Shares) کے حق دار ہو جاتے ہیں۔ کمپنی کو نفع ملے یا نقصان، ترجیحی حصص رکھنے والے حضرات مستقبل میں ہر سال ایک متعینہ شرح کے مطابق کمپنی سے منافع حاصل کرتے ہیں اس منافع کو Dividend (منافع میں حصہ) کہا جاتا ہے۔

Dividend منافع میں ایک حصہ ہے لیکن اپنے اصل کے اعتبار سے یہ سود ہی ہے۔ کیوں کہ Dividend کا تعلق کمپنی کو ملنے والے منافع سے ہی ہوتا ہے لیکن کمپنی کے نقصان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کمپنی کو چاہے نفع ملے یا اسے نقصان اٹھانا پڑے ترجیحی حصص رکھنے والوں کو بہر حال ایک متعینہ شرح کے مطابق Dividend ضرور ملتا ہے۔ سچ پوچھو تو شریعت کی روشنی میں Dividend کا لبادہ اوڑھے ہوئے یہ سود (Interest) ہی ہے۔

ترجیحی حصص رکھنے والوں کو Dividend نامی یہ خصوصی فائدہ کمپنی کیوں دیتی ہے؟

اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً

(الف) عام حصص کے فروخت سے پہلے بڑی مقدار میں کچھ حضرات اپنا سرمایہ کمپنی کے سپرد اس وقت کر دینے کا خطرہ (Risk) مول لیتے ہیں جب یہ کمپنی رحم مادر سے نوزائدہ طفل کے درمیانی دور سے گزرنا شروع ہوتی ہے، وجود میں آنے کے بعد بھی یہ نوزائدہ طفل انتہائی نگہداشت کا مستحق ہوتا ہے اور وہ لوگ یہ ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔

(ب) ترجیحی حصص ایک طرح کا ''ترغیبی صلہ'' ہے جو ان حضرات کو ملتا ہے جو کمپنی کو قائم کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہیں۔ کمپنی کے قیام کے تعلق سے تمام ابتدائی کارروائیاں کرنا، قانونی معاملات کی تکمیل کرنا، کمپنی کے لیے دیگر مالیاتی اداروں کے سامنے فضا ساز گار کرنا، کمپنی کے لیے عوام میں اعتبار اور خیر خواہی (Goodwill) پیدا کرنا، ایسے کئی اہم امور کی انجام دہی کی ذمہ داری کاروباری دنیا میں مالی منفعت کے بغیر متصور نہیں۔ چناں چہ نئی کمپنی کے قیام کے لیے لوگ آگے آئیں اس لیے ترجیحی حصص کے نام سے یہ ''ترغیبی صلہ'' (Inducement Gift) ان حضرات کو میسر ہوتا ہے۔

اسے کوئی بھی نام دیا جائے ترغیبی صلے کے نام پر ملنے والا یہ منافع شریعت کی نظر میں بہر حال ''سود'' ہے۔ کیوں کہ کمپنی کے نفع اور نقصان کے ساتھ یہ تغیر پذیر نہیں ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے ہونا تو یہ چاہیے کہ اگر کمپنی کا نفع بڑھتا ہے تو اسی تناسب سے ان کا Dividend بڑھے اور اگر کمپنی نقصان اٹھاتی ہے تو مضاربت/مشارکت کے اصول کے مطابق جس کا جتنا زیادہ سرمایہ، تناسب کے اعتبار سے نقصان میں اس کا اتنا ہی زیادہ حصہ ہو۔ یہاں فقہائے عظام سے میں ایک رہنمائی کا خواستگار ہوں۔ کیا شریعت میں ایسی کوئی گنجائش ہے کہ کمپنی کے قیام کے لیے پہل کرنے والوں کو (جنھیں آج ترغیبی صلہ مل رہا ہے) کوئی ایسا ترغیبی صلہ دیا جا سکتا ہے جو سود نہ ہو؟ میرا قیاس ہے کہ شریعت میں ایسی کچھ راہیں نکالی جا سکتی ہیں مثلاً کمپنی کو نفع ملنے کی صورت میں خصوصی مراعات، خصوصی نذرانے، خصوصی انعامات جیسی خصوصی نوازشات وغیرہ۔ اس سال یہ خصوصی نوازش موقوف قرار دی جائے جس سال کمپنی نقصان

سے دوچار ہوتی ہے۔ع

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

دوم- عام حصص (Equity Shares): کمپنی سرمایہ بازار (Stock Exchange Market) میں اپنے حصص فروخت کرتی ہے۔کوشش یہ کی جاتی ہے کہ ایک حصہ (Share) کی قیمت کم سے کم رکھی جاتی ہے تا کہ کوئی بھی اسے خرید سکے۔کبھی کبھی کمپنی براہ راست سرمایہ بازار میں اپنے حصص فروخت کرتی ہے اور کبھی اسٹاک بروکرس/ ایجنسی کے ذریعے فروخت کرواتی ہے۔حصہ (Shares) خریدنے کے بعد خریدار کمپنی کا حصے دار (Shareholder) بن جاتا ہے اور اتنی رقم کمپنی میں کاروبار کرنے کے لیے جمع ہو جاتی ہے۔اسٹاک بروکر کے پاس برائے فروخت رکھے ہوئے حصص میں سے کچھ مالیت کے حصص اگر غیر فروخت شدہ رہ جاتے ہیں تو وہ اتنا سرمایہ کمپنی کو فراہم کر دیتا ہے اور مستقبل میں ان حصص کو فروخت کرتا رہتا ہے۔بہر حال کمپنی سے جاری کیے گئے حصص کسی بھی صورت میں کمپنی واپس نہیں خریدتی سوائے اس کے کہ کمپنی کا دیوالیہ پٹ جائے۔

ایک حصے دار (Shareholder) جب تک چاہے حصص اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور سالانہ Dividend (منافع میں حصہ) حاصل کر سکتا ہے اور جب چاہے بازار قیمت پر اپنے حصص فروخت کر کے اپنا سرمایہ بازار سے نکال سکتا ہے۔

اس بات کا احتمال ہے کہ کمپنی کسی سودی کاروبار میں ملوث ہو جائے (مثلاً کسی بنک یا انشورنس کمپنی سے اپنا اثاثہ بیمہ (Underwrite) کروائے) تو ایسی کمپنی کے حصص خریدنے کا مطلب ہے سودی کاروبار میں مدد کرنا،شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔اس لیے ان کمپنیوں کے حصص نہیں خریدے جاسکتے۔بصورت دیگر حصص خریدنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی کمپنی سودی کاروبار کے کانٹوں سے اپنا دامن فی زمانہ بچا سکتی ہے؟ یہ ایک امر محال محسوس ہوتا ہے۔لیکن ایسا ہونا ناممکن بھی نظر نہیں آتا۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے رسالے ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' میں تحریر فرمایا ہے کہ:''بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تواں گر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بنک کھولیں۔'' اسی تجویز سے حوصلہ پا کر یہ مشورہ دینے کی یہ ناچیز جسارت کر رہا ہے کہ مسلمان مشترک سرمایہ کمپنی (Joint Stock Company) قائم کرنے کی انھیں خطوط پر کوشش کریں جن خطوط پر اعلیٰ حضرت نے بنک کھولنے کا مشورہ دیا ہے۔

۱۹ جنوری ۲۰۱۱ء بروز بدھ ممبئی سے شائع ہونے والے کثیر الاشاعت اردو اخبار روز نامہ انقلاب کے صفحہ ۳ پر شائع ایک خبر علم معاشیات کے مجھ جیسے طالب علم کی توجہ کو اپنی جانب کھینچ لیتی

ہے۔یہاں مفتیان وفقہائے کرام کی شرعی رہنمائی کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔خبر یہ ہے کہ پی۔ڈبلیو۔ایم (Pragmatic Wealth Management Pvt.Ltd.) نامی ادارے کی تحریک پر چند علمائے ہند نے (اپنے دعوے کے مطابق) شریعت کی روشنی میں سرمایہ کاری کے میدان میں کچھ اصول بنائے ہیں۔ان کے مطابق ''یہ بات محسوس کی گئی کہ اسٹاک ایکسچنج کی موجودہ صورت حال میں بعض شرعی قباحتیں شامل ہوگئی ہیں لیکن چوں کہ شیئرز کی خرید وفروخت بنیادی طور پر شرکت کی ایک جدید شکل ہے اور شرکت کو شریعت اسلامی نے نا صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔نیز موجودہ بنکنگ نظام اور انشورنس نظام کے مقابلے شیئرز کی خرید وفروخت شرعی اصولوں سے قریب تر ہے۔اس لیے بعض امور کی رعایت کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔اگر چہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان معیار کی رعایت کے ساتھ شیئرز کی خرید وفروخت مکمل طور پر شریعت کے دائرے میں آجاتی ہے۔لیکن چوں کہ سرمایہ کاری کی مروجہ دوسری صورتوں کے مقابلے یہ صورت نسبتاً بہتر ہے اور اس میں کم مفاسد پائے جاتے ہیں۔نیز مسلمان اس وقت خود اپنا نظام قائم کرنے کے موقف میں نہیں ہیں بلکہ وہ مروجہ نظام کا حصہ بننے پر ایک حد تک مجبور ہیں اس لیے موجودہ حالت میں مخصوص شرائط کے ساتھ انھیں قبول کرتے ہوئے عزم بھی رکھنا چاہیے اور کوشش بھی کرنی چاہیے کہ ہم مستقبل میں تمام شرعی مفاسد سے پاک مالیاتی نظام قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔ذیل میں وہ ضوابط ومعیار درج کیے جارہے ہیں۔

(۱) جس کمپنی کا شیئر خریدا جارہا ہو اس کا بنیادی کاروبار حلال ہو۔

(۲) اگر اس کمپنی نے سودی قرض لے رکھا ہو تو وہ بارہ مہینوں کے اور مارکیٹ کیپٹلائزیشن کا ۳۳ رفی صد سے زائد نہ ہو۔

(۳) شیئر خریدتے وقت کمپنی کا نقد (سیال) اثاثہ بارہ مہینوں کے اوسط مارکیٹ کیپٹلائزیشن کا ۳۳ رفی صد سے زائد نہ ہو۔

(۴) کمپنی کا ڈین اگر واجب الوصول ہے تو وہ بھی بارہ مہینوں کے اوسط مارکیٹ کیپٹلائزیشن کے ۳۳ رفی صد سے زائد نہ ہو۔

(۵) اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن جزوی طور پر سود لینے یا اور کسی حرام کام میں ملوث ہو تو حاصل ہونے والی مجموعی آمدنی میں ان حرام ذرائع سے حاصل شدہ رقم پانچ فی صد سے زائد نہ ہو۔''

اپنے تبصرے میں ریٹائرڈ ڈائرکٹر آر بی آئی جناب محمد یعقوب خان نے کہا کہ مسلمانوں کے لیے یہ ایک بہترین موقع ہے۔

انقلاب کے حوالے سے یہ خبر اس مقالے میں میں نے اس لیے شامل کی ہے کہ ہمارے علمائے کرام، مفتیان عظام اس بات کا مشاہدہ کریں کہ درج بالا پانچ تجاویز شریعت کے کس درجے میں

قابل قبول ہیں۔ یا ان تجاویز سے بہتر کوئی اور حل ملت کی رہ نمائی کے لیے کیا پیش کیا جاسکتا ہے؟

تمسکات (Debentures): سرمایہ بازار میں سرمائے کی فراہمی کا تیسرا اہم ذریعہ تمسکات کی فروخت ہے۔ مشترک سرمایہ کمپنی جب بازار سے قرض حاصل کرنا چاہتی ہے تو تمسکات نامی دستاویز بازار میں فروخت کرتی ہے اس کے ذریعے کمپنی قلیل مدتی قرضے حاصل کرتی ہے۔ عموماً کمرشیل بنکس، بیمہ کمپنیاں، افراد اور دیگر مالیاتی ادارے تمسکات خریدتے ہیں۔ اور جب یہ تمسکات پختہ (Mature) ہو جاتے ہیں یعنی اپنی مدت (مثلاً سال بھر) کو پہنچ جاتے ہیں تو کمپنی اپنے تمسکات سود کی ادائیگی کے ساتھ واپس خرید کر قرض کے بوجھ سے سبک دوش ہو جاتی ہے۔ چناں چہ یہ سراسر سودی کاروبار ہے، جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

ایک اور بات! تمسکات خریدتے والے افراد یا ادارے تمسکات کی پختگی (Maturity) سے قبل بھی تمسکات کمپنی کو لوٹا کر قرض کے طور پر دی گئی اپنی رقم واپس لے سکتے ہیں۔ اس صورت میں تمسکات خریدنے والوں کو سود کم ملے گا۔ چناں چہ یہ بھی سودی کاروبار ہے، جس کی اجازت شریعت نہیں دیتی۔

کبھی کبھی کمپنی ایسے تمسکات بھی فروخت کرتی ہے (جس میں شرح سود کم ہو سکتا ہے) جس کی پختگی پر یہی تمسکات حصص میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ دوسری قسم کے تمسکات پہلی قسم کے تمسکات کے مقابلے میں کم شرح سود پر یا کبھی کبھی بغیر کسی شرح سود کے سرمایہ بازار میں قابل فروخت ہوتے ہیں میری ناقص رائے میں ایسے تمسکات جن پر کوئی شرح سود نہیں ہوتا اور جن کی پختگی پر یہ تمسکات حصص میں متبدل ہو جاتے ہیں شرعی طور ان میں سرمایہ کاری کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ علمائے کرام اس معاملے میں رہنمائی فرمائیں۔

اب تک ہم نے ترجیحی حصص، عام حصص، اور تمسکات کے ذریعہ سرمایہ بازار میں سرمایہ کاری کے امکانات سود کے حوالے سے زیر بحث رکھا ہے لیکن اور کچھ عوامل ہیں جو اس میدان خارزار میں دامن گیر ہوتے ہیں تھوڑی سی گفتگو ان پر بھی کرلی جائے۔

سرمایہ بازار میں سرمایہ کاری پر سود کے علاوہ اثر انداز ہونے والے عوامل: سرمایہ بازار میں سرمایہ کاری کرنے سے پہلے جہاں ہم سود سے بچنے کی فکر کرتے ہیں وہیں کچھ اور عوامل بھی ہیں جن کا بہت دھیان رکھنا ہوگا، مثلاً (۱) شریعت نے جن چیزوں کی پیداوار یا تجارت وغیرہ حرام و ناپسندیدہ قرار دیا ہے مشترک سرمایہ کمپنی ایسا کاروبار تو نہیں کر رہی ہے مثلاً شراب و دیگر نشہ آور اشیا کی خرید و فروخت (۲) مشترک سرمایہ کمپنی کوئی ایسا کاروبار تو نہیں کر رہی ہے جس کے تانے بانے وطن دشمنی سے جڑے ہوئے ہیں۔

(۳) کمپنی ایسے کاروبار میں تو نہیں لگی ہے جو غیر قانونی ہو مثلاً کالا بازاری، سٹہ بازاری، اسمگلنگ، اشیا کی ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، ٹیکس چوری، کھلے گھوٹالے وغیرہ۔

(۴) انسانیت دشمن سرگرمیاں، دھوکا دہی، رشوت ستانی وغیرہ۔

شرعی احکام کی روشنی میں اس فہرست کو مزید بڑھایا جاسکتا ہے۔

اہم نوٹ: سرمایہ بازار کے تعلق سے اکثر مقامات پر صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور جناب مفتی نظام الدین رضوی کی مایہ ناز کتاب ''کمپنی کا نظام کار اور اس کی شرعی حیثیت'' سے ناچیز نے بھر پور استفادہ کیا ہے۔ اس کتاب کو مکتبۂ برہان ملت مبارک پور اعظم گڑھ نے شائع کیا ہے۔ میری رائے میں اپنے معیار و مواد کے اعتبار سے یہ نہایت ہی گراں قدر کتاب ہے۔ اس مضمون میں اس کتاب کے حوالے اتنے زیادہ ہیں کہ ان حوالہ جات کا اندراج کرنے کے بجائے ساری کتاب کے پڑھنے کی سفارش کی جاسکتی ہے۔

اختتامیہ: اپنے اس مقالے کا اختتام عزیزم مولانا محمد صادق رضا مصباحی کے ان کلمات پر ختم کرنا چاہتا ہوں جو اپنی معنوی گہرائی اور گیرائی کے اعتبار سے مقالہ نگار کے دل کے کسی کونے میں تپ رہے ہیں اور سسک رہے ہیں ان کے یہ کلمات شاید آپ کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیں:

''پس ماندگی اور خستہ حالی مسلمانوں کو جہاں جہاں تک لے گئی امام احمد رضا کی تصوراتی آنکھوں نے وہاں تک اس کا تعاقب کیا اور مسلمانوں کو اس سے نجات کے لیے ایسا فکری نظام بتایا جو در اصل اہل سنت کی ترقی کا آئینہ خانہ ہے۔ لیکن افسوس آج اس سے شدید بے اعتنائی ہے۔ ان کے نام اور خدمات پر تو اہل سنت جان چھڑک رہے ہیں اور ان کی شخصیت کی سحر طرازی میں وہ اس طرح گم ہیں کہ ان کے افکار و تعلیمات کی انگلی ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے۔ وہ مسلک اعلیٰ حضرت کے نام پر دیوانہ وار ٹوٹے پڑ رہے ہیں لیکن یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں کہ آخر مسلک اعلیٰ حضرت کیا ہے؟......''

''امام احمد رضا قدس سرہٗ سے سچی محبت کا اظہار تو یوں تھا کہ ان کے فکری پہلوؤں پر بھی سنجیدگی سے عمل کیا جاتا......''

(ماخوذ: امام احمد رضا کا فکری نظام اور ہماری بے اعتنائی، از مولانا محمد صادق رضا مصباحی، سہ ماہی افکار رضا ممبئی، ۵۰واں خصوصی شمارہ، صفحہ ۱۹۶-۱۹۷)

☆☆☆

مکاتیب حجۃ الاسلام بنام ملک العلما

پروفیسر مختار الدین احمد
سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد (م ۲۰۱۰ء/۱۴۳۱ھ) مسلم یونی ورسٹی کے لایق وفایق استاذ اور عالمی محقق و ادیب تھے۔ انھیں ان کے والد ملک العلما کے توسط سے امام احمد رضا کا فیضانِ علمی ملا۔ راقم نے ۱۶؍جون ۲۰۰۹ء کو ڈاکٹر موصوف سے ملاقات کی، انھیں ذکر رضا، یاد رضا اور حب رضا سے سرشار پایا، انھیں امام احمد رضا کی دینی و علمی اور تحقیقی خدمات پر قلمی کام سے خاصی دل چسپی تھی، راقم کو کہا کہ ''رضویات'' پر اپنے قلمی سفر کو جاری رکھو۔ ایم اے کے بعد رضویات کے موضوع پر ہی پی۔ ایچ۔ ڈی کرو۔ ڈاکٹر موصوف نے اکابر و مشاہیر اہل سنت میں کئی شخصیات سے شرف ملاقات حاصل کیا اور ان کی زیارت سے شاد کام ہوئے۔ درج ذیل مضمون میں ''مکاتیب حجۃ الاسلام'' کے ضمن میں بڑی اہم اور کار آمد باتیں درج کی ہیں، جن کا مطالعہ اہل تحقیق کے لیے بڑا کار آمد ثابت ہوگا۔ مرتب

علماے کرام خاص طور پر علماے اہل سنت و جماعت میں اپنے بچپن میں جن کی زیارت سے مشرف ہوا یا جن کی صحبت میں کچھ دیر بیٹھنے کی مجھے سعادت حاصل ہوئی ان میں (امام احمد رضا کے صاحب زادگان) حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) اور مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری (م ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حجۃ الاسلام سے شرف نیاز:

حجۃ الاسلام کی زیارت پہلی مرتبہ اپنے مکان ''ظفر منزل'' شاہ گنج پٹنہ میں ہوئی جہاں وہ والد محترم حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی (م ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) کی دعوت پر تشریف لائے تھے اور ہفتہ عشرہ تک قیام پذیر ہوئے تھے۔ اس سفر میں ان کے چھوٹے صاحب زادے حماد رضا خاں عرف نعمانی میاں (م ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء) ان کے ساتھ تھے۔ یہ میرے ہم عمر تھے اس لیے جلد ہی ہم دونوں بے تکلف ہو گئے۔ اس زمانے میں ''ظفر منزل'' میں علماے کرام و صوفیۂ عظام، حضرت کے متوسلین و مسترشدین اور سلسلۂ عالیہ برکاتیہ رضویہ میں داخل ہونے والوں کا ایک ہجوم رہتا تھا، اس لیے ملک العلما کے حکم پر میں نے مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ سے، جہاں میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، ہفتے

عشرے کی چھٹی لے لی تھی اور میں شب و روز حضرت کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اس زمانے کی کچھ باتیں ساٹھ ستر سال گزر جانے پر بھی حافظے میں محفوظ ہیں لیکن ان کا ذکر کسی اور موقع کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔

حجۃ الاسلام کو دوسری بار موضع پوکھریرا ضلع مظفر پور (بہار) میں قریب سے دیکھنے اور ان کے ساتھ تین دن رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ جہاں وہ مولانا ولی الرحمٰن قادری ناظم انجمن نور الاسلام کے اصرار پر حضرت مولانا عبد الرحمٰن محبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) کے عرس اور ان کے مدرسے کے سالانہ جلسے کی صدارت کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہ جلسہ بڑی کام یابی سے تین دن تک ہوتا رہا، آس پاس کے مواضع کے ہزاروں مسلمان رات گئے تک جلسے میں موجود رہ کر علماے کرام کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہوتے رہے۔ علما میں مقامی اور آس پاس کے عالموں اور مقرروں کے علاوہ حضرت ملک العلما، مولانا عظیم اللہ، ان کے صاحب زادگان، مولانا عزیز اللہ اور مولانا علیم اللہ خاص طور پر یاد آتے ہیں۔ اب نئی نسل آخر الذکر تین علماے کرام سے واقف نہیں ہوگی۔ مولانا عظیم اللہ غالباً ضلع بلیا (یوپی) کے رہنے والے تھے اور بہار و بنگال میں واعظ و مقرر کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے۔ ان کا بنگال کے کسی مدرسے سے تعلق تھا اور وہ کلکتہ اور آس پاس کے جوٹ ملوں کے ہزاروں مسلمان مزدوروں اور کاری گروں میں بے حد مقبول تھے۔ مولانا عزیز اللہ، مولانا عظیم اللہ کے بڑے صاحب زادے تھے، دینی جلسوں میں شریک ہوتے تھے اور تقریریں کرتے تھے۔ مولانا علیم اللہ ایک لائق و فائق اور ہونہار نوجوان تھے خوب صورت اور خوش لباس، مجھ سے عمر میں پانچ سات سال بڑے ہوں گے۔ بہت اچھے استاد اور بڑے کام یاب مقرر۔ کئی سال کے بعد جب میں حضرت ملک العلما کا ہم رکاب ہو کر کلکتہ پہنچا اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خلیفہ و مسترشد مولانا حاجی لعل خاں مدراسی (م ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) کے خویش حاجی عبد العزیز خاں (منیجر الحاج زینل علی رضا، جدہ سعودی عرب) کے یہاں ۲۲؍زکریا اسٹریٹ میں مقیم تھا تو مولانا علیم اللہ، حضرت ملک العلما کی زیارت اور ان سے استفادے کے لیے اکثر تشریف لاتے تھے۔ وہ ان دنوں زکریا اسٹریٹ کی مشہور مسجد، مسجد ناخدا میں خطیب تھے، عشا کے بعد روزانہ تفسیر بیان کرتے تھے۔ (وہاں کے امام ایک عرب عالم تھے جن کے کمرے میں، میں نے اور مولوی علیم اللہ نے پہلی مرتبہ عرب قہوہ نوش کیا) وہ وہاں روزانہ عشا کے بعد قرآن پاک کی تفسیر بیان کرتے تھے۔ میں متعدد بار اس مجلس میں شریک ہوا۔ وہ بہت مؤثر تقریر کیا کرتے تھے۔ افسوس ایام شباب ہی میں انھوں نے سفر آخرت اختیار کیا۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے۔

پوکھریرا، اس زمانے میں ایک گاؤں تھا، پوپری ریلوے اسٹیشن سے کچھ دور، علماے کرام ایک قسم کی بیل گاڑی پر جو تانگے سے زیادہ پر تکلف اور آرام دہ تھی، سوار ہو کر کئی گھنٹے میں پوکھریرا پہنچتے تھے۔ حجۃ الاسلام اور ملک العلما کے لیے شاید ٹیکسی کا انتظام تھا۔ ہمارا قیام ناظم مدرسہ مولانا ولی الرحمٰن

کے مکان پر تھا جہاں ان کے بھائی حکیم عطاء الرحمٰن اور صاحب زادگان مولوی محمد حمید الرحمٰن اور مولوی محمد علیم الرحمٰن میزبانی کے لیے موجود رہتے تھے۔ حکیم صاحب بعد کو برسوں پارک سرکس کلکتہ کے پاس ایک مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے، میری ان سے کئی بار وہاں ملاقات ہوئی۔

پوکھریرا میں اس موقع پر لوگ جوق در جوق آس پاس کے مواضع سے آتے رہے اور حضرت حجۃ الاسلام سے شرف بیعت حاصل کرتے رہے۔ صحیح تاریخ یاد نہیں یہ اواخر مئی یا اوائل جون ۱۹۳۷ء کا زمانہ ہونا چاہیے۔ پھر برسوں حضرت کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ ایک بار اوائل جنوری ۱۹۴۰ء میں دہلی سے بریلی حاضر ہوا تو حضرت کی بھی زیارت نصیب ہوئی۔ آخری بار ۱۹۴۳ء میں ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، جب حضرت محدثِ اعظم مولانا سید شاہ محمد کچھوچھوی (م ۱۳۸۳ھ) اور ملک العلما خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ اور مدرسہ منظر اسلام و مدرسہ مظہر اسلام کے بعض مسائل کے حل کے لیے بریلی حاضر ہوئے تھے۔ ملک العلما اپنے اکثر اسفار میں جب میں کم عمر تھا مجھے ساتھ رکھتے تھے۔ میں اس موقع پر بھی ان کے ساتھ موجود تھا۔ ہمارا قیام کئی دن بریلی میں رہا۔ افسوس حجۃ الاسلام سے یہ ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوئی۔

حضرت حجۃ الاسلام ۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳؍ مئی ۱۹۴۳ء کو جوار رحمت میں داخل ہوگئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

مکاتیب حجۃ الاسلام بنام ملک العلما:

مکتوب (۱):

از دفتر جماعت رضائے مصطفیٰ (علیہ افضل الصلاۃ والثنا) خانقاہ عالیہ رضویہ بریلی

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

از خانقاہ عالیہ رضویہ
محلہ سوداگران بریلی

۷۸۶

مولانا المکرم المحترم زیدہ مجدہ!

بعد سلام مسنون، شوق مشحون فقیر دعا کا طالب خیر مع الخیر۔ "یادگار رضا" کے لیے آپ سے عرض داشت کی گئی تھی کہ اپنے قلم جواہر رقم سے مضامین مرحمت فرمایا کیجیے کہ رضویوں کی اعلیٰ شخصیتوں کا یادگار نمائندہ ہو، اور اپنی خدمات ملک و مذہب وقوم کے سامنے بہترین خیالات کے ساتھ پیش کر سکے، اس وقت تک آپ نے کوئی مضمون ارسال نہ فرمایا۔ اب مجبور ہو کر مجھ سے اصحاب شوریٰ نے درخواست

کی اور فقیر کو مکلف ہونا پڑا۔ امید کہ فقیر کی تحریک خالی نہ جائے گی۔

نیز تقویم کے لیے بھی جناب سے گذارش ہوئی تھی، اب صرف بریلی کا وقت درج ہوتا ہے۔ اگر آپ اور بلاد کے تفاوت تحریر فرمادیں گے تو عموم کے ساتھ رسالہ کا امتیاز خاص ہوگا۔ آپ نے کسی کتاب (۱) کے متعلق طباعت کا قصد فرمایا تھا وہ بھی معرض التوا میں ہے۔ عزیزم آپ کو معلوم ہے کہ مطبع اہل سنت، اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کا مطبع خاص ہے اور آپ کو مجھ سے اور مجھ کو آپ سے اختصاص خاص ہے۔ آپ اپنے مطبع سے اپنے شیخ کے مطبع سے اپنے محب مخلص کے مطبع سے معاملہ نہ کریں اور اِدھر اُدھر نیت بھٹکائیں، باوجودیکہ جو دوسرا مطبع لے اسی پر یہ مطبع راضی ہے تو نہایت عجیب ہے، پھر جیسی تصحیح اس (مطبع میں) ہو سکتی ہے کسی مطبع میں نہ ہوگی اور ایک یہ نفع بھی ہے کہ فقیر کی نظر سے بھی کتاب گزر جائے گی جس میں جانبین کا نفع ہے۔ آپ (کے) پاس تخمینہ طباعت (ہوگا......) اس میں جو مناسب سمجھیں کی فرمادیں۔ اگر مطبع کا نقصان نہ ہوگا تو مطبع اسے ضرور قبول کرنے کو (تیار) ہوگا۔

(میرا) وہاں (۲) سے کلکتہ جانے کا خیال ہے، وہاں کے احباب کی خواہش ہے کہ ایک بار صورت دکھا جاؤ، شنبہ کی صبح کو فقیر سہاور ہوگا، چودھری صاحب (۳) کی بی بی حاجہ زائرہ (۴)...... (۵) اقدس مزار اطہر امام اہل سنت وہاں سے لایا جائے گا۔ والسلام

فقیر رضوی غفرلہ
خادم آستانہ عالیہ

(لاہور) میں جلسہ حزب الاحناف ہے اس میں علمائے اہل سنت کی شرکت ہوگی، آپ کو دعوت ضرور بھیجی ہوگی، آپ بھی ضرور ضرور شریک ہوئیے اور جلسہ کو کام یاب بنائیے، اس کا اس وقت مقصد اعلیٰ طہارت حرمین از نجاست ابن سعود ہے، جواب جلد از جلد دیجیے۔ والسلام

مکتوب (۲):

بحمدہ سبحانہ

یکم صفر المظفر ۵۷ء

مولانا المحترم زیدت معالیکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمدہ عزوجل عرس اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز بتاریخ ۲۳، ۲۴، ۲۵؍ صفر المظفر ۵۷ھ مطابق ۲۵، ۲۶، ۲۷؍ اپریل ۳۸ خانقاہ عالیہ رضویہ میں منعقد ہوگا۔ فقیر کی دلی مسرت کا باعث ہوگا اگر جناب والا شریک عرس رضوی ہو کر اکتساب فیوض وبرکات اعلیٰ حضرت قبلہ کریں گے۔ فقیر جناب والا کو دعوت خصوصی دیتا ہے اور متمنی شرکت ہے، امید کہ دعوت فقیر قبول کرتے ہوئے صحیح تاریخ آمد سے مطلع

فرمائیں۔ والسلام مع الاکرام

فقیر محمد حامد رضا خاں غفرلہ
خادم سجادہ وگدائے آستانہ رضویہ

مکتوب (۳):

آستانہ عالیہ رضویہ بریلی
شنبہ ۸ر جمادی الاولیٰ ۵۹ء

مولانا المکرم المحترم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

فقیر بحمدہ القدیر مع الخیر ہے، آپ کی عافیت (کی خبر) پاکر مسرت ہوئی۔ جلسۂ عرس سراپا قدس میں جناب کی یہ تحریک مہتم بالشان تھی (۶) افسوس کہ ہمارا جلسہ نے توجہ نہ کی، فقیر کو مجبوراً جلسہ سے آجانا پڑا تھا ورنہ فقیر کا بھی خیال اس جلسہ میں اس تحریک کا تھا اور اسی غرض سے اس سال عرس شریف میں جناب کو خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا تھا کہ جناب کو اس سے زائد دلچسپی ہے اور حقیقتاً آپ اس کو اپنے کام سے بھی اہم خیال فرماتے ہیں، مگر شومیِ قسمت کہ عرس کے انتظامات کی پریشانی میں، میں اس قدر پریشان رہا کہ نہ جناب سے خاص باتیں کرسکا نہ کما حقہ آپ کی خاطر تواضع کرسکا جس کا بے حد حزن وملال رہا۔ خیر مشیت ایزدی۔ میرا ارادہ تھا کہ بنارس سے پٹنہ آؤں اور حضرت کے فتاویٰ کے چھپنے کے لیے کوئی آسان صورت آپ کے مشورہ سے نکالوں گا۔ لیکن بریلی سے متواتر خطوط آئے اور حضرت والدۂ ماجدہ دامت ظلہا کے کرم نامہ پر مجھے واپس ہونا پڑا۔ یہاں میری دوکریمہ نیک اختر کی شادی وخانہ آبادی مقرر کی جاچکی تھی، بحمدہ تعالیٰ اس سے بخیر وخوبی فراغ حاصل ہوگیا۔ جناب کی یہ مبارک تحریک میرے لیے بہت مسرت افزا ہے اور نہایت مہتم بالشان اور اس کے مہتم بالشان (ہونے) میں کوئی کلام نہیں لیکن بڑے زرکثیر کی ضرورت ہے:

(۱) ترتیب فتاویٰ (۲) تبییض (۳) کتابت (۴) تصحیح (۵) طباعت (۶) اصلاح سنگ (۷) اصلاح پروف (۸) نگرانی کار مطبع

ان سب باتوں کے واسطے تجربہ کار علما اور عملہ کی ضرورت ہے، آج کل بغیر مشین کے طباعت کا کام نہ چل سکے گا کہ پریس مین مفقود ہیں اور مشین چلانے کے لیے بہ کثرت کاپیوں کا تیار ہونا اور کافی تعداد میں کاغذ کا اسٹاک موجود رہنا، مشین مین اور مصلح سنگ وغیرہ کام کرنے والوں کی تن خواہوں کا انتظام، یہ سب ہزاروں روپے کے کام ہیں جسے میں تن تنہا نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے لیے فراہمی سرمایہ اس طرح کی جائے کہ کل مصارف کا تخمینہ کرکے اُس کو حصص پر تقسیم کیا

جائے اور اُن حصص کو احباب اہل سنت خرید لیں تو یہ ایک صورت نہایت خوش نظمی سے (۷)............ (میں خود) بہت کافی حصہ لے سکتا ہوں۔ یہ میری ایک (تجویز ہے)۔ (یہ کام تنہا) ابھی نہیں کرسکتا۔ بہر حال میں اپنی لڑکیوں کے فرض سے سبک دوش ہوگیا اب میرے لیے کوئی فکر ناخن بدل نہیں سوائے اس بار گراں...... کے جو میرے سر ہے، اللہ تعالیٰ اس سے سبک دوش فرمائے آپ دعا فرمائیں۔

اور رسالہ **بذل الصفا** آپ کی پہلی تحریک پر میں نے نقل کرادیا تھا مگر کام کرنے والوں کے تساہل سے اب تک پڑا رہا۔ مولانا نواب مرزا صاحب (۸) نے اب تصحیح کراکرا سے روانہ کردیا ہے غالباً ملا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ فتاویٰ جلد سوم جس کی ترتیب ہوچکی ہے اور میں نے اس کے فوائد بھی کچھ تحریر کیے ہیں وہ آپ کو بھیج دوں، آپ اس کے فوائد وقت فرصت تھوڑے تھوڑے تحریر فرمائیں کہ ایک جلد مکمل ہوجائے، مجھے میرا اجور وپیہ حاصل ہونے والا ہے اگر خدا نے یک مشت دلادیا تو میں یہ خدمت خود ہی کرسکوں گا دعا کیجیے۔

والسلام

عزیزم محترم مولوی مختار الدین سلمہ اور اُن کی والدہ محترمہ وہم شیرگان کو بہت بہت دعائیں، آپ کے لیے اور ان عزیزان کے لیے اپنے اوقات خاصہ میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ دونوں جہان کی دولتوں نعمتوں اور برکتوں سے (انھیں) مالا مال کرے اور دونوں جہان میں شاد وآباد، بامراد رکھے، آمین۔ جناب مداری خاں صاحب (۹) کو سلام ودعا فرمادیں۔

والسلام

آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے لکھنے سے معذور ہوں (۱۰) اس وجہ سے ضروری کاموں میں اور خط کے جواب میں تعویق ہوجاتی ہے اس لیے میں نے وہ جلد فتاویٰ کی آپ کے پاس بھیج دینا مناسب سمجھا۔

فقیر حامد رضا خاں قادری رضوی نوری بریلوی
خادم سجادہ وگدائے آستانہ عالیہ رضویہ محلہ سوداگران بریلی

حواشی

(۱) علم صرف میں رسالہ "عافیہ" جون ۱۹۲۵ء میں لکھی گئی اور ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۸ء میں مولانا حسنین رضا خاں کے اہتمام میں مطبع حسنی بریلی سے شائع ہوئی۔

(۲) یہاں پر چند الفاظ پڑھے نہیں جاتے۔ بنارس یا پٹنہ کے قیام کے بعد کلکتہ کے سفر کا خیال ہوگا۔

(۳) چودھری عبدالحمید خاں صاحب رئیس سہاور ضلع ایٹہ یوپی (۱۸۶۴ء-۱۹۳۶ء) مراد ہیں۔ فقہ حنفی کی

منظوم کتاب کنز الآخرۃ (۱۳۰۹ھ) ان کی مشہور تصنیف ہے۔ جس کا پانچواں ایڈیشن ان کے عزیز، ڈاکٹر ممتاز علی خاں نے دہلی سے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا ہے۔ فاضل بریلوی نے یہ کتاب بالاستیعاب دیکھی تھی اور انھوں نے اس سلسلے میں کچھ قیمتی مشورے بھی دیے تھے۔ چودھری صاحب اور ان کی اہلیہ فاضل بریلوی سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ آصف جاہ سابع کی خدمت میں فارسی میں چودھری صاحب نے مدرسہ منظر اسلام بریلی کی طرف سے چالیس اشعار کا ایک سپاس نامہ پیش کیا تھا جس پر حیدر آباد سے ۲۵۰ر روپے ماہانہ کی رقم مدرسے کے لیے منظور ہوئی تھی جو عرصے تک جاری رہی۔

(۴) یہ خاتون ''حافظ و قاری کلام اللہ'' اور ''زائرۂ روضۂ رسول اللہ'' تھیں۔ سفر حج و زیارت روضۂ مدینہ طیبہ سے مشرف ہونے کے بعد واپسی پر پنج شنبہ ۲۹ر ربیع الاول ۱۳۴۵ھ کو وفات پا گئیں۔ چودھری صاحب نے چالیس شعروں کا ایک طویل فارسی مرثیہ لکھا جو ''زاد الآخرت'' میں درج ہے۔ حجۃ الاسلام ان ہی کی تعزیت کے سلسلے میں سہاور تشریف لے گئے تھے۔

(۵) یہاں چند الفاظ ضائع ہو گئے ہیں۔

(۶) ملک العلما کی تحریک در بارۂ طباعت فتاویٰ اعلیٰ حضرت اور دیگر تصانیف کی اشاعت کے بارے میں ہوگی۔

(۷) یہاں خط کی ڈیڑھ سطریں ضائع ہو گئی ہیں۔

(۸) مولانا مفتی نواب مرزا، ملک العلما کے خاص دوستوں میں تھے۔ میں نے انھیں اپنے بچپن میں دیکھا تھا۔ مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں غالباً مولانا عبد الرشید قادری رضوی کی وفات (۷ر دسمبر ۱۹۳۸ء) پر ایک مدرس کی جگہ خالی ہوئی تھی۔ ملک العلما کی تحریک پر انھوں نے بھی درخواست دی تھی۔ وہ انٹرویو میں بلائے گئے تھے۔ ''ظفر منزل'' شاہ گنج میں ہفتہ عشرہ ان کا قیام رہا تھا۔ کچھ ایسا یاد آتا ہے کہ مولانا وسط ۱۹۳۹ء میں پٹنہ تشریف لائے تھے اور ہفتہ عشرہ ہمارے یہاں مقیم رہے۔ تقرر مولوی حفیظ الرحمٰن رمضان پوری کا ہوا جو بعد کو مدرسے کے پرنسپل مقرر ہوئے۔

(۹) حجۃ الاسلام ۱۹۴۰ء میں پٹنہ تشریف لائے تھے۔ ابتدا میں ''ظفر منزل'' میں مقیم ہوئے تھے پھر پٹنہ سٹی (قدیم عظیم آباد) کے مخلصین و مسترشدین کے اصرار پر وہاں کے ایک تاجر جناب مداری خاں صاحب کے یہاں فروکش ہوئے۔ ان کا پورا خاندان سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ سے منسلک تھا۔ یاد آتا ہے کہ مداری خاں صاحب، ملک العلما کے ساتھ ایک سال عرس شریف میں بریلی بھی حاضر ہوئے تھے۔

(۱۰) یہ خط مولوی عزیز الرحمٰن صاحب حامدی کے ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے جو ان دنوں بریلی میں تھے۔ مولوی صاحب، مولانا احسان علی مظفر پوری، مدرس مدرسہ منظر اسلام بریلی کے عزیزوں میں تھے اور برسوں پٹنہ میں رہ کر انھوں نے ملک العلما سے علمی فیوض حاصل کیے تھے۔ ☆☆☆

تاج دار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند نوری

کلیم احمد قادری
دھرن گاؤں، ضلع جل گاؤں

اطاعت خدا اور رسول میں مجسم، استقامت فی الدین کا جبل عظیم، زہد و تقویٰ کا نیر تاباں، علم و فضل کا پیکر جمیل، حکمت و دانش کا سمندر اور نگاہ بلند، سخن دل نواز، تاباں کردار ایسے کئی اوصاف جب یک جا ہوتے ہیں تو تاج دار اہل سنت مفتی اعظم علامہ محمد مصطفیٰ رضا نوری کا سراپا سامنے آتا ہے۔ امام احمد رضا کے اس عظیم شہزادے نے اپنی حیات مستعار سے اسلام کی وہ خدمت انجام دی جس سے ایمان و ایقان کی فصل لہلہا اٹھی اور مخالفین اسلام کے حوصلے مجروح ہو گئے۔ آپ کی روحانی تربیت نور العارفین، قدوۃ الواصلین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری نے کی جن کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے یوں فرمایا:

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین
سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابوالحسین

ولادت مبارک:

آفتاب علم و فضل کے حضور مفتی اعظم کی ولادت ۲۲ر ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۷ر جولائی ۱۸۹۳ء بہ روز جمعہ بہ وقت صبح صادق علامہ حسن رضا خاں قادری کے دولت سرائے اقدس پر رضا نگر محلہ سوداگران بریلی میں ہوئی۔ والد گرامی نے آپ کا نام ''محمد'' تجویز فرمایا اور اسی نام پر عقیقہ بھی ہوا۔ جب کہ شیخ طریقت حضرت نوری میاں مارہروی نے آپ کا نام ابوالبرکات محی الدین جیلانی تجویز فرمایا۔ والد ماجد نے ہی عرفی نام ''مصطفیٰ رضا'' رکھا اور فن شاعری میں آپ نے اپنا تخلص ''نوری'' پسند فرمایا اور عرفی نام ہی مشہور ہوا اور بعد میں مفتی اعظم کے لقب سے شہرت پائی۔

بیعت و خلافت:

حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ عنہ ۲۵ر جمادی الثانی ۱۳۱۱ھ کو جب بریلی شریف تشریف لائے تو آپ کی عمر شریف چھ ماہ تین دن تھی۔ نوری میاں نے آپ کو دیکھا مسرت کا اظہار فرمایا اور اپنی انگشت شہادت آپ کے دہن مبارک میں ڈالی۔ آپ چوسنے لگے گویا نوری میاں نے سب کچھ پلا کر نور علیٰ نور بنا دیا۔ آپ نے اسی وقت داخل سلسلہ فرمایا اور جملہ سلاسل کی اجازت و

خلافت سے سرفراز فرمایا اور اعلیٰ حضرت کو مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا ''یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے۔ اس کی نگاہوں سے لاکھوں گم راہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا۔'' [۱]

مزید برآں عالم اسلام کی عبقری شخصیت، نابغہ روزگار، وحید عصر امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ان کو پچیس سلاسل اولیا و سلاسل قرآن و سلاسل حدیث کی اجازت عطا فرمائی...... نیز ان تمام ''سلاسل رضویہ'' کی اجازت عطا فرمائی جو الاجازات المتینۃ اور فتاویٰ رضویہ میں درج ہیں۔ [۲]

تعلیم و تربیت:

حضور مفتی اعظم کی اصل تعلیم و تربیت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت نے فرمائی۔ چار سال چار ماہ اور چار دن کی عمر میں خود اعلیٰ حضرت نے آپ کی رسم تسمیہ خوانی فرمائی اور اپنے بڑے صاحب زادے حضور حجۃ الاسلام کو جو حضور مفتی اعظم سے ۱۸ رسال بڑے تھے آپ کی تعلیم و تربیت ونگہ داشت کے لیے خاص طور پر متعین فرمایا۔ خداداد ذہنی صلاحیت سے تین سال میں تکمیل ناظرہ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ ضروری عقائد واعمال کا بھی علم حاصل فرمالیا۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا رحم الٰہی منگلوری، مولانا بشیر احمد علی گڑھی، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں علیہم الرحمۃ والرضوان ہیں۔

۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں یعنی ۱۸ رسال کی عمر میں مرکز اہل سنت دار العلوم منظر اسلام سے تکمیل و فراغت پائی۔ فراغت کے بعد پہلا قلم برداشتہ فتویٰ رضاعت کے مسئلے پر لکھا۔ جواب کی صحت پر امام اہل سنت نے مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے **صح الجواب بعون اللہ العزیز الوھاب** لکھ کر دستخط فرمائی اور اسی دن سے فتویٰ لکھنے کی اجازت عطا فرمائی اور خود ہی ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن محمد عرف مصطفیٰ رضا کی مہر بنوا کر عطا فرمائی۔ فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اس فتاویٰ کے متعلق فرماتے ہیں ''یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بھی پہلا فتاویٰ رضاعت ہی کا لکھا تھا اور ان کے آئینہ جمال وکمال مفتی اعظم نے بھی پہلا مسئلہ رضاعت ہی کا لکھا اور خاص بات یہ ہے کہ اس پہلے فتویٰ پر اعلیٰ حضرت نے نہ ایک لفظ گھٹایا اور نہ ایک لفظ بڑھایا کوئی اصلاح نہ کی۔ پہلا فتویٰ ہی حضرت مفتی اعظم ہند نے ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ اس میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ ع

آغاز کا جب یہ عالم ہے انجام کا عالم کیا ہوگا'' [۳]

مقدس سراپا:

حضور مفتی اعظم ہند کا پرنور چہرہ ایسا کہ اک نگاہ پڑتی اور دیکھنے والا دیکھتا رہ جاتا، گویا ایمان تازہ ہو جاتا۔ گورا رنگ، نورانی چہرہ، چوڑی پیشانی، لبوں پر تبسم، گفتگو میں حلاوت، کلام میں لطافت،

جدھر سے گزرتے دیکھ کر لوگ دوڑے چلے آتے تھے۔ کشش و دل نوازی کا عجیب عالم تھا۔ [۴]

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب فرماتے ہیں: ''زندگی میں انھیں سیکڑوں بار دیکھا اور مختلف حالتوں میں دیکھا مگر جب دیکھا جمال و وقار حسن و دل کشی کا مرقع دیکھا اور جس حال میں دیکھا ان کی ہر ادا دل کو بھاتی رہی۔ میں نے ان کو بیٹھ کر تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا ہے اور بیش تر اوقات وہ تعویذ ہی لکھتے رہتے تھے۔ سر پر قیمتی بھاگل پوری عمامہ، جسم پر قیمتی چکن کا نہایت صاف کرتا اس پر سنگھائی پولسٹر یا قیمتی کپڑے کی رنگین صدری، گلے میں گلاب کے پھولوں کا خوش نما ہار، پیر میں علی گڑھی پاجامہ جو چھالٹی کا بھی ہوتا اور ٹیری کاٹ کا بھی۔ جتنا جسم کپڑے سے باہر ہوتا تانہ چونے کی طرح سفید نہ گیہوں کی طرح سرخ بلکہ سفید گیہوں کی طرح دودھیا اور چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک (حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ چمک شب زندہ داروں اور تہجد گزاروں کی علامت ہے) بایاں زانو زمین پر رکھا ہوا اور دایاں کھڑا ہوا اس پر رکھ کر تعویذ لکھتے رہتے تھے۔'' [۵]

شریعت پر استقامت:

حضور مفتی اعظم اتباع شریعت وخشیت ربانی سے معمور تھے اور آپ کا ہر عمل اور ہر ادا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینہ دار تھی۔ سفر ہو یا حضر نماز کی ادائیگی اطمینان وسکون سے فرماتے۔ نمازوں کی پابندی اور خشوع وخضوع سے متعلق بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی فرماتے ہیں:

''خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ پوری نماز میں آپ کے وجود پر عبودیت کی شان اور بندگی کا جمال طاری رہتا تھا۔ دیکھنے والا دور سے ہی فیصلہ کر لیتا تھا کہ ایک مومن قانت نے اپنے مولیٰ کی رضا جوئی کے لیے اپنے پورے وجود کو عجز و درماندگی اور عرض والتماس کے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔'' [۶]

شریعت سے سر مو انحراف آپ کو ہرگز ہرگز گوارا نہ تھا۔ آپ کا پورا وجود اخلاص وللّٰہیت کا آئینہ دار تھا۔ شریعت کے احکام اور طریقت کے رموز پر عمل کی مثال حیات مفتی اعظم سے ملتی ہے، مفتی اعظم ہند علم وعمل کا پیکر اور طہارت وتقویٰ کا سراپا تھے اور وہ سب کے لیے یہی پسند بھی کرتے تھے کہ ہر عالم اور عام مسلمان دین کی تعلیمات سمجھے اور سمجھ کر سچا اور باعمل مومن بن کر زندگی گزارے، وہ ایمان و عقیدہ اعمال واخلاص اور حقوق ومعاملات ہر ایک شعبے میں انحراف وکج روی اور بے اعتدالی کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور اس پر فوراً ٹوکتے اور مخلصانہ اصلاح فرماتے۔ خواہ سامنے کوئی بھی ہو اپنا ہو یا غیر، مسلم ہو یا غیر مسلم، ہم عقیدہ ہو یا بد عقیدہ، عالم ہو یا عامی، امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت۔ [۷]

زہد وتقویٰ:

مفتی اعظم اپنے زمانے کے رئیس الاتقیا بن کر افق ہند پر جلوہ بار ہوئے۔ آپ کے تقویٰ و پرہیز گاری، ولایت ومعرفت کا معترف ایک زمانہ ہے۔ آپ کے تقویٰ کی اعلیٰ مثال فوٹو کی قید کے

باوجود بلافوٹو حج کی سعادت حاصل کرنا ہے۔ آپ نے پہلا حج ۱۹۴۵ء میں، دوسرا ۱۹۴۸ء/ ۱۳۶۷ھ اور تیسرا حج حکومت کی جانب سے فوٹو کی قید کے باوجود بلافوٹو ۱۹۷۱ء/ ۱۳۹۱ھ میں فرمایا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رقم طراز ہیں:

''آپ نے ساری عمر تصویر نہ کھنچوائی مگر حج بیت اللہ کے لیے تصویر تو لازمی تھی۔ کریں تو کیا کریں۔ مولیٰ کے دربار میں مولیٰ کا نافرمان بندہ بن کر حاضر ہونا بھی کوئی حاضر ہونا ہے؟ اللہ اللہ ان کی استقامت نے دنیا کے قانون بدل دیے۔ تصویر سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا اور ایسی شان سے حاضر ہوئے کہ دامت عصمت پر نافرمانی کا ایک دھبہ تک نہ تھا۔'' ۸ اور اسی حج کے دوران زہد و تقویٰ کی ایک اور مثال قائم کی کہ جہاز میں ٹیکہ وغیرہ بھی نہ لگوایا کہ اسپرٹ اور دیگر حرام چیز کی آمیزش نہ ہو۔ آپ کی پوری زندگی زہد و تقویٰ اور شریعت پر استقامت سے عبارت تھی۔

عشق رسول:

عشق رسول جان ایمان ہے۔ یہ وہ دولت ہے کہ جسے مل جائے دونوں جہان میں کام یاب و کامران ہو جائے۔ حضور مفتی اعظم کو یہ نعمت ورثے میں ملی تھی۔ آپ کی حیات عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے پُرنور تھی۔ جانشین مفتی اعظم تاج الشریعہ علامہ شاہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری رقم طراز ہیں:

''سیدی مفتی اعظم حضرت مصطفیٰ رضا قدس سرہ العزیز، رضائے مصطفیٰ تھے اور جو عظمت انھیں حاصل ہوئی محبت رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم ہی کی بنا پر اور بلاشبہ عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا ہی جانِ ایمان ہے۔ حضرت کی سرکار علیہ السلام کے عشق میں فنائیت کا شاہد ان کی زندگی کا ہر ہر لمحہ ہے ان کی محبت رسول میں فنائیت کا صحیح اندازہ اسی بات سے ہوتا ہے کہ آخری عمر میں باوجود شدید علالت کے نعت کی محفل میں گھنٹوں باادب بیٹھے رہتے تھے اور نعت پاک کے ہر ہر مصرعے پر رونا اور والہانہ کیفیت طاری ہونا اس بات کا غماز ہے کہ وہ مصطفیٰ کی محبت میں ضم ہو چکے تھے۔'' ۹

خدمت خلق و حسن اخلاق:

مفتی اعظم ہند علم کا ایک جہان تھے۔ اوصاف و کمالات میں یکتائے زمانہ تھے۔ حسن اخلاق کا دریا تھے۔ طلبا پر مہربان تھے۔ بڑی شفقت و محبت فرماتے۔ علما کی توقیر اور حوصلہ افزائی فرماتے۔ آپ نے دعا و تعویذ سے، وعظ و نصیحت سے، بیعت و ارشاد کے ذریعے تاعمر خدمت خلق کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کے ان اوصاف کی بابت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری فرماتے ہیں:

''علم کا جوہر، عمل کا سمندر، خلوص کا پیکر، وفا کا مصدر، گم راہوں کا رہ بر، ہادیوں کا سرور، محبت کا خوگر، شفقت کا جوہر اپنے عہد میں فائق و برتر، صاحب ممتاز فکر و نظر، اعلیٰ حضرت کا پسر، اہل سنت کا تاج ور مگر قوم و ملت کا ہم دم و ہم درد ایسا کہ کیا غریب اور کیا امیر، کیا رئیس اور کیا فقیر جو چاہتا مل لیتا بلا

تکلف دعا کی درخواست کر دیتا۔ بس عرض کی دیر ہوتی کہ ارشاد کے پھول برسنے لگتے، گزارش ختم ہوتی کہ دعا کے لیے گل کرامت کی پتیاں ملنے لگتیں۔ ملت کا درد، دین کی تڑپ، مسلک کی فکر، قوم کا غم انھیں کہاں کہاں لیے پھرتا تھا۔ بہ آں ضعف و نقاہت جہاں جہاں ضرورت پڑتی کشاں کشاں تشریف لے جاتے۔ جس جگہ پہنچ جاتے خوشیاں امنڈ پڑتیں ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے مسیحا مریض کے پاس آ گیا ہو۔ مشکل کشا حاجت روائی کے لیے پہنچ گیا ہو۔ خورشید اندھیرے میں کھل گیا ہو۔ سمندر پیاسوں کے قریب ہو گیا ہو۔ کسی پریشان کی آنکھوں میں آنسو آئے ان کی روح مضطرب ہو جاتی تھی۔ کسی غریب کی پیشانی پر سلوٹ آئے ان کا دل ٹوٹ جاتا تھا۔ یہ انسانیت نوازی، یہ غریب پروری، یہ بے خبروں کی خبر گیری، یہ بے سہاروں کی حوصلہ افزائی مفتی اعظم کی وہ عظیم صفت تھی جس نے مفتی اعظم کی عقیدت کا دیا طوفان کی زد پر بھی جلائے رکھا ہے۔ جس نے ان کی یادوں کی خوش بوؤں کو کلیجے میں بسائے رکھا ہے۔ اسی لیے آج بھی وہ اپنے مریدوں کی حریم روح میں زندہ ہیں۔ چاہنے والوں کے مشکوۃ دل میں فروزاں ہیں۔'' ۱۰

فتویٰ نویسی:

حضور مفتی اعظم نے پہلا فتویٰ ۱۳۲۸ھ میں رضاعت کے مسئلے پر لکھا اور جب سے اخیر عمر تک یعنی تقریباً پون صدی فتاویٰ نویسی کی خدمت انجام دی جو آپ کا عہد ساز کارنامہ ہے۔ آپ نے بلا خوف لومۃ لائم فتاویٰ نویسی کا کام انجام دیا۔ شریعت مصطفیٰ کی حفاظت کی خاطر برملا فتاوے جاری فرمائے۔ مجموعہ فتاویٰ کا تاریخی نام ''المکرمۃ النبویہ فی الفتاویٰ المصطفویہ'' (۱۳۲۹ھ) ہے۔ آپ کی دیدہ وری، فقہی بصیرت اور فن افتا میں مہارت پر آپ کو مفتی اعظم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ مفتی اعظم ہند بلکہ مفتی اعظم عالم تھے۔ علامہ قمر الزماں خاں اعظمی فرماتے ہیں:

''جب تک ہم نے ہندستان کو دیکھا تھا یہاں کے دارالافتا کو دیکھا تھا اس وقت تک ہم یہ سمجھتے تھے کہ وہ مفتی اعظم ہیں۔ مفتی اعظم ہند ہیں لیکن جب ہم ہندستان سے باہر نکلے اور ہم نے عرب کی سرزمین پر قدم رکھا، ہم نے مصر کے دارالافتاؤں کو دیکھا، سیریا کی درس گاہوں کو دیکھا، لیبیا کے زاویہ کو اور خانقاہوں کو دیکھا اور مراکش کے دارالافتا کا جائزہ لیا، دار بیضا کا مطالعہ کیا، فاس جو مدینۃ الاولیا ہے وہاں کے بسنے والوں کو دیکھا پھر عرب و عجم کا جائزہ لیا تو مجھے بے ساختہ کہنا پڑا: ع

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

قسم خدا کی حضور مفتی اعظم کا جواب دنیا میں کہیں نہیں تھا۔'' ۱۱

حضور مفتی اعظم کے فتاویٰ میں والد ماجد امام اہل سنت کا انداز بیان، زور استدلال، تحقیق و تدقیق کا کمال و جمال نظر آتا ہے۔ آپ کی فقہی عظمت و بصیرت پر محقق عصر مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی فرماتے ہیں:

''آپ کی ذات بابرکات میں خدائے سبوح وقدوس نے وہ تمام خوبیاں جمع فرمادی ہیں جو ایک کامل فقیہ اور ماہر مفتی میں ہوا کرتی ہیں یعنی وسعت مطالعہ، جزئیات کا استحضار، دلائل کی قوت و ضعف میں امتیاز، شواہد کا احاطہ، متعارض جزئیات میں تطبیق، ترجیح کی قدرت، استخراج کا ملکہ، حالات زمانہ کی رعایت، اہل زمانہ کے حالات سے آگاہی، مسائل کی عقل وفہم کے لحاظ سے گفتگو، جامع اور بہتر تعبیر، اہل زمانہ کے حالات سے آگاہی، مسائل کی عقل وفہم کے لحاظ سے گفتگو، جامع اور بہتر تعبیر، مسائل کے خلجان کا ادراک اور اس کا شافی حل۔ مختصر یہ کہ علمائے اعلام نے فقہا کے جو سات طبقات بیان فرمائے ہیں ان میں سے آپ دوسرے اور تیسرے طبقے کے فقہائے ممیزین و مرجحین کے زمرے سے نظر آتے ہیں۔ ۱۲

آپ نے اپنے وقت کے اہم مسائل ومعاملات میں تاریخی فتوے رقم فرمائے، وہ تحریک گاؤ کشی ہو کہ تحریک خلافت، تحریک جہاد ہو یا تحریک نس بندی آپ نے اس فقیہانہ شان سے فتاویٰ صادر فرمائے کہ اہل باطل کے پرخچے اڑا دیے اور دین وشریعت کا بول بالا ہوا۔ ۱۳۵۴ھ، ۱۹۳۴ء کو مسجد شہید گنج کی بازیابی کے ضمن میں بڑا تاریخی ومفصل فتویٰ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس تحریک میں حصہ لے کر مسجد کو سکھوں سے آزاد کرائیں اور جو لوگ اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں وہ شہید ہیں۔ اسی طرح ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء میں حکومت ہند نے نس بندی کی مہم شروع کی تو حضور مفتی اعظم نے حکومت کے خلاف بڑا تاریخی فتویٰ جاری کیا اور بے باکی اور حق گوئی سے کام لیتے ہوئے اعلان کیا کہ نس بندی حرام ہے جب کہ اکثر علما نے سکوت اختیار کیا اور بہت سے نام نہاد دیوبندی مفتیوں نے سرکاری روش کے حق میں فیصلے دیے مگر مفتی اعظم نے حق کا بہ آواز بلند اعلان فرمایا اور اس بات کی پروا نہیں کی کہ اس کا نتیجہ ان کے حق میں کیا ہوگا؟ اور تاریخ شاہد ہے کہ فیملی پلاننگ کے خلاف فتویٰ دینے کے باوجود ان کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ حضرت کی عمر شریف جہاد بالسیف کے دور سے گزر چکی تھی مگر ان کے قلمی جہاد نے ثابت کر دیا کہ:

آئین جواں مردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی ۱۳

نعتیہ شاعری:

ذوقِ شعر وسخن والد ماجد سے ورثے میں پایا تھا۔ جب آنکھ کھولی تو اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام کو سنا پڑھا اور دیکھا۔ حسان الہند امام احمد رضا کے نعتیہ کلام کا عکس جمیل آپ کے کلام میں ہر جگہ جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری سے متعلق یہ اقتباس لائق مطالعہ ہے:

''سوز وگداز، کیف واثر، نور ونکہت سے معمور آپ کی نعتوں کا مجموعہ ''سامانِ بخشش'' ایک ایسا

سدا بہار گلدستہ اور گنجینہ علم ومعانی ہے جو ہمیشہ اہل معرفت، اصحابِ علم ودانش اور اربابِ فکر وبصیرت سے خراجِ تحسین حاصل کرتا رہے گا اور اس مجموعہ میں شامل وجد آفریں نعتیں عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں کو ہمیشہ ادب وقرینے سے دھڑکنا سکھاتی رہیں گی...... آپ کے کلام میں فصاحت و بلاغت، لطافت ودل کشی، سلاست وروانی، نازک خیالی ومعنی آفرینی، ندرتِ تراکیب، استعارات و محاورات کا برمحل استعمال، شوکت الفاظ، سوز وگداز، حقیقت بیانی، لطیف جذبات واحساسات کی فراوانی و جملہ فنی وشعری خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آپ کے کلام میں کہیں کوئی شرعی سقم نظر نہیں آتا جیسا کہ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:

گلہائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار   سقم شرعی سے ہیں منزہ اشعار
دشمن کی نظر میں یہ نہ کھٹکیں کیوں کر   ہیں پھول مگر ہیں چشم اعدا میں خار ۱۴

آپ کے دیوان سامانِ بخشش سے کچھ اشعار قارئین کی مشامِ جاں کو معطر کرنے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں:

تو شمع رسالت ہے عالم ترا پروانہ   تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ
کچھ ایسا کردے میرے کردگار آنکھوں میں   ہمیشہ نقش رہے روئے یار آنکھوں میں
وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے   ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے
جن کے دعوے تھے ہم ہی ہیں اہل زباں   سن کے قرآں زبانیں دبا کر چلے
حبیب خدا کا نظارہ کروں میں   دل و جان ان پر نثارا کروں میں
طبق پر آسماں کے لکھتا میں نعت شہ والا   قلم اے کاش مل جاتا مجھے جبریل کے پر کا
انھیں کی نعت کے نغمے زبور سے سن لو   زبانِ قرآں پہ ان کے ترانے آئے ہیں
نصیب تیرا چمک اٹھا دیکھ تو نوری   عرب کے چاند لحد کے سرہانے آئے ہیں

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری رقم طراز ہیں:

''آپ کے بعض اشعار تو ایسے ہیں کہ عارفؔ، رومیؔ کا نشہ عرفانی، جامیؔ کی سرمستی وبے خودی، امیر خسروؔ کی عشوہ طرازی، حافظؔ کی منظر کشی، سعدیؔ کے جدت تخیل کی بوقلمونی اور اس پر امام الکلام، شاہ ملک سخن امام احمد رضا خاں علیہم الرحمۃ والرضوان کے ندرت خیال کی عطر بیزی سونے پر سہاگہ کی بہار دکھا رہی ہے۔'' ۱۵

سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کو گہری عقیدت اور والہانہ محبت تھی۔ درحقیقت آپ چودھویں صدی میں نائب غوث اعظم ومظہر غوث اعظم تھے۔ سامان بخشش میں تین منقبتیں حضور مفتی اعظم نے سیدنا سرکار غوث اعظم کی شان میں تحریر فرمائی ہیں۔

تصنیفات:

حضور مفتی اعظم کا اکثر وقت تعویذ نویسی میں گزرتا۔ پھر بھی کثرتِ مشاغل و گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ نے ایسی شاہ کار تصانیف یادگار چھوڑیں جو آپ کی علمی صلاحیت و فقہی بصیرت پر دال ہیں۔ آپ کی معلوم و مشہور تصانیف کی تعداد ۳۸ رہیں جن میں ہر تصنیف علوم و معارف کا گنجینہ اور تحقیق و تدقیق کا خزینہ ہے۔ مولانا افتخار احمد مصباحی تصانیف نوری سے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

"وہ (مفتی اعظم) ایک عظیم محقق و مصنف بھی ہیں ان کی تحریر میں ان کے والد جلیل امام احمد رضا قدس سرہٗ کے اسلوب کی جھلک اور ژرف نگاہی نظر آتی ہے۔ تحقیق کا کمال بھی نظر آتا ہے اور تدقیق کا جمال بھی۔ فتاویٰ کے جزئیات پر عبور کا جلوہ بھی نظر آتا ہے اور علامہ شامی کے تفقہ کا انداز بھی۔ تصانیف میں امام غزالی کی تحقیق اور امام رازی کی تدقیق اور امام سیوطی کی تلاش و جستجو کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔" ۱۶

اعلیٰ حضرت سے عقیدت:

مفتی اعظم ہند کی ذات والد ماجد مجدد اعظم علیہ الرحمہ کی تربیت اور نگاہِ کیمیا اثر کا فیضان تھی۔ جس نے آپ کے اندر ژرف نگاہی، دور اندیشی، دقیقہ بینی، نکتہ سنجی اور علم و عرفان کا ملکہ پیدا فرما دیا تھا۔ خود فرماتے ہیں:

"غرض میری جان ان پاک قدموں پر قربان، جب سے یہ قدم پکڑے، آنکھیں کھلیں، اچھے برے کی تمیز ہوئی، اپنا نفع و زیاں سوجھا، منہیات سے تا بہ مقدور احتراز کیا اور اوامر کی بجا آوری میں مشغول ہوا اور اب اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس کی بافیض صحبت میں زیادہ رہنا اختیار کیا، یہاں جو دیکھا کہ شریعت و طریقت کے وہ باریک مسائل جن میں مدتوں غور و خوض کامل کے بعد بھی ہماری کیا بساط، بڑے بڑے سر ٹیک کررہ جائیں، فکر کرتے کرتے تھکیں اور ہرگز نہ سمجھیں اور صاف انا لا ادری کا دم بھریں، وہ یہاں ایک فقرے میں ایسے صاف فرما دیے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے گویا اشکال ہی نہ تھا اور وہ دقائق و نکات مذہب و ملت جو ایک چیستاں اور ایک معمہ ہوں، جن کا حل دشوار سے زیادہ دشوار ہو یہاں منٹوں میں حل فرما دیے جائیں۔" ۱۷

الملفوظ کی ترتیب حضور مفتی اعظم کا ایک عظیم کارنامہ ہے جو احسان عظیم ہے کہ اعلیٰ حضرت کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے جواہر پاروں اور ذخائرِ علم و حکمت کو ایک گنج گراں مایہ کی صورت میں ہمیں عطا فرمایا۔

امام اہل سنت بھی اپنے فرزند ارجمند سے بڑے خوش تھے، الاستمداد میں جہاں آپ نے اپنے احباب و تلامذہ، خلفا و متوسلین کا ذکر جمیل فرمایا تو حضور مفتی اعظم کا ذکر برہان ملت کے ساتھ کچھ

اس طرح فرمایا:

آل الرحمٰن برہان الحق — شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

وصال پُر ملال:

اکانوے سال اکیس دن کی عمر میں ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء رات ایک بج کر ۴۰ منٹ پر کلمہ طیبہ کا ورد فرماتے ہوئے آپ نے جان جانِ آفریں کے سپرد فرمائی۔ والد ماجد اعلیٰ حضرت کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ جہاں زائرین ادب و احترام سے حاضری دیتے ہیں اور روحانی سُرور پاتے ہیں:

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے — حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

مآخذ

۱ جہانِ مفتی اعظم، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۶۴
۲ پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ دسمبر ۱۹۸۱ء بہ حوالہ جہان مفتی اعظم، ص ۱۰۴
۳ جہانِ مفتی اعظم، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۱۰۵
۴ تقدیم فتاویٰ مصطفویہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۸
۵ ماہ نامہ استقامت کان پور، مفتی اعظم نمبر، ص ۱۴۳ ۶ ایضاً، ص ۶۲ ۷ ایضاً، ص ۶۶، ۶۷
۸ تاج دار اہل سنت، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۲۹۴
۹ ماہ نامہ استقامت کان پور، مفتی اعظم نمبر، ص ۱۵۰
۱۰ یادگار رضا ۲۰۰۶ء، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۸۳
۱۱ حضور مفتی اعظم کی شان و عظمت، ادارۂ دوستی مالیگاؤں، ص ۴
۱۲ جہانِ مفتی اعظم، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۴۴۰
۱۳ ماہ نامہ استقامت کان پور، مفتی اعظم نمبر، ص ۱۳۸
۱۴ جہانِ مفتی اعظم، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۶۷۹
۱۵ یادگار رضا ۲۰۰۶ء، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۲۲
۱۶ پیش لفظ فتاویٰ مصطفویہ، مفتی محمد اعظم نوری، ج ۲، ص ۲، مطبوعہ پیلی بھیت
۱۷ الملفوظ حصہ اول، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۳

☆☆☆

خلیفۂ اعلیٰ حضرت

علامہ لعل محمد خاں رضوی مدراسی کلکتوی

مولانا محمد شاہد القادری

چیئر مین امام احمد رضا سوسائٹی، کلکتہ

Cell. 09231506317 gulistaneraza@yahoo.com

یہ کلکتہ ہے، تجارتی شہر ہے، ایشیا میں تجارتی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، روحانی بادشاہوں نے اپنی آماج گاہ بنایا ہے۔ دنیا کی نظر اس پر رہتی ہے۔ ہمارے اسلاف نے اپنے قدوم ناز سے اس سرزمین کو سرفراز کیا ہے۔ علامہ خیر الدین دھلوی کلکتوی نے یہاں کی ناخدا مسجد، ٹیپو سلطان شاہی مسجد دھرم تلہ اور ٹالی گنج (کلکتہ) کی بنیاد رکھی ہے، وہ ناخدا مسجد میں امامت کرتے تھے۔ درس قرآن دیتے تھے۔ اہل کلکتہ کے مذہبی اور روحانی پیشوا تھے، مولوی ابوالکلام آزاد انھیں کا لڑکا تھا۔ جس نے اپنے آباواجداد کے مسلک سے انحراف کیا۔ اپنے خاندانی مسلک کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ (جس کا اعتراف ''غبار خاطر'' میں مولوی ابوالکلام آزاد نے بجا طور پر کیا ہے۔)

علامہ کلکتوی ایک بہترین عالم تھے۔ نہر زبیدہ کی صفائی میں لاکھوں روپے خرچ کیے۔ سلطان عبدالحمید ترکی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ علمی واستدلالی انداز میں ردوہابیت ان کا شیوہ تھا۔ علامہ زینی دحلان مکی کے دوست تھے۔ علماے ازہر شریف کے مرجع تھے۔ علماے دہلی کی آنکھوں کے تارا تھے۔ سنیوں کے حق میں مشفق تھے، مربی تھے۔ سنیت کا درد تھا۔ مفکر، محدث، مفسر، محقق، مورخ، متکلم، فلسفی، منطقی اور مدبر تھے۔ عربی زبان سے پیار تھا۔ عربی کے بہترین ادیب تھے۔ علما اگر عربی میں گفتگو نہ کرتے تو ناراض ہو جاتے تھے۔ امام احمد رضا کے اکابر میں تھے۔ امام موصوف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے آپ کا یہ جملہ مشہور ہے: ہندستان میں ڈھائی سنی ہیں ایک میں۔ ایک مولانا عبدالقادر بدایونی اور آدھے مولوی احمد رضا۔ بہت پیارا جملہ ہے بقول ابوالکلام'' مولانا احمد رضا ۱۹۱۹ء میں والد گرامی سے ملاقات کی غرض سے کلکتہ تشریف لائے والد صاحب نے مدح سرائی کی''...... علامہ کلکتوی امام احمد رضا کی عظمتوں کے معترف تھے۔

امام احمد رضا کا فیضان کلکتہ میں برس رہا ہے۔ آپ کے ایک خلیفہ کلکتہ کے مانک تلہ قبرستان میں آرام فرما ہیں۔ وہ مخلص تھے۔ حامی دین متین تھے، ماحی کفر وضلالت تھے، قاطع نجدیت وبدمذہبیت تھے، وہ اپنوں

سے محبت کرتے تھے۔ اسی الفت نے ملک العلما کی شان اقدس میں ۸ر صفحات کو کلمات تحسین سے مزین کروادیا۔ نیک تھے، متقی تھے، عابد شب بیدار تھے، فرائض ونوافل کے پابند تھے۔ شرعی حدود میں تجارت کرتے تھے۔ زکوۃ قانون اسلام کے مطابق ادا کرتے تھے۔ کلکتہ میں امام احمد رضا کے اسلامی پیغام ومشن کے داعی، مبلغ، سفیر اور واعظ تھے۔

وہ تھے علامہ الحاج لعل محمد خاں رضوی مدراسی کلکتوی۔ آپ ۱۸۶۶ء/۱۲۸۳ھ میں مدراس میں ایک معزز اور مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی جناب محمد قاسم خاں سے اردو اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء میں اٹھارہ برس کی عمر میں محرری کے عہدے پر فائز ہوئے۔ آپ برما کی جنگ میں شریک ہوئے۔ اسلامیات کے مطالعہ نے ذہن کی کایا پلٹ دی اور ملازمت ترک کرکے خدمت اسلام وسنیت میں لگ گئے۔ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء کو زیارت حرم شریفین سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں تجارتی غرض و غایت کے لیے کلکتہ تشریف لائے۔ یہاں کی زمین بھا گئی۔ یہاں کی مٹی سے انسیت ہوگئی۔ یہیں کے ہوکر رہ گئے۔ امام احمد رضا کا ذکر خیر سنا، خدمات کا چرچا سنا، ملنے کا اشتیاق ہوا، زیارت کا شوق ہوا، شرف دید نے بے چین کردیا۔ ۱۳۱۹ھ میں بریلی شریف کے لیے رخت سفر باندھا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے ملاقات ہوئی۔ مجدد اعظم کی صحبت بابرکت نے ذرے کو آفتاب بنادیا۔ اسلام کے داعی، سنیت کے مبلغ اور امام احمد رضا کے خلیفہ بن کر آسمان علم وعرفان پر چمکنے لگے، دمکنے لگے اور گلستان اسلام میں مہکنے لگے۔

آپ نے اسلام کی بہت خدمتیں کی ہیں، ندوہ کے رد میں کلکتہ میں عظیم الشان جلسہ کرایا۔ امام احمد رضا کو صدر جلسہ بنایا۔ ندویوں کے منصوبے کو خاک میں ملایا۔ آپ کی فرمائش پر حضرت ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے سوانح حضرت امام اعظم ''الخیرات الحسان'' کا اردو ترجمہ ''جواہر البیان'' کے نام سے کیا۔ کلکتہ کے ایک عالم مولوی ولی اللہ (دیوبندی) نے سنیوں کو مناظرے کا چیلنج دیا۔ آپ نے امام احمد رضا کو ۱۳۳۴ھ میں خط لکھ کر حضرت ملک العلما کو کلکتہ بلوا کر اس گستاخ کی سرکوبی کی اور روداد مناظرہ ''گنجینہ مناظرہ'' کے نام سے شایع کی۔ مسلک اہل سنت کے فروغ کے لیے ''اصلاح عقائد'' کے نام سے کلکتہ میں ایک تنظیم قائم کی۔ اس کے بینر تلے کافی کام انجام پائے۔ مدرسہ عثمانیہ قائم کرکے خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ غیاث الدین شہسرامی کو صدر مدرس رکھا۔

تصنیفی اور اشاعتی دنیا میں بھی آپ نے کام کیا، ''ماہ نامہ الرضا'' کی طرف عوامی ذہن متوجہ کراتے ہوئے لکھتے ہیں: ''الرضا شریعت نبوی کا حامی، طریقت مصطفیٰ کا مددگار، اخلاق محمدی سکھانے والا، کفر وشرک سے بچانے والا، اصول شریعت بتانے والا، اسلام کا سچا ہم درد، مسلمانوں کا بہترین رہ نما، تمدنی، اخلاقی و تاریخی مضامین کا دل کش مجموعہ جو بہ ادارت مولانا حسنین رضا خاں صاحب بریلی محلہ سوداگران سے شایع ہوتا ہے طلب فرمائیں۔'' (اجلال الیقین، ص ۳۰، مطبع اہل سنت وجماعت، کلکتہ)

آپ نے ردوہابیت میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی "جہان ملک العلما" میں لکھتے ہیں:

"آپ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ تھے۔ اعلیٰ حضرت کی تصانیف میں بے پناہ حصہ لیتے۔ آپ کی اپنی تصانیف تاریخ وھابیہ اور فتاویٰ بر عقائد وھابیہ و دیوبندیہ اہل علم کے یہاں خاص مشہور ہوئیں۔ آپ کی تیسری تصنیف "مخزن ھدایت" معلومات کے خزانے سے لیس ہے۔

آپ کی تحریک پر ملک العلما نے "موذن الاوقات" (۱۳۳۵ھ) کلکتہ کے لیے تحریر فرمائی۔ حضرت برھان ملت مفتی برھان الحق رضوی علیہ الرحمہ کی تصنیف "اجلال الیقین" ملک العلما کی تصنیف "جواہر البیان" مناظرہ کلکتہ کی روداد "گنجینۂ مناظرہ" اور امام احمد رضا کی پچاسوں کتابوں کو زیور طباعت سے آراستہ کر کے دنیائے سنیت میں تقسیم کی......

جہان ملک العلما میں ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ملک العلما کی سوانح نگاری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

دوسری تحریر ملک العلما کی مختصر سوانح ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ تحریر سب سے قدیم تھی۔ جو حضرت ملک العلما پر پہلے پہل لکھی گئی ہے۔ جس کا زمانہ ۱۳۳۳ھ یا ۱۳۳۴ھ ہے، لکھنے والے حضرت الحاج مولانا لعل محمد مدراسی ثم کلکتوی ہیں۔ مولانا مدراسی اعلیٰ حضرت کے خلیفہ ہیں۔ ملک العلما کے محب و معاصر ہیں۔ تاریخ تحریر اور محرر ہر دو اعتبار سے یہ تحریر نہایت اہم ہے۔"

آپ امام احمد رضا کی بارگاہ کے نور نظر تھے۔ آپ کی خدمات کے مداح تھے۔ امام احمد رضا آپ کی خدمت سنیت سے بہت خوش ہوتے تھے، تعریف کرتے تھے، تعریف سنتے تھے، خوشیوں کا اظہار کرتے تھے، ایک مکتوب میں امام احمد رضا نے عالم مست و کیف میں فرمایا:

"میں سچ عرض کرتا ہوں کہ آپ (علامہ حاجی لعل محمد خاں مدراسی) اور مولانا قاضی عبدالوحید (فردوسی) صاحب اور (حجۃ العصر) مولانا وصی احمد محدث سورتی کی شان کا ایک ایک سخی ہر شہر میں ہو جائے تو ان شاء اللہ اہل سنت کا طوطی بول جائے۔" (کلیات مکاتیب رضا، جلد دوم، ص ۲۳۰)

ندوہ کے خلاف آپ نے ایک جلسہ کیا تھا، صدر جلسہ امام احمد رضا تھے، اس جلسہ کی کامیابی پر حضرت محدث بریلوی علامہ مدراسی کو اپنے ایک مکتوب میں دعاؤں سے نوازتے ہیں: "الحمد للہ! کہ اللہ عزوجل نے مدارس ندوہ مخزولہ پر آپ کو فتح بخشی۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے علمائے حق کی طرف راجع کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں میں بے شمار نعمتیں اور اجر کثیر عطا فرمائے اور آپ جیسے عالی ہمت، خادم سنت، ہادم بدعت، اہل سنت میں بہ کثرت پیدا فرمائے۔" (آمین) (ایضاً ص ۲۲۹)

حضرت محدث بریلوی اپنے شاگرد رشید حضرت ملک العلما کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: "کلکتہ میں بھی ایک عالم سنی کی بہت ضرورت ہے۔ حاجی صاحب (علامہ مدراسی) کو اللہ تعالیٰ برکات دے، تنہا اپنی ذات سے وہ کیا کیا کریں، سنیوں کی عام حالت یہی ہو رہی ہے کہ جن کے پاس مال ہے انھیں دین کا کم

خیال ہے اور جنھیں دین سے غرض ہے افلاس کا مرض ہے ورنہ کلکتہ میں دین کے لیے دو ہزار روپے ماہوار بھی کوئی چیز نہیں۔" (اسی مکتوب میں آگے لکھتے ہیں) "افسوس کہ ادھر نہ مدرس، نہ واعظ، نہ ہمت والے مال دار، ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں اور ایک لعل خاں کیا کیا بنائیں۔" (ایضاً ۳۵۸)

آپ کی دینی خدمات کو سراہتے ہوئے حضرت امام موصوف لکھتے ہیں:

"آپ (ملک العلما) اور مولانا حامی سنت ماحی بدعت حاجی محمد لعل خاں صاحب جو کچھ خدمات دین کر رہے ہیں مولیٰ عزوجل قبول فرمائے اور دو جہاں میں اس پر اجر جزیل دے اور ہمیشہ اعدائے دین پر منصور رکھے۔" (آمین) (ایضاً ص ۳۵۹)

ملک العلما علامہ مفتی ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ امام احمد رضا کے خلیفہ، شاگرد، دست بازو اور وفادار تھے۔ آپ نے "جامع الرضوی" تحریر فرما کر حنفیوں کو ایک عظیم تحفہ پیش کیا۔ آپ نے علامہ مدراسی کی تحریک پر کلکتہ میں فیضان اعلیٰ حضرت عام کیا۔ دیوبندیوں سے مناظرہ کر کے شکست فاش دی اور سنیت کا علم بلند کیا۔ ملک العلما، اور علامہ مدراسی کے بہت گہرے تعلقات تھے۔ دیرینہ مراسم تھے۔ ڈاکٹر غلام جابر مصباحی لکھتے ہیں: "اچانک کلکتہ سے ایک تار آیا جس میں ملک العلما کی طلبی تھی۔ تار بھیجنے والے الحاج لعل محمد خاں مدراسی تھے۔ الحاج مدراسی مولداً ویلور (مدراس) کے تھے۔ موطناً کلکتوی تھے۔ نہایت دین دار تجارت پیشہ تھے، ملکی و غیر ملکی سامان تجارت کی درآمدات و برآمدات میں ان کے چار جہاز دریاؤں کی لہر پر رواں دواں رہا کرتے تھے۔ وہ امام احمد رضا کے محب تھے مداح بھی، ممدوح بھی، خلیفہ بھی، سپہ سالار بھی۔ وہ باقاعدہ سند یافتہ عالم دین نہ تھے۔ دست قدرت کے تربیت یافتہ تھے۔ امام احمد رضا کے صحبت یافتہ تھے۔" (جہان ملک العلما، ص ۲۶۸)

علامہ یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں: "اپنے (ان) خلفا، تلامذہ اور ارادت مندوں کو آپ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور ان کے کارناموں کو سراہتے تھے۔ چناں چہ 'الاستمداد' میں ان سے بعض حضرات کا ذکر بڑی محبت و انبساط کے ساتھ کیا ہے، کشادہ دلی کے ساتھ آپ ان کی خدمات کا اعتراف کرتے اور وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی فرماتے جیسا کہ اپنے خلیفہ حاجی لعل محمد خاں مدراسی کے بارے میں لکھتے ہیں:

جوہر منشی لعل پہ ہیرا

کھا مرنے کو منگاتے یہ ہیں

اسلام کا شہزادہ، سنیوں کا دلارا، امام احمد رضا کا پیارا، ہم عصروں میں ممتاز، مشائخ کی نظروں میں بلند و بالا، ذکر کرتے ہوئے، تسبیح پڑھتے ہوئے، خود ہنستے ہوئے، ہمیں رلاتے ہوئے سنیوں کو داغ مفارقت دیتے ہوئے ۲۱ رجولائی ۱۹۲۱ء/ ۱۵ رذی قعدہ ۱۳۳۹ھ داعی اجل کو لبیک کہا۔

امام احمد رضا کے معدودے چند کے اکثر خلفا عصبیت، مظلومیت اور تنگ نظری کے شکار ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں جن کے کارنامے سے تاریخ کے صفحات مزین ہیں ان حقایق سے کوئی روگردانی نہیں کر سکتا ہے۔ ان میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں برکاتی بریلوی، حضور صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی، رئیس المتکلمین علامہ سید سلیمان اشرف بہاری، علامہ عبدالسلام جبل پوری، ماحی بدعت وضلالت علامہ الحاج لعل محمد خاں مدراسی رضوی کے اسما قابل ذکر ہیں۔ ان نفوس قدسیہ نے اپنے تن من دھن سے اسلام وسنیت کی خدمتیں کی ہیں اور پیغام رسالت کو عام کرنے میں حضرت محدث بریلوی کے دست بازو بنے ہیں، ڈاکٹر غلام جابر پورنوی کی جہد مسلسل نے ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری پر پڑی گم نامی کی چادر ہٹادی اور مولانا سید ولی الدین رضوی (پٹنہ) کی محنت رنگ لائی اور علامہ عبدالوحید فردوسی کی خدمات کو قلم بند کرکے زیور طباعت سے آراستہ کیا۔

''جہان ملک العلما'' کی دھوم ہے ڈاکٹر غلام جابر شمس کی محنت ہے۔ اصحاب قلم کی تحقیقات و تدقیقات ہیں۔ بہت ضخیم ہے مکررات نے زیادہ راہ پالی ہیں۔ کام ہوا، محنت ہوئی اور ایک تاریخی مرقع معرض وجود میں آیا۔ سب کے سب مبارک باد کے لایق ہیں۔ لیکن شکوہ ہے، شکایت ہے، التجا ہے، اپنوں سے، چاہنے والوں سے، محبت کرنے والوں سے، جہان ملک العلما میں علامہ لعل محمد خاں مدراسی کا مضمون شایع ہوا، اولیت اسی مضمون کو حاصل ہے، اصحاب قلم نے خوب پذیرائی کی۔ داد وتحسین سے نوازا۔ جگہ جگہ ضمناً علامہ مدراسی کا ذکر خیر ہوتا چلا گیا۔ علامہ مدراسی اور ملک العلما کے دیرینہ تعلقات اور مراسم کو خوب سراہا گیا۔ لیکن احباب ومعاصرین کی فہرست میں صرف نام پر اکتفا کیا گیا جب کہ بقول ڈاکٹر جابر ان پر مواد بہت ہے مگر منتشر۔ ڈاکٹر صاحب کے تقریباً ۱۳ مضامین ہیں، معلومات سے بھرپور ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب ان منتشر معلومات کو یک جا کر دیتے اور ''جہان ملک العلما'' میں شامل کر دیتے تو ایک نئے باب کا اضافہ ہوتا۔ کاش! ڈاکٹر صاحب ان بکھرے ہوئے آب دار موتیوں کو جمع کر کے علامہ مدراسی کی بارگاہ میں خراج تحسین پیش کر دیں تو محققین کو ایک علمی دستاویز مل جائے۔

راقم علامہ مدراسی علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ کے گوشوں کو یک جا کرنے کے لیے جہد مسلسل کر رہا ہے۔ اگر کسی محقق کے پاس علامہ مدراسی کے حوالے سے کچھ بھی مواد ہو تو ارسال کرنے کی زحمت گوارہ کریں، فقیر رضوی ممنون ومشکور ہوگا۔

☆☆☆

خلیفۂ اعلیٰ حضرت

مولانا سیّد حسین علی رضوی اجمیری

محمد اسلم رضا قادری ثقافی

خادم التدریس جامعہ فیضان اشفاق، ناگور شریف، راجستھان

Cell.09352802041

ولادت و خاندان:

حضرت مولانا سید حسین علی رضوی کی ولادت باسعادت [1] برصغیر ہند وپاک کے روحانی دارالسلطنت اجمیر مقدس میں ہوئی۔ آپ گردیزی سید ہیں۔ آپ کا شجرۂ نسب مولائے کائنات امیر المؤمنین حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ملتا ہے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے: حضرت مولانا سید حسین علی رضوی بن سید صدیق علی بن سید لعل محمد بن سید زماں بخش بن سید میوات علی بن سید عاشور علی بن سید شکر اللہ بن سید فیض اللہ بن سید محب اللہ بن سید مٹھا بن سید عیدا بن سید دانیال عرف دان بن سید محمد بن سید مصطفیٰ بن سید مسعود بن سید وجیہ الدین بن سید محبوب احمد عرف بہلول بن حضرت سید خواجہ فخر الدین گردیزی بن [2] سید شہاب الدین بن سید احمد بن سید صدر الدین بن سیدنا امام موسیٰ کاظم بن سیدنا امام جعفر صادق بن سید ابو القاسم بن سیدنا امام محمد باقر بن سیدنا امام زین العابدین بن امام عالی مقام حضرت سیدنا امام حسین بن امیر المؤمنین حضرت سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ [3]

حضرت مولانا سید حسین علی رضوی کا یہ سلسلۂ نسب حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ تک پہنچ کر سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مل جاتا ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ، حضرت خواجہ سید فخر الدین چشتی حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید تھے اور انھیں کے حکم سے سرکار خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہندستان تشریف لائے۔ [4]

حضرت مولانا سید حسین علی رضوی کے والد ماجد کا سایہ شفقت بچپن ہی میں قریب ۱۴ رسال کی عمر میں اٹھ گیا تھا۔ آپ موضع پیر ضلع اجمیر شریف کے جاگیردار تھے۔ یہ جاگیر آپ کو اپنے نانا سے وراثت میں ملی تھی۔ چوں کہ آپ اپنے نانا کے اکلوتے نواسے تھے [5] آپ ''وکیل جاورہ'' کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں ''گلشن آباد ریاست جاورہ کا وکیل میں ہوں اور یہ وراثت مجھے اپنے ننہال سے وراثتاً پہنچی ہے۔ اس ریاست کے سابق وکیل سید امیر اللہ صاحب مرحوم تھے ان کے کوئی

اولاد نرینہ نہ ہوئی۔ کالی بی بی زوجہ سید اصغر علی ان کی دختر تھیں وہ بھی اولاد نرینہ سے محروم رہیں۔ ان کی دختر کمال بی بی ہوئیں انھوں نے بھی صرف ایک صاحب زادی آمنہ بی بی وارث چھوڑیں جو میری والدہ محترمہ تھیں۔" ۶

وکیل جاورہ:

نواب صاحب ریاست جاورہ محمد اسماعیل خان بہادر نے تیس سال تک رعایا پروری کی اور سید صاحب قبلہ کی معرفت حاضری دربار خواجہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ آپ کو اپنا وکیل دعا گو مانتے تھے اور اچھی قدر و منزلت کرتے تھے۔ قیمتی تحائف اور نذورات پیش کرتے تھے اور سال میں ایک بار اپنی ریاست میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے دعوت دیتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ سید صاحب قبلہ کو ایک ہاتھی بھی نذر کیا۔ یہ بالکل انوکھی نذر تھی مگر شاہانہ شانِ آستانہ کے مطابق تھی۔ ان کے بعد ۱۹۰۶ء میں نواب محمد افتخار علی خان صاحب بہادر والی جاورہ سلطنت پر رونق افروز ہوئے اور سید صاحب قبلہ کے توسل چار مرتبہ حاضر دربار خواجہ ہوئے اسی بنا پر لوگ آپ کو وکیل جاورہ کہنے لگے۔ ۷

سرکار غریب نواز سے عقیدت:

حضرت مولانا سید حسین علی رضوی کو سلطان الہند سرکار غریب نواز رضی اللہ عنہ سے والہانہ عقیدت تھی۔ سرکار غریب نواز رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس کی خدمت کو اپنے لیے باعث صد افتخار سمجھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں: "واقعی ہم برے ہیں، مگر ہمیں اپنی برائی پر ناز ہے کہ ہم برے ہیں بھی تو غریب نواز خواجہ کے ہیں۔ اس کے علاوہ خدمت مزار پُر انوار روز وصال سے آج تک ہماری ہی قوم کا طرۂ امتیاز بنی رہی ہے۔ درمیان میں دو ایک بار ہندوؤں کے تعصب کا بھی مظاہرہ ہو چکا ہے کہ اس وقت کی مصیبت خود سرکار خواجہ کی اولاد امجاد نہ برداشت کر سکی، تنگ آکر اجمیر شریف سے نکل گئی مگر ہم خدام نے اس آستانہ کی خدمت کی خاطر سب کچھ تکلیفیں اٹھائیں مصیبتیں جھیلیں۔ سرکار خواجہ کی آرام گاہ کو کسی طرح نہ چھوڑا۔ اب ہم اگر اس خیال میں مست و بے خود ہیں تو حق بہ جانب ہیں ؏

خواجہ پیا کے ہم ہیں خواجہ پیا ہمارے" ۸

آپ نے عطائے رسول سرکار خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ پر ایک کتاب بنام "دربار چشت اجمیر" بھی مرتب کی۔ اسی کتاب میں بارگاہ خواجہ میں حاضری کے آداب کے تحت آپ تحریر فرماتے ہیں: "بلا واسطہ و توسط جس طرح کسی بادشاہ کے دربار میں جا کھڑا ہونا درباری ادب و تہذیب کے خلاف ہے، اسی طرح یہاں بھی بلا وکیل کے حاضری یقیناً قانون شکنی اور توہین دربار جیسا جرم ہونا چاہیے، لہٰذا زائرین کو اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وقت حاضری ان کا وکیل ضرور ان کے ہمراہ ہو جو ہر وقت آستانہ پر دعا گو رہے گا اور یہ صرف اس لیے کہ آداب آستانہ میں فرق نہ آئے ؏

ادب ضرور ہے شاہوں کے آستانہ کا" ۹

اسی ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے بزرگانِ دین کا یہ معمول رہا ہے کہ جب بھی دربار خواجہ میں حاضر ہوتے ہیں تو کسی نہ کسی وکیل کو ضرور ساتھ رکھتے اور اسی کے توسل سے دربار خواجہ میں حاضری دیتے، یہی نہیں بلکہ اپنے مریدین و معتقدین کو بھی اس کی طرف رغبت دلاتے جیسا کہ خلیفہ و برادر زادۂ اعلیٰ حضرت مولانا حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"آپ (حضرت خواجہ فخر الدین چشتی) کا اہم کام دربار خواجہ میں سائلوں کی درخواستیں پیش کرنا تھا اور مولانا سید فخر الدین صاحب قبلہ کی وکالت دربار خواجہ میں بہت مقبول، لہٰذا وہی خدمت ان کی نسل آج تک انجام دے رہی ہے۔ بنابریں آج بھی سید حسین علی صاحب رضوی جو رئیس جاورہ کے وکیل مشہور ہیں اور "وکیل جاورہ" آپ کے پتا کا آج بھی جزو اعظم بنا ہوا ہے۔ سید صاحب چوں کہ ان انفاس کریمہ کی اولاد ہیں لہٰذا آپ خود بھی بڑے منکسر المزاج، کریم النفس، بے حد متواضع اور بڑے مہمان نواز ہیں۔ یہ سب میرا ذاتی تجربہ ہے، تمام اہل سنت کے لیے یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ان کا ایک لائق وکیل دربار خواجہ میں موجود ہے۔ رضوی حضرات کے لیے تو یہ بشارت عظمیٰ ہے کہ ان کا برادر طریقت رضوی بھائی دربار خواجہ میں ان کی وکالت کے لیے تیار کھڑا ہے۔ جو صاحب آستانہ خواجہ پر خود حاضری دیں، یا جو اپنے وطن سے دربار خواجہ میں منت یا نذر کی رقم بھیجیں وہ سید حسین علی صاحب رضوی ہی کو بھیجیں اور اپنا وسیلہ حاضری دربار ان کے ذریعہ بنائیں اور آپ ہی کے در دولت پر قیام کریں۔" ۱۰

یقیناً آپ کو سلطان الہند سرکار غریب نواز رضی اللہ عنہ سے سچی عقیدت تھی۔ آستانہ خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے تحفظ کے لیے آپ ہر وقت تیار رہتے جب کبھی وہابیہ اور بدعقیدہ فرقوں نے آستانہ خواجہ کے معمولات میں مداخلت کرنی چاہی تو آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا جیسا کہ علامہ حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"یہ وہی سید حسین صاحب رضوی ہیں کہ وہابیت نے اپنے اثرات کے تحت آستانہ خواجہ کی کثیر آمدنی کی طرف توجہ کی اور انھوں نے دربار خواجہ کے معمولات میں مداخلت کرنی چاہی تو آپ ہی سینہ بہ سپر ہو گئے اور فیڈرل کورٹ تک پیروی کر کے معاملہ کو روبراہ کر دیا۔ حالات کی ابتری دیکھتے ہوئے آپ نے اجمیر شریف میں "انجمن تبلیغ محبِ خواجہ مشن ہند اجمیر" قائم کی جو آستانہ کے قدیم معمولات کے لیے (جو وہابیت کے اقتدار سے ملیامیٹ کیے جا رہے تھے) سینہ سپر بن گئی۔" ۱۱

ہندستان میں مسلم اکثریت کا سبب بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا سید حسین علی رضوی فرماتے ہیں: "ہندستان میں مسلم اکثریت کا واحد ذریعہ تبلیغ اسلام ہے جس کی بدولت اس ملک میں مسلم آبادی صفر سے دوسرے درجہ کی اکثریت تک آ چکی ہے۔ ہندستان میں اسلام نہ غوری یا غزنی حملوں سے

پھیلا اور نہ مغلوں کی صدیوں حکمرانی سے بلکہ یہاں مسلمانوں کی دس کروڑ آبادی چند اولیاے کرام کی روحانی جاذبیت اور اخلاقی وسعت کا ادنیٰ کرشمہ ہے جن کے سردار ہمارے غریب نواز خواجہ ہیں۔'' ۱۲

علم دین سے وابستگی:

حضرت مولانا سید حسین علی رضوی علم اور علما سے محبت کرنے والے تھے، آپ نے خود بھی علم دین حاصل کیا اور ساتھ ہی اپنے شہزادگان کو بھی علم دین سکھا کر علماے دین کے زمرے میں داخل فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں:

''ہماری عزت اپنے اسلاف کے قدم بہ قدم چلنے میں ہے، وہ یہی ہے کہ ہم زیور علم سے آراستہ ہوکر دین کی تبلیغ کریں تو پہلے ہمیں علم دین حاصل کرنا چاہیے۔ لہٰذا میں نے عہد کرلیا تھا کہ اپنے سب بچوں کو علم دین کی تکمیل کراؤں گا۔ چناں چہ میرے بڑے لڑکے مولوی سید محمد علی سلمہ نے اس معاملہ میں میری بڑی ہمت افزائی کی۔ اس نے بڑی محنت سے پہلے ہندستان میں علم دین حاصل کیا اور مزید تکمیل و تجربہ کے لیے مصر کا سفر کیا اور ایک ہزار وصد سالہ یونی ورسٹی جامعہ ازہر میں داخل ہوکر تین سال تک ضروری علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ وہاں کے طرزِ تعلیم سے واقفیت حاصل کی اب وہ ماشاءاللہ اچھا ادیب اور جید عالم ہے اور علما کی جماعت میں مولوی سید محمد علی ازہری اجمیری مشہور ہے۔ اب اور بچے بھی تحصیل علم دین میں مشغول ہیں۔ وہ بھی خدا چاہے کسی دن عالم دین ہوکر کسی دینی خدمت میں لگ جائیں گے۔'' ۱۳

آپ کے دوسرے صاحب زادے حضرت مولانا سید احمد علی رضوی نے دارالعلوم معینیہ عثمانیہ درگاہ معلی اجمیر شریف جو اس وقت ہندستان بھر میں ایک اعلیٰ مقام اور مرکزی اداروں میں جانا جاتا تھا اور اس ادارہ میں جید عالم دین ہی درس دیا کرتے تھے اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اور گھر میں اپنے بڑے بھائی مولانا سید محمد علی ازہری سے درس لیا کرتے تھے۔ حضور صدرالشریعہ مصنف بہار شریعت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ آپ کے خصوصی استاذ تھے۔ ۳/رجب المرجب ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۴/مئی کو دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں سند فراغت سے سرفراز کیے گئے۔ ۱۴

سادات کرام کو زکوٰۃ یوں ہی دوسرے صدقات واجبہ فطرانہ وغیرہ دینا ہرگز جائز نہیں اور نہ انھیں لینا حلال ہے۔ اس پر بہت سی احادیث متواترہ وارد ہیں۔ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''علت تحریم ان کی عزت وکرامت ہے کہ زکوٰۃ مال کا میل ہے اور مثل سائر صدقات واجبہ غاسل ذنوب تو ان کا حال مثل ماءِ مستعمل کے ہے جو گناہوں کی نجاسات اور حدث کے قاذورات دھوکر لایا ان پاک لطیف ستھرے لطیف اہل بیت طیب وطہارت کی شان اس سے بس ارفع واعلیٰ ہے کہ ایسی چیزوں سے آلودگی کریں، خود احادیث صحیحہ میں اس علت کی تصریح فرمائی،

احمد ومسلم عن المطلب بن ربیعة بن الحارث رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم ان الصدقة لا تنبغی لاٰل محمد انما هی اوساخ الناس، الطبرانی عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما انه لا یحل لکما اهل البیت من الصدقات شیٔ ولا غسالة الایدی هذا مختصر، الطحاوی عن علی کرم اللّٰہ تعالیٰ عنه قال قلت للعباس سل النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یستعملک علی الصدقات فساله فقال ماکنت لاستعملک علی غسالة ذنوب الناس

مسند احمد ومسلم میں ہے کہ مطلب بن ربیعہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ آل محمد کے لیے جائز نہیں کیوں کہ یہ لوگوں (کے مال) کی میل ہے۔ طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اے اہل بیت! تمھارے لیے صدقات میں سے کوئی شی حلال نہیں اور نہ ہی لوگوں کے ہاتھوں کی میل، یہ مختصراً ہے، طحاوی میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عباس سے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گزارش کرو تا کہ تمھیں آپ صدقات کے لیے عامل مقرر فرمادیں تو حضرت عباس نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا میں تجھے لوگوں کے گناہوں کی میل پر عامل نہیں بنا سکتا۔ ۱۵

حضرت مولانا سید حسین علی رضوی بھی حسینی سادات میں سے ہیں۔ آپ ہمیشہ شریعت مطہرہ کے پابند رہے، آپ نے کبھی زکوٰۃ وصدقات اور خیرات قبول نہ کیں جیسا کہ آپ اپنا ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ میں نے وظیفہ وصول کرتے وقت حسب دستور قدیم ''نذر خواجہ'' لکھا تو ایک کلرک صاحب بولے کہ یہ خیرات ہے نذر نہیں اس بات سے مجھے صدمہ ہوا۔ نتیجہ میں مجھے خیرات لکھنے سے انکار ہوا۔ وہ نذر لکھنا نہ چاہتے تھے۔ بالآخر یہ معاملہ محکمہ کے افسر اعلیٰ کے پاس پہنچا تو انھوں نے سرکار عالی میں عرض کیا، حکم ہوا یہ ''نذر خواجہ ہے مد خیرات نہیں۔'' ۱۶

تصلب فی الدین:

حضرت مولانا سید حسین علی رضوی عطاے رسول، سیدنا سرکار خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے سچے عاشق وشیدائی تھے۔ ساتھ ہی ساتھ حامی سنت ماحی بدعت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ سے گہرے روابط بھی تھے، اسی بنا پر دشمنان رسول وشاتمان نبی کے لیے آپ شمشیر برہنہ تھے۔ آستانہ خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے معمولات میں جب وہابیہ نے مداخلت کرنی چاہی تو آپ نے ان کی سرکوبی کے لیے ''انجمن تبلیغ محب خواجہ مشن ہند اجمیر'' قائم کی اس انجمن کی تائید اور حمایت کرتے ہوئے شہزادہ برادر اعلیٰ حضرت مولانا حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''اجمیر شریف کو صدیوں سے ہندستان کا مرکز اسلام ہونے کا شرف حاصل ہے جسے وہابیت ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتی، اس وقت اجمیر مقدس پر وہابیت خوب ٹھونسی جارہی ہے اور زائرین کو بزرگان دین سے بے زار کرنے کی مسلسل کوشش جاری ہے۔ سید صاحب کی انجمن کو اس کا بھی مقابلہ کرنا ہے ایسی انجمن کی ممبری اور اس کی امداد و اعانت خواجۂ ہند رضی اللہ عنہ کی بڑی خوش نودی کا باعث ہے اور اس انجمن کی ممبری حضرت خواجہ غریب نواز کی غلامی کی سند ہے تو جو صاحب اس آستانہ کی غلامی کو اپنا تاج عزت سمجھتے ہوں وہ ضرور انجمن کا ممبر بن کر غلامی خواجہ کی سند حاصل کرلیں۔ سید صاحب کا مفصل پتا یاد رکھیے۔ (الحاج سید حسین علی صاحب رضوی اجمیری، وکیل جاورہ رضوی منزل، مجاور خاص کلید بردار روضۂ مبارک غریب نواز اجمیر شریف)

آپ کا دعا گو

محمد حسنین رضا خاں غفرلہ ولوالدیہ

بھتیجہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ، بریلی شریف'' ۱۷

تصلب فی الدین کی جھلک آپ کے شہزادگان میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ آپ کے نبیرہ الحاج سید فرقان علی رضوی چشتی فرماتے ہیں:

''چوں کہ اجمیر مقدس میں خاص کر آستانہ شریف پر ہر قوم و ملت خاص طور پر وہابی، دیوبندی اور شیعہ وغیرہ آتے رہتے ہیں یہ لوگ زائرین خواجہ کو اپنا مسلک بتاتے ہیں ان میں سے کچھ زائرین ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان کے اثر کو قبول کرکے واپس جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے نئے نئے حربے استعمال کرتے ہیں اور گمراہیت پھیلاتے رہتے ہیں۔ ان سب وجوہات کی بنا پر حضرت مولانا الحاج سید علی رضوی صاحب نے ایک کمیٹی بنام ''اصلاحی کمیٹی'' تشکیل دی جس میں سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی سرپرستی و علامہ اختر رضا خاں ازہری صاحب و علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ جیسے اکابر کو پیش پیش رکھا تاکہ جو مفاد پرست غیر قوم میں اپنا جال پھیلا کر آنے والے بھولے بھالے عاشقان خواجہ کو گمراہ کررہی ہیں۔ ان کا علمی اور اصلاحی ہر طریقہ سے ڈٹ کر مقابلہ کیا جاسکے۔ ان کے مکر و فریب کا پردہ چاک کیا جاسکے۔ مذہب اہل سنت و جماعت و مسلک اعلیٰ حضرت کی خوب خوب تر اشاعت کی جاسکے۔'' ۱۸

حضرت مولانا سید حسین علی رضوی ہر وقت گستاخان رسول و شاتمان اولیا کے لیے سینہ بہ سپر رہتے تھے۔ عوام اہل سنت کو ان کے عقائد و نظریات سے آگاہ فرماتے اور ان کے دام فریب سے بچانے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے۔ آپ کی مرتبہ کتاب ''دربار چشت اجمیر'' اگرچہ سرکار غریب نواز رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ کے بیان میں ہے مگر پھر بھی عاشقان خواجہ کو وہابیہ، دیابنہ کے مکر و شر سے بچانے کے لیے اپنی کتاب کے شروع ہی میں تنبیہ فرمادی: یہ کتاب راہ طریقت کے عقیدت مندوں کے لیے

لکھی گئی ہے۔ معترضین کے لیے: اہلاک الوہابین وارشاد الحق (مؤلفہ مولوی میر صاحب معتکف آستانہ خواجہ صاحب) ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۹

مولانا سید حسین علی رضوی اور امام احمد رضا:

حضرت مولانا سید حسین علی رضوی اور امام احمد رضا کے درمیان بہت گہرے روابط تھے یہی نہیں بلکہ آپ امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ سے بیعت بھی تھے۔ نیز امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے سلسلۂ چشتیہ میں آپ کو اجازت و خلافت سے بھی نوازا تھا۔ ۲۰

امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں آپ کی ہمہ گیر شخصیت، علمی قابلیت تحقیق و تدقیق اور بالخصوص عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سبھی معترف ہیں۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے اپنے قول و فعل سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت دیا، نسبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خیال فرماتے اگر کوئی سید نظر آتا، بچھ بچھ جاتے۔ اہل بیت اطہار اور سادات کرام کی عزت و تعظیم کرنا بھی محبت رسول کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا قادری حضرت مولانا سید حسین علی رضوی کی بڑی عزت و توقیر فرماتے حتیٰ کہ بارگاہ خواجہ میں حاضری کے وقت آپ کو اپنا وکیل دعا گو بناتے اور الحمدللہ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ تاحین حیات حضرت سید صاحب قبلہ کے صاحب زادے حضرت مولانا سید احمد علی رضوی علیہ الرحمہ کی معرفت بارگاہ خواجہ میں حاضری دیتے رہے اور آپ کے بعد حضور تاج الشریعہ علامہ الحاج الشاہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری افاد اللہ علینا من برکاتہم بھی آپ کے نبیرہ حضرت سید اسد علی رضوی و حضرت سید فرقان علی رضوی کی معرفت بارگاہ خواجہ میں حاضری دیتے ہیں اور اسی مکان (رضا منزل) میں قیام فرماتے ہیں جہاں آج سے تقریباً ایک صدی قبل عاشق خواجہ امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہٗ بھی دو بار قیام فرما چکے ہیں۔

امام احمد رضا قادری نے عطائے رسول سلطان الہند سیدنا سرکار خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں سید صاحب قبلہ کی معرفت دو بار حاضری دی۔ سید صاحب قبلہ اس حاضری کا تذکرہ بڑے اچھے انداز میں فرماتے ہیں:

''میرے پیر و مرشد مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت فاضل ہندستان مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ العزیز بھی دو بار دربار خواجہ غریب نواز میں حاضر ہوئے ہیں، دوسری حاضری اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ ۱۳۲۵ھ میں حج و زیارت کی سعادت حاصل کرکے جب ساحل ہندستان پر اترے تو آپ کے فدائی مختلف بلاد و امصار سے آپ کو لینے بمبئی پہنچ گئے تھے۔ علاوہ وطن کے اور بھی کئی جگہ سے تار دیے گئے کہ آپ ہمارے وطن کو اپنے قدوم والا سے منور فرمادیں۔ آپ نے کسی کی نہ سنی، آپ سیدھے غریب نواز خواجہ کے آستانہ پر حاضر ہوئے اور خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی درباری

حاضری کے بعد آپ نے ان کے شاہ زادے حضرت خواجۂ ہند کے دربار میں حاضری دی۔ یہ حاضری ایسی عقیدت ومحبت کی حامل تھی کہ ہم خدام آستانہ اور تمام مسلمانان اجمیر کے دلوں پر نقش ہوگئی۔ آج تک ہم خدام میں اس حاضری کے چرچے ہوتے ہیں۔'' ۲۱

حضرت مولانا سید حسین علی رضوی، امام احمد رضا قدس سرہٗ کی علمی خدمات اور ان کے تجدیدی کارناموں کے معترف تھے۔ آپ نے اعلیٰ حضرت کو مجدد مأتہ حاضرہ تسلیم کیا۔ آپ فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی علمی فوقیت کو آج دنیائے اسلام مانتی ہے۔ علمائے عرب وعجم ان کو اس صدی کا مجدد اور تمام علوم وفنون کا ماہر اور یگانۂ روزگار مانے ہوئے ہیں۔ ان کا شعبۂ حیات اتباع سنت کی وجہ سے اسلامی زندگی کا ایک بہترین نمونہ ہے اور ان کے مذہبی رسائل اور کتابیں عقائد واعمال کا قول فیصل اور شریعت مطہرہ کا اس دور میں آخری فتویٰ ہیں۔'' ۲۲

حضرت مولانا سید حسین علی رضوی کا شمار امام احمد رضا کے بہت خاص مریدوں میں ہوتا تھا۔ جیسا کہ شہ زادۂ برادر اعلیٰ حضرت مولانا حسنین رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں: ''سید صاحب، اعلیٰ حضرت کے ان مخلص فدائیوں میں سے ایک ہیں جن کا پوروں پر شمار ہوتا ہے، ان کی شخصیت دربار رضوی میں پہلے سے ہی ممتاز رہی ہے۔'' ۲۳

حضرت مولانا سید حسین علی رضوی کے امام احمد رضا قادری سے قریبی تعلقات تھے، اس کا پتا اس بات سے چلتا ہے کہ جب ۱۳۴۰ھ میں امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کا وصال ہوا تو شہ زادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں قادری علیہ الرحمہ نے سید صاحب قبلہ کو تار دے کر مطلع کیا، جیسا کہ اجمیر شریف کے حضرت مولانا سید غلام علی صاحب ۲۴ رقم طراز ہیں:

''۲۵ صفر مطابق ۲۸ر اکتوبر یوم جمعہ کو بوقت شب سید حسین علی صاحب بن سید صدیق علی صاحب وکیل جناب نواب صاحب بہادر والی ریاست جاورہ خادم درگاہ معلی سرکار اعظم اجمیر شریف کے نام ایک تار مرسلہ حضرت قبلہ مولانا مولوی شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب بریلی سے آیا جس میں تحریر تھا کہ: اعلیٰ حضرت قبلہ کا وصال ہوگیا۔ اس حادثہ ہوش رُبا کو معلوم کر کے تمام مریدین ومعتقدین کو جو اور جتنا رنج والم ہوا اس کا حال تو عالم الغیب ہی خوب جانتا ہے۔ اس حادثہ کی سب احباب کو اطلاع دی گئی اور سید حسین علی صاحب نے فاتحہ سوم کا انتظام کیا اور اول بروز اتوار ۲۷ رصفر کو آستانۂ عالیہ حضور خواجۂ خواجگاں سرکار اعظم خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے دروازہ جنوب واقع دالان نواب ارکاٹ بعد نماز صبح قرآن خوانی ہوئی جس میں چند صاحب زادگان وچند مدرسین وطلبائے مدرسہ معینیہ عثمانیہ ومدرسین معینیہ عثمانیہ ہائی اسکول شریک رہے، اس کے بعد ڈھائی بجے موافق قاعدہ صاحب زادگان درگاہ معلی ختم فاتحہ سوم کے واسطے مشرقی دروازۂ صحن درگاہ معلی میں آ کر ختم کیا گیا۔ اس وقت علاوہ صاحبان مذکور کے

حضرت جناب میر سید نثار احمد صاحب قبلہ متولی درگاہ اور چند اشخاص مدرسہ حنفیہ صوفیہ وبنائی اجمیر شریف بہ تعداد کثیر تھے۔ بعد ختم تبرک تقسیم ہوا اور اس طرح اعلیٰ حضرت مجدد مأتہ حاضرہ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فاتحہ سوم سرکار اعظم اجمیر شریف میں کی گئی۔'' ۲۵

حضرت مولانا حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''ہندستان میں جگہ جگہ سوم کیا گیا مگر خواجہ غریب نواز کے آستانہ پر خادم آستانہ سید حسین صاحب مرحوم نے جو کیا وہ بڑے پیمانے پر ہوا۔ اس میں ختم قرآن پاک بہت ہوگئے تھے۔'' ۲۶

امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد بھی سید صاحب قبلہ کا اپنے مرشد کے گھرانے سے اٹوٹ رشتہ تھا۔ امام احمد رضا قادری کے عرس کے موقع پر آپ اجمیر شریف سے چادر لے جاتے اور پورے اہتمام کے ساتھ جلوس کی شکل میں چادر مبارک پیش کرتے۔ حضرت سید صاحب قبلہ امام احمد رضا کے صاحب زادگان کی بھی بڑی قدر ومنزلت کرتے تھے۔ چناں چہ آپ نے اپنے صاحب زادے مولانا سید احمد علی رضوی کی 'رسم بسم اللہ' حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ سے کروائی جیسا کہ مولانا شہاب الدین رضوی فرماتے ہیں: ''جب مولانا سید احمد علی کی عمر چار سال کی ہوئی تو والد ماجد نے بسم اللہ خوانی کی تقریب منعقد کروائی اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی کو دعوت دی۔ مولانا حامد رضا بریلوی نے شرکت بھی فرمائی اور سید صاحب کی 'رسم بسم اللہ' بھی ادا کی اور دعاؤں سے نوازا۔'' ۲۷

شہ زادۂ برادر اعلیٰ حضرت مولانا حسنین رضا خاں بریلوی سے بھی آپ کے اچھے تعلقات رہے، انھوں نے ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی ۱۹۶۲ء میں آپ کا تعارف بھی پیش کیا اور تمام اہل سنت خصوصاً رضوی برادران کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ آپ ہی کو بارگاہِ خواجہ میں اپنا وکیل بنائیں اور آپ کی قائم کردہ 'انجمن تبلیغ محب خواجہ مشن ہند اجمیر' کی بھرپور تائید وحمایت فرمائی۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ سے بھی سید صاحب قبلہ کے گہرے روابط تھے چوں کہ صدر الشریعہ اعظمی قدس سرہٗ ایک عرصہ تک اجمیر شریف ہی میں دار العلوم معینیہ عثمانیہ میں بہ حیثیت صدر المدرسین خدمت انجام دیتے رہے۔ سید صاحب قبلہ نے اپنے بڑے صاحب زادے کو شہ زادۂ حضور صدر الشریعہ مولانا عبد المصطفیٰ ازہری کی معیت میں جامعہ ازہر مصر بھیجا تھا اور آپ کے دوسرے صاحب زادے مولانا سید احمد علی رضوی نے دار العلوم معینیہ عثمانیہ ہی میں حضور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی، حضرت سید صاحب قبلہ نے ۱۳۴۱ھ میں بارگاہِ صدر الشریعہ میں ایک استفتا بھی کیا ہے ۲۸ اور ۱۳۲۸ھ میں وراثہ سے متعلق ایک استفتا بریلی شریف سے بھی کیا جس کا جواب خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا نواب مرزا صاحب نے دیا۔ ۲۹

جماعت رضائے مصطفیٰ جس کے بانی وسرپرست خود امام احمد رضا تھے، جب تک آپ

باحیات رہے اس کی سرپرستی فرماتے رہے آپ کے بعد حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں قادری نے تاحین حیات جماعت کی سرپرستی قبول فرمائی اور حجۃ الاسلام کے بعد تاج دار اہل سنت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے سرپرستی وقیادت فرمائی۔ حضرت مولانا سید حسین علی رضوی اجمیری علیہ الرحمہ نے بھی ہمیشہ جماعت رضائے مصطفیٰ کی تائید وحمایت فرمائی اور ایثار وخلوص کے ساتھ جماعت کا مالی تعاون بھی فرمایا جو روداد جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی شریف کے مطالعہ سے عیاں ہے۔ ۳۰

حضرت سید صاحب قبلہ کے شہزادگان بھی خانوادۂ رضا سے منسلک رہے اور آج بھی منسلک ہیں آپ کے بڑے صاحب زادے مولانا سید محمد علی ازہری کو حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ سے اجازت وخلافت حاصل تھی، نیز خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ سے شرف تلمذ بھی ۳۱ دوسرے صاحب زادے مولانا سید احمد علی رضوی، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا قدس سرہٗ سے بیعت تھے اور مفتی اعظم ہند کے علاوہ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ، مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن علیہ الرحمہ (رئیس اعظم اڑیسہ) اور مولانا مفتی رجب علی قادری (نان پارہ) علیہ الرحمہ نے بھی اجازت وخلافت سے نوازا تھا ۳۲ آپ کے نبیرہ حضرت سید اسد علی رضوی علیہ الرحمہ کو مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن (رئیس اعظم اڑیسہ) سے اجازت وخلافت حاصل تھی ۳۲ نیز حضور تاج الشریعہ جانشین مفتی اعظم ہند علامہ الحاج الشاہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری مدظلہ العالی نے بھی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ دور حاضر میں آپ کے نبیرہ مولانا سید فرقان علی رضوی اجمیر شریف میں بے پناہ مخالفت کے باوجود پیغام رضا وفکر رضا کو عام کرنے میں کوشاں ہیں۔ اللہ رب العزت! صحت وتوانائی کے ساتھ عمر خضر عطا فرمائے۔ آمین

اولاد و امجاد:

حضرت مولانا سید حسین علی رضوی علیہ الرحمہ نے چار شادیاں کیں اور آپ کے تقریباً اٹھارہ اولاد ہوئیں۔ آپ کی چاروں شریک حیات اور ان کی اولاد کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) بی بی سراج بانو بنت سید امام علی صاحب، ان سے حضرت مولانا سید محمد علی ازہری، صفیہ بی بی، خدیجہ بی بی،

(۲) شریفہ بی بی بنت سید فدا حسین صاحب، ان سے ایک صاحب زادے سید اظہار،

(۳) حبیب بانو نور محمد صاحب، ان سے سید محمد ظہور الحق، سید سعید احمد، حضرت مولانا سید احمد علی رضوی، عائشہ بی بی، رابعہ بی بی، ہاجرہ بی بی، حلیمہ بی بی اور ایک صاحب زادی

(۴) آمنہ عرف بی بی بنت سید ابوالحسن صاحب، ان سے فائزہ بی بی، سید رضا علی، ساجدہ بی بی، سالکہ بی بی، سید ارشد علی اور ایک صاحب زادی ۳۴

وصال مبارک:

حضرت مولانا سید حسین علی رضوی کا وصال ۲۵ نومبر ۱۹۶۷ء کو ہوا۔ آپ کے نبیرہ حضرت سید فرقان علی رضوی چشتی نے ایک ملاقات کے دوران فقیر راقم سے فرمایا کہ دادا جان کے وصال کے وقت میری عمر دس سال تھی اور میری ولادت ۱۹۵۷ء کو ہوئی۔ آپ کا مزار پر انوار اجمیر مقدس میں اناساگر گھاٹی پر چلہ حضرت سالار مسعود غازی کے قریب واقع ہے۔

☆☆☆

ادارتی نوٹ: مولانا سید حسین علی رضوی کے نبیرہ سید فرقان علی رضوی چشتی بڑے ملنسار اور خوش اخلاق ہیں۔ آپ کی معیت میں اکابر علمائے اہل سنت بارگاہ خواجہ غریب نواز میں حاضری دیتے ہیں، راقم نے متعدد بار آپ ہی کی وکالت میں بارگاہ غریب نواز میں حاضری کی سعادت حاصل کی۔ بحمدہٖ تعالیٰ اشاعت دین وسنیت کا جذبۂ فراواں سید صاحب میں موجود ہے، افکار رضا کی اشاعت سے خاص دل چسپی ہے۔ اس سلسلے میں ایک عمدہ لائبریری بھی احاطۂ خواجہ غریب نواز میں قائم کر رکھی ہے جہاں ہندوپاک کے رسائل وجرائد کا عظیم ذخیرہ بھی ہے۔ احباب اہل سنت حاضری دربار غریب نواز پر آپ سے شرف ملاقات ضرور حاصل کریں۔ (غلام مصطفیٰ رضوی)

مصادر و مراجع

۱ دربار چشت اجمیر، ص ۴۲، مولانا سید حسین علی رضوی، مطبوعہ دہلی
۲ دربار چشت اجمیر، ص ۹۰-۹۱، مولانا سید حسین علی رضوی، مطبوعہ دہلی
۳ ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی ستمبر ۱۹۶۲ء، ص ۲۸
۴ بہ روایت سید فرقان علی چشتی نے بیان کی۔
۵ سہ ماہی افکار رضا ممبئی، جنوری تا جون ۲۰۰۲ء، ص ۶۷ تحریک فکر رضا ممبئی
۶ دربار چشت اجمیر، ص ۴۵-۴۶، مولانا سید حسین علی رضوی، مطبوعہ دہلی
۷ ملخصاً سہ ماہی افکار رضا ممبئی جنوری تا جون ۲۰۰۲ء، ص ۶۷-۶۸ تحریک فکر رضا ممبئی
۸ دربار چشت اجمیر، ص ۶۴، مولانا سید حسین علی رضوی، مطبوعہ دہلی
۹ دربار چشت اجمیر، ص ۶۲، مولانا سید حسین علی رضوی، مطبوعہ دہلی
۱۰ ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی، ستمبر ۱۹۶۲ء، ص ۲۸
۱۱ ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی، ستمبر ۱۹۶۲ء، ص ۲۸
۱۲ دربار چشت اجمیر، ص ۱۱۷، مولانا سید حسین علی رضوی، مطبوعہ دہلی

۱۳ دربار چشت اجمیر، ص ۴۸۔۴۹، مولانا سید حسین علی رضوی، مطبوعہ دہلی

۱۴ ماہ نامہ القدس جولائی اگست ۲۰۰۵، ص ۵۸۔۵۹، پکھرانواں رائے بریلی

۱۵ الزھر الباسم فی حرمۃ الزکوۃ علی بنی ھاشم، ص ۲، امام احمد رضا قادری، رضا اکیڈمی ممبئی

۱۶ دربار چشت اجمیر، ص ۴۸، مولانا سید حسین علی رضوی، مطبوعہ دہلی

۱۷ ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی ستمبر ۱۹۶۲ء، ص ۲۸

۱۸ سہ ماہی افکار رضا ممبئی، جنوری تا جون ۲۰۰۲ء، ص ۷۰، تحریک فکر رضا ممبئی

۱۹ دربار چشت اجمیر، ص ۱، مولانا سید حسین علی رضوی، مطبوعہ دہلی

۲۰ (الف) ماہ نامہ کنز الایمان دہلی، اپریل ۲۰۰۱ء

(ب) سہ ماہی افکار رضا ممبئی، جنوری تا جون، ص ۶۸ تحریک فکر رضا ممبئی

۲۱ دربار چشت اجمیر، ص ۵۹۔۶۰، مولانا سید حسین علی رضوی، مطبوعہ دہلی

۲۲ دربار چشت اجمیر، ص ۶۱، مولانا سید حسین علی رضوی، مطبوعہ دہلی

۲۳ ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی، ص ۲۸، ستمبر ۱۹۶۲ء

۲۴ حضرت مولانا سید غلام علی رضوی اجمیری بن سید مولانا نور محمد صاحب امام احمد رضا قادری و حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا قادری کے خلیفہ تھے۔ آپ کے حالات ابھی تک دست یاب نہ ہو سکے۔

۲۵ حیات اعلیٰ حضرت، جلد دوم، ص ۵۹۴، ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری، مرکز برکات رضا پوربندر گجرات

۲۶ سیرت اعلیٰ حضرت، ص ۱۳۰، مولانا حسنین رضا خاں بریلوی

۲۷ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، ج ۱، ص ۱۳۹، مولانا شہاب الدین رضوی، رضا اکیڈمی ممبئی

۲۸ فتاویٰ امجدیہ، ج ۳، ص ۱۷۶، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی

۲۹ ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، صد سالہ منظر اسلام نمبر (آخری قسط)، مارچ اپریل مئی ۲۰۰۴ء، ص ۷۱

۳۰ روداد جماعت رضائے مصطفیٰ، ۱۳۴۲ھ

۳۱ (الف) تذکرۂ جمیل، ص ۱۸۴، مولانا ابراہیم خوش تر صدیقی، سنی رضوی اکادمی ماریشس، ۱۴۱۲ھ (ب) سال نامہ یادگار رضا ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء، ص ۱۴۱، رضا اکیڈمی ممبئی

۳۲ (الف) ماہ نامہ القدس، جولائی اگست ۲۰۰۵ء، ص ۶۷، پکھرانواں رائے بریلی

(ب) سہ ماہی افکار رضا ممبئی، جنوری تا جون ۲۰۰۲ء، ص ۷۱، تحریک فکر رضا

۳۳ ماہ نامہ اشرفیہ، مجاہد ملت نمبر، مئی ۱۹۸۳ء، ص ۳۳

۳۴ دربار چشت اجمیر، ص ۹۱۔۹۲، مولانا سید حسین علی رضوی، مطبوعہ دہلی

☆☆☆

کلکتہ میں فکر رضا کی اشاعت: عہد بہ عہد

مولانا محمد مجاہد حسین حبیبی

نائب سکریٹری آل انڈیا تبلیغ سیرت کلکتہ Cell.09830367155

کلکتہ اہل سنت کے فروغ کا اہم مرکز رہا ہے، عہد رضا میں یہاں سے قابل قدر دینی کام انجام پائے، پھر عہد بہ عہد دینی و علمی اور تعلیمی امور کی انجام دہی کا سلسلہ متوسلین رضا کے ذریعے آگے بڑھتا رہا، پھیلتا اور وسیع ہوتا رہا، اس شمارہ میں ہم کلکتہ میں رضویات کی تابشوں پر مولانا مجاہد حسین حبیبی کے قلم سے کچھ اہم باتیں پیش کر رہے ہیں، چند مشاہدات، کاوشات، جدوجہد اور سعی پیہم کے نقوش آپ بھی دیکھ لیں اور سرگرم عمل ہو جائیں۔ مرتب

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے   جس سمت دیکھیے وہ علاقہ رضا کا ہے

کلکتہ کو انگریزوں نے بسایا اور پروان چڑھایا۔ مغلیہ سلطنت کے خاتمے کے بعد اسے ہندستان کی راج دھانی بنایا۔ ابتدا ہی سے بنگال بالخصوص شہر کلکتہ میں مسلمانوں کی خاصی آبادی تھی۔ مسلمان مال دار، تعلیم یافتہ، تہذیب یافتہ اور معاشی اعتبار سے اپنے پیروں پر کھڑے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے تجویز کردہ دس نکاتی پروگرام میں اس کا اشارہ ملتا ہے۔ جبھی تو آپ نے شہر کلکتہ میں اسلامی بینک قائم کرنے کی تجویز رکھی تھی۔

بھلا ایسے میں اعلیٰ حضرت کلکتہ کو کیسے فراموش کر سکتے تھے، بنابریں حاجی لعل محمد مدراسی ثم کلکتوی کو بنگال میں اپنا ترجمان اور سپہ سالار بنایا، مزید برآں یہ کہ اہالیان کلکتہ کے عقائد و ایمان کی اصلاح کے لیے کلکتہ تشریف فرما ہوئے، احب الخلفا ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری اور ایک دوسرے خلیفہ و تلمیذ علامہ غیاث الدین شہسرامی کو کلکتہ بھیجا۔ ان میں سے ہر ایک نے انتہائی جاں فشانی اور خلوص سے کلکتہ میں فکر رضا کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔

مذکورہ بالا تمہید کے بعد ایک بنیادی بات پیش نظر رکھیے کہ کسی بھی فکر و نظریہ کے فروغ کے لیے ان چار عناصر کا اس کے ساتھ ہونا از حد ضروری ہے: (۱) علمی و روحانی شخصیات (۲) مدارس و دیگر تعلیمی ادارے (۳) تحریک و تنظیم (۴) اخبار و رسائل، اور دیگر لٹریچر......اگر مذکورہ چیزیں کسی فکر کی اشاعت کے لیے سرگرم عمل ہوں تو جلد ہی وہ نظریہ عام ہو جاتا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ فکر رضا کی اشاعت

کے لیے کلکتہ میں کن علمی وروحانی شخصیتوں، عالموں، تعلیمی اداروں، تحریک و تنظیم، رسائل وجرائد اورلٹریچرز نے کلیدی کردارادا کیا ہے۔اس کے لیے ذیل کی سطریں ملاحظہ فرمایئے اوراندازہ لگایئے کہ فکررضا کس طرح عہد بہ عہد کلکتہ میں پروان چڑھتی رہی ہے۔

فکررضاکے فروغ میں علمااور مشائخ کاکردار

مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی کلکتہ تشریف آوری:

بعض تاریخی شواہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ دومرتبہ کلکتہ تشریف فرما ہوئے، بقول مولانا ابوالکلام آزاد: مولانا امام احمد رضا۱۹۱۹ء میں والد گرامی سے ملاقات کی غرض سے کلکتہ تشریف لائے، والدصاحب نے مدح سرائی کی۔ مفتی محموداحمد رفاقتی نے تذکرہ علماے اہل سنت میں تحریر فرمایا ہے کہ: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ دومرتبہ کلکتہ تشریف فرما ہوئے۔حاجی لعل محمد خاں مدراسی کی تحریک پر ندوہ کے خلاف جلسہ میں بہ طورخاص آپ شریک ہوئے اورصدر جلسہ بنے، اس موقع پر کئی دنوں کلکتہ میں آپ کا قیام رہا۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت حاجی لعل محمد مدراسی:

حاجی لعل محمد خاں ۱۸۶۶ء/۱۲۸۳ھ مدراس کے ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔والد محمد قاسم خاں سے اردو، انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔اولاً محرری سے وابستہ ہوئے پھر برما کی جنگ میں بھی شریک ہوئے۔۱۳۰۹ھ میں زیارت حرمین سے مشرف ہوئے۔۱۳۱۰ھ کو تجارتی غرض سے کلکتہ تشریف لائے، پھر یہیں کے ہوکر رہ گئے، ۱۳۱۹ء میں اعلیٰ حضرت کی زیارت کے لیے بریلی شریف حاضر ہوئے۔ اعلیٰ حضرت کی بافیض صحبت نے آپ پر وہ اثر کیا کہ اسلام کے داعی، سنیت کے مبلغ اور اعلیٰ حضرت کے ترجمان کی حیثیت سے کلکتہ کی سرزمین پر گراں قدر خدمات انجام دینے کے لیے کمر کس لی، پھر آپ نے وہ خدمات انجام دیں جس کی نظیر نہیں ملتی۔اعلیٰ حضرت آپ کی تعریف میں یوں رطب اللسان نظر آتے ہیں، ایک مکتوب میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں: میں سچ عرض کرتا ہوں کہ آپ (حاجی لعل محمد مدراسی) اور مولانا قاضی عبدالوحید (فردوسی) اور (حجۃ العصر) مولانا وصی احمد محدث سورتی کی شان کا ایک ایک سخی ہر شہر میں پیدا ہو جائے۔توان شاء اللہ اہل سنت کا طوطی بول جائے۔ (کلیات مکاتیب رضا، حصہ دوم، ص۲۳۰)

حاجی لعل محمد خاں مدراسی صاحب نے ندوہ کے خلاف ایک جلسے کا اہتمام کیا تھا جس میں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ بہ حیثیت صدر محفل شریک ہوئے تھے اس جلسے کی کام یابی پر حاجی لعل محمد مدراسی کے نام ایک مکتوب میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں: ’’الحمدللہ! کہ اللہ عزوجل نے مدارس ندوہ مخزولہ پر آپ کو فتح بخشی الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے علماے حق کی طرف راجع کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں میں بے شمار نعمتیں اور اجر کثیر عطا فرمائے۔آپ جیسے عالی ہمت، خادم سنت، ہادم بدعت،

اہل سنت میں بہ کثرت پیدا فرمائے۔آمین۔‘‘ (کلیات مکاتیب رضا، ص۲۲۹)

ملک العلما کے نام ایک مکتوب میں اعلیٰ حضرت، ملک العلما اور حاجی لعل محمد خاں کے حق میں یوں دعا گو ہیں: ’’آپ اور مولانا حامی سنت اور ماحی بدعت حاجی لعل محمد خاں صاحب جو کچھ خدمات دین کر رہے ہیں مولیٰ عزوجل قبول فرمائے، اور دو جہاں میں اس پر اجر جزیل دے اور ہمیشہ اعداے دین پر منصور رکھے۔آمین۔‘‘ (مکاتیب رضا، حصہ دوم، ص۳۵۹)

اب ذیل میں ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت حاجی لعل محمد خاں مدراسی علیہ الرحمہ نے کلکتہ کی سرزمین پر کون کون سی خدمات انجام دی ہیں؟ حضرت حاجی لعل محمد خاں ہی کے ایک سوال پر اعلیٰ حضرت محدث بریلوی نے ’’تدبیر فلاح ونجات واصلاح‘‘ نامی رسالہ تحریر فرمایا جسے حاجی لعل محمد خاں مدراسی نے پہلی بار کلکتہ سے شائع فرمایا تھا۔ندوہ کے رد میں کلکتہ میں عظیم الشان جلسہ کروایا اعلیٰ حضرت کو صدر جلسہ بنایا۔آپ کی فرمائش پر ملک العلما نے سوانح حضرت امام اعظم ’’الخیرات الحسان‘‘ کا اردو ترجمہ کیا۔جسے پہلی مرتبہ حاجی لعل محمد مدراسی نے کلکتہ سے شائع فرمایا۔کلکتہ کے ایک دیوبندی مولوی نے سنیوں کو مناظرہ کا چیلنج کیا آپ نے اعلیٰ حضرت کو خط لکھ کر ۱۳۳۴ھ میں ملک العلما کو کلکتہ بلا کر اس گستاخ کی سرکوبی فرمائی اور روداد مناظرہ ’’گنجینہ مناظرہ‘‘ شائع کیا۔اعلیٰ حضرت کے افکار ونظریات کے فروغ کے لیے اصلاح عقائد کے نام سے کلکتہ میں ایک تنظیم بنائی اس کے تحت بہت کام ہوا۔مدرسہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا جہاں صدر مدرس کی حیثیت سے خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا غیاث الدین شہسرامی کو بلواکر رکھا۔آپ ہی کی تحریک پر ملک العلما نے کلکتہ میں ۱۳۳۵ھ میں مؤذن الاوقات تحریر فرمائی۔اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت کی پچاسوں کتابیں زیور طباعت سے آراستہ کر کے دنیاے سنیت میں تقسیم فرمائی۔آپ نے رد وہابیہ میں کئی کتابیں تحریر فرمائیں۔پیرزادہ اقبال احمد فاروقی لکھتے ہیں کہ: آپ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ تھے، اعلیٰ حضرت کی تصانیف میں بے پناہ حصہ لیتے۔آپ کی تصانیف تاریخ وہابیہ، اور فتاویٰ بر عقائد وہابیہ ودیوبندیہ اہل علم کے یہاں خاص مشہور ہیں۔ (جہان ملک العلما، ص۸۵۶)

تیسری تصنیف ’’مخزن ہدایت‘‘ کے نام سے ملتی ہے جو معلومات کے خزانے سے پر ہے۔ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی اول ترین سوانح آپ ہی نے تحریر فرمائی۔اس ضمن میں ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی تحریر فرماتے ہیں: دوسری تحریر (یعنی جہان ملک العلما میں دوسرا مضمون) ملک العلما کی مختصر سوانح ہے تاریخی اعتبار سے یہ تحریر سب سے قدیم ہے جس کا زمانہ ۱۳۳۳ھ ۱۳۳۴ھ ہے لکھنے والے حضرت الحاج مولانا لعل محمد خاں مدراسی ثم کلکتوی ہیں، مولانا مدراسی اعلیٰ حضرت کے خلیفہ اور ملک العلما کے محب ومعاصر ہیں تاریخ تحریر اور محرر ہر دو اعتبار سے یہ تحریر نہایت ہی اہم ہے۔ (جہان ملک العلما، ص۱۹)

۲۱ر جولائی ۱۹۲۱ء/ ۱۵ر ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ کو محسن اہل سنت، ناشر سنیت، ترجمان اعلیٰ حضرت

حاجی لعل محمد مدراسی نے اپنی جان خالق حقیقی کے حوالے کر دی اور ہمیشہ کے لیے کلکتہ باغ ماری قبرستان میں آرام فرما ہو گئے۔

ملک العلماعلامہ ظفرالدین بہاری:

ملک العلماعلامہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ کئی بار خدمت دین وسنیت کی غرض سے کلکتہ فروکش ہوئے۔ تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

علاقہ مارواڑ راجستھان کا ایک بدعقیدہ مولوی ولی اللہ نامی تھا کلکتہ آمد ورفت تھی۔شعبان، رمضان ۱۳۳۴ھ میں اس نے کلکتہ کے اہل سنت کو ورغلانا چاہا اور مناظرہ کا چیلنج دیا، جسے اہل سنت نے قبول کرلیا۔حضرت مولانا الحاج لعل محمد خاں مدراسی زکریا اسٹریٹ نے اعلیٰ حضرت کو خط لکھا، اور حضور ملک العلما کو فوراً کلکتہ بھیجنے کی درخواست کی، ملک العلما بریلی میں موجود تھے اعلیٰ حضرت نے انھیں فوراً کلکتہ روانہ کردیا، ساتھ میں کئی مسودات بھی دے دیے جن کو صاف کر کے لکھنا تھا۔اس سفر میں ملک العلمانے امام احمد رضا کی تسہیل التعدیل وغیرہ کی تبییض کی تھی، خطوط رضا میں ان باتوں کا ذکر ملتا ہے۔خیر ملک العلما جب کلکتہ تشریف لے گئے تو مناظرہ کا چیلنج دینے والا کلکتہ سے فرار ہو چکا تھا، یا روپوش ہو چکا تھا۔(جہان ملک العلما،ص ۴۸۷)

اسی ضمن میں ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی تحریر فرماتے ہیں: ملک العلمانے وہاں (کلکتہ میں) کئی ماہ قیام کیا، وعظ کیا، تقریریں کی، گنجینہ مناظرہ ترتیب دی، امام احمد رضا کا رسالہ تسہیل التعدیل کی تبییض کی......دوسطر بعد لکھتے ہیں:

ملک العلمانے جواہر البیان ترجمہ الخیرات الحسان کی بھی دیکھ ریکھ کی ہوگی جو ان ہی دنوں الحاج مدراسی کے زیر اہتمام زیر طباعت تھی اعلیٰ حضرت کے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک العلما وہاں (کلکتہ) میں دو تین مہینہ رہے۔(جہانِ ملک العلما،ص ۲۶۸)

الحاج لعل محمد خاں کی فرمائش پر ملک العلمانے الخیرات الحسان کا اردو ترجمہ اور مؤذن الاوقات بھی تحریر فرمائی۔

مولاناسید غیاث الدین حسن شریفی چشتی ابوالعلائی:

خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا سید غیاث الدین شہسرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے ایماپر کلکتہ تشریف لائے، اور یہاں قیام پذیر ہوکر دین وسنیت کی خوب خدمتیں انجام دیں، اپنی خود نوشت یادداشت میں تحریر فرماتے ہیں:"قیام الہ آباد میں دوران درس وتدریس مجی مولانا ظفرالدین بہاری صاحب کا الہ آباد خط پہنچا کہ آپ کو اعلیٰ حضرت قبلہ کا حکم ہے کہ جلد سے جلد منشی لعل محمد خاں کے یہاں کلکتہ جائیے اور وہاں مسجد ناخدا کا منصب امامت اور مدرسہ عثمانیہ کی مسند تدریس سنبھالیے۔

لہٰذا آپ الہ آباد سے شہسرام آئے اور پھر کلکتہ پہنچ کر ان اہم منصبوں کو سنبھالا یہاں آپ کی انتظامی خوبیوں اور اعلیٰ علمی صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کو کلکتہ انجمن اصلاح عقائد اور سیالدہ کے مدرسہ اسلامیہ کا صدر منتخب کیا گیا۔یہیں آپ نے تصوف اور عقائد کے موضوع پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔کتابوں کے نام کچھ اس طرح ہیں: (۱) خطبات غیاث (عربی) (۲) معراج العرفان عن کلام عشاق الرحمٰن (عربی) (۳) رسالۂ عقائد (فارسی) (۴) خود نوشت سوانح (فارسی) (۵) غیاث الطالبین (اردو) (۶) فوائد شریفی (اردو) (۷) ضیاء الارواح (اردو) (۸) بیاض اذکار واعمال (۹) مجموعہ کلام۔(جہانِ ملک العلما،ص ۹۵۶)

مفسر اعظم ہند مفتی محمد ابراہیم رضا خاں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے افکار کی نشر واشاعت کے لیے شہزادۂ حضور حجۃ الاسلام مفسر اعظم ہند مفتی ابراہیم رضا خاں کئی بار کلکتہ تشریف فرما ہوئے۔شیب پور، ٹالتلہ، ہوڑہ، زکریا اسٹریٹ کے کئی پروگراموں میں آپ کی شرکت ہوئی۔

حضور مجاہدملت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن ہاشمی عباسی:

حضور مجاہد ملت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن عباسی ہاشمی علیہ الرحمہ اڑیسہ کے رہنے والے تھے لیکن آپ نے زندگی کا بیش تر حصہ الہ آباد میں گزارا۔آج سے ستر اسی سال پہلے براہ راست الہ آباد سے اڑیسہ اور اڑیسہ سے الہ آباد جانے کا کوئی راستہ نہ تھا بنا بر ایں اڑیسہ سے کلکتہ پھر کلکتہ سے الہ آباد کی سواری لینی ہوتی تھی۔بہ ایں وجہ سیکڑوں دفعہ کلکتہ تشریف لانا ہوا۔اور کلکتہ آپ کی دل چسپی کا مرکز بنا۔اب کلکتہ میں مجاہد ملت کے خدمات ملاحظہ فرمائیں۔

مدرسہ جمالیہ (زکریا اسٹریٹ)، مدرسہ تجوید القرآن (فیل خانہ)، مدرسہ عربیہ غوث اعظم (راجہ بگان)، مدرسہ حبیبیہ (چاپدانی)، مدرسہ قادریہ (تیلنی پاڑہ) کی تاحیات سرپرستی فرمائی۔بی این آر خضر پور کی جامع مسجد کے علاوہ اور کئی مساجد کی بنیاد آپ نے رکھی۔

کلکتہ میں باقاعدہ تبلیغ سیرت کی شاخ قائم ہونے سے پہلے براہ راست آپ نے کلکتہ میں تبلیغ سیرت کے متعدد اجلاس منعقد کرائے، جس میں اکابر علماے اہل سنت مثلاً مفتی اعظم حیدرآباد مفتی عبدالقدیر بدایونی علیہ الرحمہ، سلطان الواعظین مولانا وجیہ القادری جبل پوری، خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی، قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری، مجاہد دوراں مولانا مظفر حسین کچھوچھوی وغیرہ شریک ہوا کرتے تھے۔۱۹۶۶ء میں آپ ہی کی سرپرستی میں ماہ نامہ جام کوثر کا آغاز ہوا تھا۔مٹیا برج، برجونالہ، راجہ بگان، محمد علی پارک، زکریا اسٹریٹ، ٹالتلہ، رپن اسٹریٹ، شیب پور، فیل خانہ، تکیہ پاڑہ، چاپدانی، تیلنی پاڑہ، انکس وغیرہ کے دینی پروگرام میں آپ نے متعدد مرتبہ شرکت فرمائی۔خدمت دین کے پیش نظر ہفتوں کلکتہ میں قیام پذیر رہا کرتے تھے، آج بھی سیکڑوں کی تعداد میں کلکتہ میں آپ کے مریدین موجود ہیں۔

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں:

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کئی بار کلکتہ تشریف لائے، راجہ بازار، ٹیابرج، خضر پور، برجونالہ، انکس، چاپدانی وغیرہ کے جلسوں میں شرکت فرمائی۔ کئی بار سرکار مدینہ کانفرنس میں بھی شریک ہوئے۔ حضرت کے بار بار آنے جانے کی وجہ سے کلکتہ میں وابستگان سلسلہ کی خاصی تعداد موجود ہے۔

سید العلما حضرت علامہ سید آل مصطفی مارہروی:

ضیاء الاسلام تکیہ پاڑہ کے سالانہ جلسہ سرکار مدینہ کانفرنس میں آپ نے شرکت فرمائی اور اپنے خطاب نایاب سے حاضرین کے قلوب واذہان کو جلا بخشی۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت برھان ملت حضرت برھان الحق جبل پوری:

اسی کی دہائی میں حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے وصال فرمانے کے بعد پیرانہ سالی کے باوجود حضرت برہان ملت کلکتہ تشریف لائے اور ٹیابرج کے جلسہ میں شرکت فرمائی۔ اس موقع پر کئی لوگ آپ سے بیعت بھی ہوئے۔

حضور حافظ ملت علامہ شاہ محمد عبدالعزیز محدث مبارک پوری:

حضور حافظ ملت کئی بار کلکتہ تشریف لائے۔ ٹیابرج، خضر پور، برجونالہ، تکیہ پاڑہ کے پروگرام کے علاوہ بہ طور خاص سرکار مدینہ کانفرنس میں شریک ہوتے رہے۔ آج بھی تکیہ پاڑہ میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے کئی مرید موجود ہیں۔

فقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی:

فقیہ اعظم ہند مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کئی بار کلکتہ تشریف لائے۔ بہ طور خاص فیل خانہ، تکیہ پاڑہ میں ہونے والے پروگراموں میں شرکت فرمائی۔ آخری بار دارالعلوم قادریہ حبیبیہ فیل خانہ کی دستار بندی کے موقع پر آپ کی کلکتہ آمد ہوئی تھی۔

پاس بان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی:

پاس بان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ درجنوں مرتبہ کلکتہ تشریف لائے۔ کلکتہ واطراف میں تبلیغ سیرت کے اجلاس میں بہ طور خاص شرکت فرمائی۔ کئی مرتبہ سرکار مدینہ کانفرنس میں بھی شریک ہوئے۔ ہوڑہ، ٹیابرج، خضر پور، زکریا اسٹریٹ کے جلسوں میں بھی آپ کی شرکت ہوا کرتی تھی۔

خون کے آنسو کی تصنیف کے دوران لمبی مدت مرحومہ جنت مہر النساصاحبہ کے گھر کلکتہ میں قیام پذیر رہے۔ ڈاکٹر علیم الدین قادری قدیری کی لائبریری سے خاصہ استفادہ فرمایا۔

قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری:

قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب نے ۱۹۶۷ء میں ضیاء الاسلام قائم فرمایا۔ اس سے پہلے ۱۹۶۶ء میں پندرہ روزہ جام کوثر جاری فرمایا تھا جو ایک سال جاری رہ کر بند ہوگیا۔ ۱۹۶۷ء میں جام نور کے نام سے ایک ماہ نامہ جاری فرمایا جو کئی سال جاری رہا۔ اس زمانے میں خاصا وقت آپ نے کلکتہ میں گزارا۔ زلف وزنجیر کے نام سے آپ کی لکھی ہوئی اسلامی کہانیوں کا پہلا مجموعہ پہلی مرتبہ کلکتہ ہی سے شائع ہوا۔

۷۵ر سے ۹۵ رکی دہائی تک کلکتہ کے اکثر بڑے بڑے پروگراموں میں شرکت رہی۔ سرکار مدینہ کانفرنس تکیہ پاڑہ ہوڑہ کے علاوہ، ٹیابرج، خضر پور، فیل خانہ، توپسیا، رپن اسٹریٹ، پارک سرکس، کمرہٹی وغیرہ کے اکثر پروگراموں میں شریک ہوتے رہے۔

مجلس علمائے اسلام مغربی بنگال کی تاحیات سرپرستی فرمائی۔ وصال سے قریب ایک سال پہلے ۲۰۰۰ء کے ابتدائی دنوں میں دارالعلوم ضیاء مصطفی تلجلہ تشریف لائے جہاں علما سے آپ نے خطاب فرمایا۔ اس تقریر کے بعد کلکتہ بھر میں آپ کی کوئی اور تقریر نہیں ہوئی۔

محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ امجدی صاحب قبلہ:

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی نشان دہی پر پہلے پہل محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ امجدی صاحب قبلہ عالم مستری لین ہوڑہ میں بہ حیثیت امام تشریف لائے۔ پھر فرفرا کے مدرسہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دینا شروع فرمایا۔ فرفرا میں آپ کا مدت قیام دو سال رہا۔ پھر فرفرا سے مستعفی ہوکر ہوڑہ ضیاء الاسلام تشریف لائے۔ ضیاء الاسلام میں بھی تدریسی خدمات کا زمانہ دو سال ہی ہے۔ پھر یہیں سے حضور حافظ ملت آپ کو جامعہ اشرفیہ مبارک پور لے گئے۔

مفتی ثناء المصطفیٰ امجدی:

دارالعلوم ضیاء الاسلام کے قیام کے ابتدائی ۲،۳ سالوں کے بعد حضرت مولانا مفتی ثناء المصطفیٰ امجدی صاحب بہ حیثیت استاذ ضیاء الاسلام تشریف لائے۔ نوے کی دہائی میں ضیاء الاسلام کے صدر مدرس اور مفتی مقرر ہوئے۔ آپ کے زمانۂ صدارت میں ضیاء الاسلام نے خوب ترقی کی اور معیار تعلیم بھی کافی بہتر رہا۔ درس وتدریس اور افتا کے علاوہ مناظرہ اور خطابت میں بھی آپ نمایاں مقام رکھتے تھے۔ خطابت اور مناظرہ کے لیے آپ نے دور دراز کے دیہی علاقوں کا بھی دورہ فرمایا۔ دارالعلوم ضیاء الاسلام میں بحالی سے لے کر وصال تک آپ ادارے سے مکمل طور پر وابستہ رہے۔

مولانا انیس القادری عزیزی:

پہلے پہل بنگال میں مولانا انیس القادری صاحب تیلنی پاڑہ، ہگلی جامع مسجد تشریف لائے

جہاں حالات بہت نازک تھے۔ ہر طرف دیوبندیوں کا غلبہ تھا۔ لیکن آپ نے اپنی خداداد صلاحیت و ذہانت سے تبلیغی پاڑہ کی کایا پلٹ دی جہاں سنیت کم زور تھی وہاں آپ کی کوششوں سے جان آ گئی۔ لگ بھگ ۷/سال آپ نے تبلیغی پاڑہ میں درس و تدریس اور امامت و خطابت کے فرائض انجام دیئے۔ بعد ازاں ضیاء الاسلام تکیہ پاڑہ تشریف لائے جہاں لمبی مدت تک ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے زمانۂ نظامت میں ادارہ نے تعلیمی و تعمیری اعتبار سے خوب ترقی کی۔ عمر کے آخری حصے میں آپ ضیاء الاسلام سے مستعفی ہو کر دارالعلوم رضائے مصطفیٰ مٹیابرج سے منسلک ہو گئے اور وہیں آپ نے زندگی کی آخری سانسیں لیں اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

مولانا ابوالکلام احسن القادری:

تقریباً ۴۰/سالوں سے ضیاء الاسلام تکیہ پاڑہ ہوڑہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ تکیہ پاڑہ کی ایک مسجد میں امامت و خطابت کے بھی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ درس و تدریس اور امامت کے علاوہ خطابت آپ کا محبوب مشغلہ ہے۔ کئی مناظروں میں بھی آپ نے شرکت فرمائی ہے۔ درجن بھر چھوٹی بڑی کتابیں آپ کے رشحات قلم سے معرض وجود میں آچکی ہیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں: (۱) اسلامی قانون ۴/ حصے (۲) میلاد مصطفیٰ (۳) فیصلہ حق و باطل (۴) بچوں کی آسان تقریریں (اول، دوم) وغیرہ۔

مولانا مدثر حسین حبیبی:

۱۹۷۰ء میں والد بزرگوار مولانا مدثر حسین حبیبی صاحب نے تنظیمی زندگی کا آغاز فرمایا۔

۱۹۷۱ء میں مدرسہ عربیہ غوث اعظم کی بنیاد رکھی۔

۱۹۸۵ء میں کل ہند مجلس طلباے اسلام کا آغاز فرمایا جو بلاشبہ ہندستان بھر میں طلبا کی پہلی سنی تنظیم تھی۔

۱۹۸۶ء میں راجہ بگان مٹیابرج کلکتہ میں مسجد غریب نواز کی بنیاد رکھی۔

۱۹۸۷ء میں غریبوں کے علاج و معالجہ کے لیے دارالشفا کے نام سے ایک ہاسپٹل کی بنیاد رکھی جو ۷/بیڈ پر مشتمل تھا۔

کئی کتابیں بھی آپ نے تحریر فرمائی ہیں، چند کے نام یہ ہیں: (۱) مسلمانوں کے مسائل اور اسباب (۲) کرامات مجاہد ملت (۳) حج و زیارت (۴) اعمال شبانہ روز...... تحریر و تصنیف کا کام اب بھی جاری ہے، ان دنوں ''درس قرآن'' کے نام سے ایک مفید کتاب لکھنے میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سایہ کو مسلمانوں پر تادیر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

مولانا محمد قاسم علوی:

تقریباً ۳۰/سالوں سے آپ کلکتہ مٹیابرج میں رہ کر دینی و مذہبی خدمات انجام دے رہے

ہیں۔ مولانا رحمت علی علوی کے انتقال فرمانے کے بعد آپ لال مسجد مٹیابرج کے امام منتخب ہوئے۔ مٹیابرج میں جلوس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ مٹیابرج میں جلوس محمدی کو دیکھ کر شہر کلکتہ واطراف میں بھی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر جلوس نکالنے کا چلن عام ہوا۔ گویا جلوس محمدی کے محرک اول کلکتہ میں آپ ہی ہیں۔

۱۹۹۸ء یا ۱۹۹۹ء کو دارالعلوم رضائے مصطفیٰ آپ نے قائم فرمایا جس میں حفظ وقراءت کے علاوہ اعدادیہ سے عالمیت تک کی معیاری تعلیم کا نظم ہے۔

فکر رضا کے فروغ میں مدارس اور تعلیمی اداروں کا کردار

دارالعلوم ضیاء الاسلام (ہوڑہ):

ہوڑہ تکیہ پاڑہ میں ۱۹۶۷ء میں دارالعلوم ضیاء الاسلام کا قیام عمل میں آیا، اس ادارے کے بانی قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ ہیں۔ ضیاء الاسلام میں عرصے تک خطیب اہل سنت مولانا انیس القادری رحمۃ اللہ علیہ ناظم کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ جب کہ مفتی ثناء المصطفیٰ امجدی رحمۃ اللہ علیہ، آخری دم تک تدریس وافتا کی خدمات سے منسلک رہے۔ ادارہ میں شعبۂ حفظ، شعبۂ قراءت، اعدادیہ تا فضیلت، شعبہ پرائمری وغیرہ جاری ہیں، جن میں ۳۰۰/علاقائی بچوں کے علاوہ ۱۷۵/اقامتی طلبا ۲۲/اساتذہ کی نگرانی میں زیر تعلیم ہیں۔

کلکتہ واطراف کی کئی سنی مساجد میں دارالعلوم ضیاء الاسلام کے فارغین فرائض امامت انجام دے رہے ہیں۔ کنکنائی مدنا پور میں ایک سال پہلے یکم محرم کو کلیۃ البنات شاخ ضیاء الاسلام کا آغاز کیا گیا جس میں ۲۵/اقامتی طالبات اور ۶۰/کے قریب علاقائی بچیاں زیر تعلیم ہیں۔

فی الحال مفتی وفاء المصطفیٰ امجدی ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مدرسہ اسلامیہ (خضر پور):

کلکتہ خضر پور میں تقریباً ۵۰/سال قبل مدرسہ اسلامیہ خضر پور کا قیام عمل میں آیا۔ ادارے میں فی الحال شعبۂ پرائمری، شعبۂ حفظ، اعدادیہ تا عالمیت کی تعلیم جاری ہے۔ ۱۵۰/سے زائد مقامی اور اقامتی طلبا ۱۰/اساتذہ کی نگرانی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

۲۰۰۷ء میں ایک کتاب بنام ''عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت'' مدرسہ اسلامیہ سے شائع ہوئی تھی۔

مدرسہ عربیہ غوث اعظم (راجہ بگان):

راجہ بگان مٹیابرج کلکتہ میں ۱۹۷۰ء میں خلیفہ حضور مجاہد ملت حضرت الحاج مدثر حسین حبیبی نے مدرسہ عربیہ غوث اعظم کے نام سے ادارہ قائم فرمایا۔

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے اس نام کو بہت پسند فرمایا۔ اور تعمیر و ترقی کی خصوصی دعائیں فرمائیں شہر کلکتہ میں سنی اداروں میں یہ اس لحاظ سے بھی خاص اہمیت کا حامل ہے کہ اس ادارے کی ملکیت میں ایک بیگھہ سے کچھ زائد زمین موجود ہے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ۲۰۰۱ء اکتوبر کے مہینے میں کچھ سماج دشمن عناصر جبراً ادارے پر قابض ہو گئے۔ اسی وقت سے ادارہ روبہ زوال ہے۔ اور اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔

مدرسہ قادریہ رضویہ (برجونالہ):

برجونالہ ٹیابرج کلکتہ میں ۸۰ر کی دہائی میں جناب مقبول انصاری صاحب نے مدرسہ قادریہ رضویہ کی بنیاد رکھی۔ جس میں حفظ کے ساتھ عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم کا نظم ہے۔

مدرسہ حسینیہ غوثیہ:

ٹیابرج کلکتہ میں مولانا شاہد القادری نے ۱۹۹۶ء میں مدرسہ حسینیہ غوثیہ کی بنیاد رکھی۔ جس میں شعبۂ حفظ جاری ہے تقریباً ۲۰ر بیرونی طلبا کے علاوہ علاقائی بچے، ۵ر اساتذہ کی نگرانی میں تعلیمی مراحل طے کر رہے ہیں۔

دارالعلوم ضیائے مصطفیٰ (مٹیابرج):

ٹیابرج کلکتہ میں غالباً ۱۹۹۸ء میں ادارے کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا قاسم علوی ادارے کے بانی اور ناظم ہیں۔ مولانا انیس القادری نے زندگی کے آخری چند سال یہیں گزارے اور اپنی تمام تر صلاحیتوں سے ادارے کو توانائی بخشی۔ فی الحال ادارے میں شعبۂ حفظ، شعبۂ قراءت اور عالمیت تک کی تعلیم جاری ہے۔

مدرسہ قادریہ ضیاء مصطفیٰ (تلجلہ):

کلکتہ تلجلہ میں مفتی رحمت مصباحی نے ۲۰۰۰ء میں مدرسہ قادریہ ضیاء مصطفیٰ کا آغاز فرمایا تادم تحریر مدرسہ میں حفظ وقراءت کی تعلیم جاری ہے جس میں ۱۰۰ر سے زائد طلبا چار اساتذہ کی نگرانی میں زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں۔

مدرسہ غوثیہ رضویہ مٹیابرج:

کلکتہ ٹیابرج میں مولانا محمد اشرف مصباحی نے ۲۰ر جنوری ۲۰۰۱ء میں مدرسہ کی بنیاد رکھی فی الحال مدرسہ میں حفظ وقراءت کا شعبہ جاری ہے جس میں علاقائی طلبا کے علاوہ ۶۰ر اقامتی طلباء ۷ر اساتذہ کی نگرانی میں زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں۔

جامعہ عبداللہ ابن مسعود (پنچنو گرام):

کلکتہ پور بو پنچو گرام میں مفتی رحمت علی مصباحی نے ۲۰۰۵ء میں ادارہ ملت اسلامیہ کا آغاز

فرمایا جو پہلے پہل مکتب کی شکل میں تھا بعد میں ادارے کا نام بدل کر جامعہ عبداللہ ابن مسعود رکھا گیا۔ تادم تحریر ادارے میں اعدادیہ تا عالمیت تعلیم جاری ہے۔ ۱۰۰ر سے زائد طلبا ۱۲ر اساتذہ کی نگرانی میں تعلیمی مراحل طے کر رہے ہیں۔

مدینۃ العلوم انسٹی ٹیوٹ (توپسیا):

توپسیا کلکتہ میں ۲۰۰۹ء اگست کے مہینے میں راقم محمد مجاہد حسین حبیبی کے ہاتھوں آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال کے تحت ادارے کا قیام عمل میں آیا۔ جہاں چار اساتذہ کی نگرانی میں ناظرہ قرآن، تعلیم بالغاں، حفظ، شعبۂ کمپیوٹر وغیرہ جاری ہیں۔

مدرسہ عائشہ للبنات (مٹیابرج):

سرزمین کلکتہ ٹیابرج میں خواتین میں دینی و مذہبی بیداری لانے کے لیے ۳۰ر جون ۲۰۱۰ء کو مولانا محمد اشرف مصباحی نے مدرسہ عائشہ للبنات کی بنیاد رکھی جو بلاشبہہ بنگال کی سرزمین پر کسی بھی سنی تنظیم کی جانب سے خواتین کے لیے پہلا ادارہ ہے۔

ویسے شہر کلکتہ واطراف میں ایسے درجنوں سنی ادارے ہیں جو اعلیٰ حضرت کے افکار و نظریات کی اشاعت میں کسی نہ کسی جہت سے شامل ہیں ان میں سے چند مدارس کے نام حسب ذیل ہیں۔

مدرسہ قادریہ حبیبیہ (فیل خانہ ہوڑہ)، مدرسہ تجوید القرآن (فیل خانہ ہوڑہ)، مدرسہ حنفیہ رضویہ (راجہ بازار)، مدرسہ فیض المصطفیٰ (مچھوا)، مدرسہ جمالیہ (ذکریا اسٹریٹ)، مدرسہ سلیمیہ (کرہٹی)

فکر رضا کے فروغ میں تنظیموں کا کردار

آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال:

خلیفہ حضور مجاہد ملت حضرت الحاج مدثر حسین حبیبی صاحب نے ۱۹۷۰ء کی دہائی میں تحریک آل انڈیا تبلیغ سیرت کی شاخ بنگال میں قائم کی۔ اس تحریک کے تحت راجہ بگان کلکتہ۔ ۴۴ر میں مدرسہ عربیہ غوث اعظم قائم فرمایا۔ ۱۹۷۳ء میں پہلا سنی کیلنڈر تبلیغ سیرت کے تحت شائع کیا گیا، ۱۹۸۲ء میں پندرہ روزہ اخبار نوائے حبیب جاری کیا گیا، ۱۹۸۶ء میں پانچ سو صفحات پر مشتمل مجاہد ملت نمبر شائع ہوا۔ جو حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ پر لکھنے والوں کے لیے ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۰۰۶ء میں بیڈ فورڈ لین، کلکتہ۔ ۱۶ر میں علاقائی بچوں کی دینی تربیت کے لیے ایک مکتب بنام مدنی درس گاہ قائم کیا گیا۔

۲۰۰۷ء میں ۹ر شریف لین، کلکتہ۔ ۱۶ر میں مدنی درس گاہ قائم کی گئی، جہاں کثیر تعداد میں علاقائی بچے ناظرہ قرآن اور دینیات کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

۲۰۰۹ء میں توپسیا میں مدینۃ العلوم انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا جس میں علاقائی بچوں کے لیے

ناظرہ قرآن، بڑے لوگوں کے لیے تعلیم بالغاں اور حفظ کی تعلیم کے ساتھ کمپیوٹر ٹریننگ، عربک اسپوکین کلاسز وغیرہ کا بھی نظم ہے۔

۲۰۰۸ء سے اب تک گرمیوں کی چھٹیوں میں نصف درجن سے زائد مقامات پر اسکول کے بچوں اور کالج کے اسٹوڈنٹس وغیرہ کی دینی تربیت کے لیے ۳،۴؍ روزہ دینی تربیتی ورکشاپ منعقد کیے جارہے ہیں۔ جو اب تک کسی بھی سنّی تنظیم کی جانب سے بنگال میں اپنی نوعیت کا منفرد پروگرام ہے۔

اپریل ۲۰۰۴ء میں سہ ماہی تبلیغ سیرت جاری کیا گیا جو مسلسل آٹھ سالوں سے شائع ہو رہا ہے اس درمیان سہ ماہی تبلیغ سیرت کے تین خصوصی شمارے (خواجہ غریب نواز، شہداے کربلا، مشائخ مارہرہ) شائع ہوچکے ہیں۔

۲۰۰۷ء میں سہ ماہی تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر بھی شائع ہوا جو اب تک حضور مجاہد ملت پر شائع ہونے والی کتابوں میں سب سے ضخیم اور جامع کتاب ہے۔

مجلس علماے اسلام مغربی بنگال:

۱۹۸۰ء میں مجلس علماے اسلام کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا نعمت حسین حبیبی، مولانا عزیز اللہ مظہری، مفتی قاسم ابراہیمی وغیرہ پیش پیش تھے۔ لیکن کچھ عرصے بعد قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے اس کی ذمہ داری مولانا قاسم علوی اور دوسرے علما کو سونپ دی۔

اپنے زمانۂ قیام سے اب تک کئی چھوٹے بڑے پروگرام تحریک کے تحت منعقد ہوچکے ہیں۔ تحریک نے بنگال میں ۲۰۰۹ء میں آئیلا طوفان کے وقت متاثرین تک ریلیف پہنچانے کا بھی کام کیا ہے۔

امام احمد رضا سوسائٹی:

مٹیا برج کلکتہ میں مولانا شاہد القادری صاحب نے ۲۰۰۱ء میں امام احمد رضا سوسائٹی قائم کی۔ جس کے تحت اب تک کئی کتابیں مثلاً مفتی اعظم مغربی بنگال حیات وخدمات، تجلیات تاج الشریعہ، مجاہد ملت حیات وافکار وغیرہ شائع ہوئی ہیں۔

۲۰۱۰ء سے ماہ نامہ گلستان رضا اخبار کا آغاز کیا جو ہر ماہ شائع ہو رہا ہے۔ متعدد کانفرنسوں کا انعقاد بھی ہوا نیز اس کی سرگرمیاں جاری ہیں۔

جماعت رضاے مصطفیٰ کلکتہ:

کلکتہ بیٹھک خانہ روڈ گئو خانہ مسجد کے خطیب وامام مفتی محمد افضل حسین مصباحی نے ۲۰۰۵ء میں مرکزی جماعت رضاے مصطفیٰ بریلی شریف سے منظوری کے بعد کلکتہ میں جماعت رضاے مصطفیٰ کی شاخ قائم کی۔ تادم تحریر ۴؍ کتابیں مثلاً تمہید ایمان۔ از: اعلیٰ حضرت، رہ نماے شریعت، وضو اور غسل کے ضروری مسائل، زکوٰۃ کے ضروری مسائل۔ از: مفتی افضل حسین مصباحی شائع ہوچکی ہیں جب کہ مختلف

مواقع پر ہینڈ بل اور پمفلٹ وغیرہ بھی شائع کیے گئے ہیں۔

عامۃ الناس کی تربیت کے لیے ہفتہ واری نوری محفل، ماہانہ نوری محفل وغیرہ بھی منعقد کیے جاتے ہیں۔ صبح طیبہ کانفرنس کے نام سے سالانہ جلسہ بھی ہوتا ہے۔ جس میں ملک کے ممتاز علما شریک ہوتے ہیں۔ تحریک کے تحت گئو خانہ مسجد میں کئی سالوں سے ناظرہ قرآن کا بھی نظم ہے جس سے علاقائی بچے مستفیض ہو رہے ہیں۔

دعوت قرآن اسلامک ری سرچ اینڈ دعوۃ سنٹر:

کلکتہ خضر پور میں اس تحریک کا قیام ۲۰۰۶ء میں عمل میں آیا۔ مولانا محمد امتیاز احمد مصباحی اس کے روح رواں ہیں۔

اب تک تحریک نے چار کتابیں: (۱) قادیانی مذہب۔ از: پروفیسر الیاس برنی (۲) ضعیف اور موضوع حدیث کا علمی وفنی جائزہ، مقدمہ صحیح البہاری ترجمہ۔ مولانا محمد طفیل رضا مصباحی (۳) قرآن، حدیث اور علم غیب۔ از: مفتی شاہ جہاں قادری (۴) تعظیم وتوقیر۔ از: پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مجددی وغیرہ شائع کی ہیں۔

اپنے زمانۂ قیام سے اب تک تحریک نے خضر پور کی سرزمین پر دو سیمینار اور دو بڑے پروگرام منعقد کیے ہیں۔ ہفتہ واری تفسیر قرآن کی محفلیں بھی مختلف مساجد میں انجام دی جارہی ہیں۔ ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء ربیع النور شریف کے موقع پر یکم ربیع الاول تا ۱۲ ربیع الاول بارہ روزہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پروگرام منعقد کیا گیا جس میں منتخب عناوین کے تحت مقررین سے تقریریں کرائی گئیں۔ ساتھ ہی حضور پر اغیار کی جانب سے ہونے والے اعتراضات کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب پیش کیا گیا۔ اس پروگرام کو کیبل ٹی وی کے ذریعہ Live ٹیلی کاسٹ کیا گیا جس سے خضر پور اور گرد ونواح کے لوگوں نے استفادہ کیا۔

رضا اکیڈمی کلکتہ:

۲۰۱۰ء کے اوائل میں رضا اکیڈمی کی شاخ کلکتہ کمرہٹی میں قائم ہوئی مولانا محمد مختار احمد رضوی، رضا اکیڈمی کلکتہ کے سکریٹری مقرر کیے گئے۔ زمانۂ قیام سے اب تک کئی مواقع پر رضا اکیڈمی کلکتہ نے اعلیٰ حضرت اور دیگر اکابر علماے اہل سنت کی کتابیں رعایتی قیمتوں پر لوگوں تک پہنچائی ہیں۔

فکر رضا کے فروغ میں کتب خانوں کا کردار

تبلیغ سیرت کی مطبوعات:

تحریک آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال کے زیر اہتمام اب تک پچاس سے زائد کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ جن میں سے چند کے نام اس طرح ہیں:

(۱) احادیث شفاعت۔ از: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ (۲) مسئلۂ مرغوب۔ از: حضرت مولانا قتیل داناپوری علیہ الرحمہ (۳) جواز عید میلاد النبی۔ از: مدثر حسین جیبی (۴) تعظیم و توقیر۔ از: پروفیسر مسعود احمد (۵) علم غیب۔ از: پروفیسر مسعود احمد (۶) تقلید۔ از: پروفیسر مسعود احمد (۷) عورت اور پردہ۔ از: پروفیسر مسعود احمد (۸) عورت اور ہمارا معاشرہ۔ از: علامہ عبدالمبین نعمانی (۹) فیضان قرآن۔ از: علامہ عبدالمبین نعمانی (۱۰) شراب کے نقصانات۔ از: علامہ عبدالمبین نعمانی (۱۱) لاٹری کی تباہ کاریاں۔ از: علامہ عبدالمبین نعمانی (۱۲) نماز کی اہمیت۔ از: محمد مجاہد حسین جیبی (۱۳) علم دین کی اہمیت۔ از: محمد مجاہد حسین جیبی (۱۴) توبہ کی اہمیت۔ از: محمد مجاہد حسین جیبی (۱۵) خوف خدا کی اہمیت۔ از: محمد مجاہد حسین جیبی (۱۶) حیا کی اہمیت۔ از: محمد مجاہد حسین جیبی (۱۷) حیات امام اعظم ابو حنیفہ۔ از: محمد مجاہد حسین جیبی (۱۸) حج و زیارت۔ از: محمد مدثر حسین جیبی (۱۹) آخری پیغام۔ مترجم: محمد مجاہد حسین جیبی (۲۰) رسول کریم کی دعائیں۔ از: محمد مجاہد حسین جیبی (۲۱) کرامات مجاہد ملت۔ از: مدثر حسین جیبی (۲۲) مسلمانوں کے مسائل اور اسباب۔ از: مدثر حسین جیبی (۲۳) احادیث لیس منا (وہ ہم میں سے نہیں) از: محمد مجاہد حسین جیبی (۲۴) عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ از: محمد مجاہد حسین جیبی (۲۵) ایمان اور اس کے تقاضے۔ از: محمد مجاہد حسین جیبی (۲۶) اختیارات رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ از: محمد مجاہد حسین جیبی (۲۷) Kitabus Salaat (۲۸) Biography of the Holy Prophet (۲۹) رواداری۔ از: پروفیسر مسعود احمد (۳۰) علم غیب [ہندی] (۳۱) تعظیم و توقیر [ہندی] (۳۲) نماز کی اہمیت [ہندی] (۳۳) توبہ کی اہمیت [ہندی]

ان کے علاوہ ملک کے طول و عرض کے درجنوں اخبارات و رسائل میں سو سے زائد مضامین کی اشاعت تبلیغ سیرت کی اہم خدمات میں سے ہے۔

گزشتہ کئی سالوں سے محرم شریف، شب براءت، شب قدر، عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عید قرباں کے موقع پر نفع بخش مواد پر مشتمل ہینڈ بل وغیرہ بھی ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیے جا رہے ہیں۔

اعجاز بک ڈپو کلکتہ:

۱۹۷۴ء میں حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی صاحب کی ایما پر کلکتہ میں اہل سنت کا اشاعتی ادارہ مولوی اعجاز صاحب نے اعجاز بک ڈپو کے نام پر قائم کیا جس نے ہندستان بھر میں پہلی بار علامہ عبدالمبین نعمانی کی مرتب کردہ کتابیں۔ مثلاً پنج سورۂ رضویہ، انتخابات اعلیٰ حضرت، ارشادات اعلیٰ حضرت، جب کہ کچھ دوسری کتابیں مثلاً سنی بہشتی زیور، تاریخ نجد و حجاز، اقبال و احمد رضا، فوائد دین و دنیا، تنقیدی جائزہ، بارش رحمت، انتخاب اجمل، انتخاب بیکل، سچی نماز، ترکیب فاتحہ، فیصلہ حق و باطل، قرآن مجید کے غلط ترجموں کی نشان دہی کے علاوہ درجنوں کتابیں شائع ہوئیں۔ ۳۶ رسالہ خدمات انجام دینے

کے بعد ۲۰۱۰ء میں اعجاز بک ڈپو بند ہو گیا۔

سیرت پبلی کیشنز کلکتہ:

۱۹۹۹ء میں حضرت مولانا مدثر حسین جیبی صاحب نے کلکتہ میں سیرت پبلی کیشنز کا آغاز فرمایا جس نے اپنے زمانہ قیام سے لے کر اب تک کئی علمی کتابیں شائع کی ہیں مثلاً: (۱) فیضان قرآن۔ از: علامہ عبدالمبین نعمانی (۲) راہ جنت۔ از: محمد مجاہد حسین جیبی (۳) رسول کریم کی وصیتیں۔ از: محمد مجاہد حسین جیبی (۴) حج و زیارت۔ از: الحاج مدثر حسین جیبی (۵) شراب کے نقصانات۔ از: علامہ عبدالمبین نعمانی (۶) لاٹری کی تباہ کاریاں۔ از: علامہ عبدالمبین نعمانی، (۷) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں۔ از: محمد مجاہد حسین جیبی (۸) فیضان درود۔ از: محمد مجاہد حسین جیبی (۹) کرامات مجاہد ملت۔ از: مدثر حسین جیبی۔ (۱۰) Hadith-e-Qudsi (۱۱) The Holy Qur'an

ویسے سیرت پبلی کیشنز کلکتہ کی سرزمین پر سنیوں کا پہلا کتب خانہ ہے جو گزشتہ ۷ رسالوں سے مختلف بک فیئرس میں شریک ہو کر کتب اہل سنت کی اشاعت میں کلیدی رول ادا کر رہا ہے۔

اشرف پبلی کیشنز کلکتہ:

۱۹۹۰ء سے اب تک اشرف پبلی کیشنز کے زیر اہتمام جناب علی اشرف چاپدانوی صاحب کی سرکردگی میں درجنوں مذہبی و درسی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں رہبر اعظم۔ از: علی اشرف چاپدانوی، اسلامی تعلیم و تربیت (حصہ اول تا سوم)۔ از: علی اشرف چاپدانوی، سوانح غریب نواز، تذکرہ غوث اعظم، فرامین اعلیٰ حضرت، تذکرہ وارث۔ از: علی اشرف چاپدانوی، سچی نماز، ترکیب فاتحہ و نیاز، پانچ نورانی راتیں، تین مقدس مہینے۔ از: علی اشرف چاپدانوی۔ ان کتابوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ درسی کتابیں مثلاً: نیو ماڈل جنرل نالج، پرفکٹ جنرل نالج، رہبر اردو، وغیرہ بھی متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہیں، اور مزے کی بات یہ ہے کہ ان کتابوں میں بھی اعلیٰ حضرت اور بریلی کا تذکرہ موجود ہے۔

مجلس اصحاب قلم (تلجلہ):

۱۹۹۵ء کے قریب مفتی رحمت علی مصباحی صاب نے تلجلہ نوری مسجد میں ایک اشاعتی ادارہ قائم فرمایا جس کے تحت اب تک متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ کچھ کے نام یہ ہیں: (۱) حکایات شرف (۲) احکام قربانی (۳) تذکرہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۴) محرم اور تعزیہ داری (۵) جلسہ جلوس کی شرعی حیثیت، وغیرہ

فکر رضا کی اشاعت میں اخبارات و رسائل کا کردار

پندرہ روزہ جام کوثر کلکتہ:

۱۹۶۶ء میں کلکتہ کی سرزمین سے حضور مجاہد ملت کی سرپرستی اور علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ

کی ادارت میں جام کوثر کا آغاز ہوا۔ جو ایک سال کے بعد بند ہو گیا۔

ماہ نامہ جام نور کلکتہ:

۱۹۶۷ء میں کلکتہ سے جام کوثر کی جگہ جام نور کے نام سے علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے شمارے کا آغاز فرمایا جو چند سال جاری رہ کر بند ہو گیا۔

پندرہ روزہ نوائے حبیب کلکتہ:

۱۹۸۲ء میں مولانا مدثر حسین حبیبی نے پندرہ روزہ اخبار نوائے حبیب جاری کیا، جو ۱۹۸۹ء تک شائع ہوتا رہا۔

سہ ماہی جام شہود:

مولانا سید رکن الدین اصدق فردوسی صاحب کی ادارت میں نوے کی دہائی میں جام شہود کا آغاز ہوا۔ دو سال کے بعد کسی وجہ سے جام شہود کی اشاعت کلکتہ کے بجائے پٹنہ سے کی جانے لگی۔ جو بعد میں بند ہو گیا۔

ہفت روزہ نوری مجاہد کلکتہ:

اسی کی دہائی میں جناب مقبول انصاری صاحب نے نوری مجاہد کے نام سے ایک ہفتہ روزہ اخبار جاری کیا تھا جو دو سالوں تک جاری رہ کر بند ہو گیا۔

سہ ماہی حضرت بلال کلکتہ:

۲۰۰۳ء میں سہ ماہی حضرت بلال مولانا علی اعظم کی ادارت میں کلکتہ سے شروع ہوا، جو ۲۰۰۸ء تک جاری رہا۔ اس درمیان حضرت بلال کے کئی خصوصی شمارے بھی شائع ہوئے مثلاً: غوث اعظم نمبر، مخدوم بہار نمبر، مشائخ کچھوچھہ نمبر، وغیرہ۔

سہ ماہی تبلیغ سیرت کلکتہ:

۲۰۰۴ء میں سہ ماہی تبلیغ سیرت جاری ہوا جو مسلسل آٹھ سالوں سے شائع ہو رہا ہے اس درمیان سہ ماہی تبلیغ سیرت کے تین خصوصی شمارے خواجہ غریب نواز پر خصوصی پیش کش، شہدائے کربلا پہ خصوصی پیش کش، مشائخ مارہرہ پر خصوصی پیش کش شائع ہو چکے ہیں۔

۲۰۰۷ء میں سہ ماہی تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر بھی شائع ہوا جو اب تک حضور مجاہد ملت پر شائع ہونے والی کتابوں میں سب سے ضخیم اور جامع کتاب ہے۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی امام احمد رضا نمبر بھی شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ جس کی تیاری شروع کی جا چکی ہے۔

☆☆☆

جنوبی ہند میں اعلیٰ حضرت پر تحقیقی مقالات

مولانا عرفان محی الدین قادری ربانی

ریسرچ اسکالر عثمانیہ یونی ورسٹی، حیدر آباد Cell.09290284889

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی پر جنوبی ہند میں چار تحقیقی مقالات پیش کیے گئے، ایک اردو زبان میں برائے پی۔ ایچ۔ ڈی بقیہ تین مقالات عربی زبان میں (برائے ایم۔ فل) پیش کیے گئے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی پر عربی زبان میں ہندو پاک میں صرف ایک پی۔ ایچ۔ ڈی کا ذکر ملتا ہے۔

(۱) ڈاکٹر شاہد علی نورانی نے پنجاب یونی ورسٹی لاہور پاکستان سے ''الشیخ احمد رضا شاعرا عربیا مع تدوین دیوانه العربی'' پر مقالہ پیش کیا اور انھیں ۲۰۰۴ء میں ڈگری تفویض کی گئی، اسی پنجاب یونی ورسٹی سے ڈاکٹر محمد اسحاق جلالی نے ''الزلال الانقی من بحر سبقة الاتقی'' پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ہے لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ عربی زبان میں ہے یا اردو زبان میں۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی پر ہندستان میں ایک بھی Ph.D عربی زبان میں نہیں ہوئی۔

اعلیٰ حضرت پر جنوبی ہند میں جو تحقیقی مقالات پیش کیے گئے ان میں ایک Ph.D کا مقالہ ہے اور تین ایم فل (M.Phil) کے مقالات ہیں۔

(۱) مولانا غلام مصطفیٰ نجم القادری نے میسور یونی ورسٹی سے ''امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ'' پر اپنا مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی اردو میں پیش کیا اور انھیں ڈگری تفویض کی گئی۔ عربی زبان میں تین ایم فل (M.Phil) کے مقالات پیش کیے گئے جس کی تفصیل یہ ہے: (۱) ڈاکٹر سید غوث محی الدین عرف اعظم پاشاہ خانوادۂ موسویہ حیدر آباد کے چشم و چراغ کو شعبۂ عربی عثمانیہ یونی ورسٹی سے ڈاکٹر غلام محمد کے زیر نگرانی ''الشیخ احمد رضا خان حیاته و اعماله'' پر ۱۹۹۰ء میں ڈگری تفویض کی گئی۔

(۲) مولانا محمد مصطفیٰ علی مصباحی چنئی تمل ناڈو کی خانقاہ قادریہ سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے شعبۂ عربی نیو کالج ملحقہ مدراس یونی ورسٹی سے ڈاکٹر احمد زبیر پروفیسر نیو کالج چنئی تمل ناڈو کے زیر نگرانی ''مساهمة الشیخ احمد رضا خان فی الادب العربی'' پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ ۲۰۰۶ء میں ڈگری تفویض کی گئی۔

(۳) تیسرا مقالہ مجھ ناچیز محمد عرفان محی الدین کا ہے جو'' دراسة عن الحواشی للعلامة

احمد رضا خان علی امہات الکتب فی الحدیث الشریف ''پر تحریر کیا گیا، یہ مقالہ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کے حدیثی مخطوطات پر پیش کیا گیا۔ پروفیسر محمد مصطفیٰ شریف صدر شعبۂ عربی عثمانیہ یونی ورسٹی کے زیر نگرانی تکمیل ہوا ۲۰۰۹ء میں ڈگری تفویض کی گئی۔

جنوبی ہند کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں سے تین مقالات عربی زبان میں پیش کیے گئے۔ حاشیہ جد الممتار بھی حیدرآباد ہند سے پہلی بار مطبع عزیزیہ سے شایع ہوا۔ ۱۹۷۸ء میں راست علامہ محمد احمد مصباحی (پرنسپل الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) کے زیر نگرانی اس کی اشاعت عمل میں آئی۔

حیدرآباد کے چند نام ور محققین عثمانیہ یونی ورسٹی نے اپنے مقالات کئی سیمی نار میں پیش کیے ہیں:

(۱) پروفیسر عبدالمجید نظامی صاحب سابق صدر شعبۂ عربی عثمانیہ یونی ورسٹی نے (EFLU-Foreign Languages University) میں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی پر مقالہ پیش کیا۔

(۲) پروفیسر محمد مصطفیٰ شریف صاحب صدر شعبۂ عربی عثمانیہ یونی ورسٹی نے گل برگہ میں امام احمد رضا کانفرنس میں ''امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت'' پر اردو میں مقالہ پیش فرمایا۔

(۳) ڈاکٹر شجاع الدین قادری عزیز شعبۂ عربی عثمانیہ یونی ورسٹی نے سالار جنگ میوزیم میں ''سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کانفرنس'' میں ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور سیرت النبی'' پر اپنا مقالہ پیش کیا۔

(۴) ڈاکٹر عماد الدین نے مدراس یونی ورسٹی میں علم حدیث کے ایک سیمی نار میں ''مساھمۃ الشیخ احمد رضا خان فی علم الحدیث'' پر اپنا مقالہ عربی زبان میں پیش کیا۔

(۴) راقم (محمد عرفان محی الدین) نے اب تک اعلیٰ حضرت محدث بریلوی پر عربی زبان میں تین مقالات پیش کیے، ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور کتب تعریب'' یہ مقالہ عربی میں ایک ترجمہ کے سیمی نار میں پیش کیا گیا، دوسرا مقالہ ''ہند و عراقی ادب'' کے سیمی نار میں ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور علماے عراق'' پر پیش کیا گیا، اس مقالے میں ڈاکٹر رشید عبدالرحمٰن العبیدی کی تحقیق شدہ کتاب ''قصیدتان رائعتان'' جو اعلیٰ حضرت کے عربی اشعار پر مشتمل ہے اور ''شاعر من الھند'' ڈاکٹر محمد مجید السعید کی تصنیف ہے جس میں ''بساتین الغفران'' اعلیٰ حضرت کے عربی دیوان پر بحث کی گئی ہے ''الدولۃ المکیہ'' پر تقاریظ لکھنے والے عراقی علما میں شیخ محمد سعید بن عبدالقادر النقشبندی البغدادی اور الشیخ یوسف عطا البغدادی کے نام ملتے ہیں، ڈاکٹر رشید عبدالرحمٰن العبیدی اور ڈاکٹر السعید کا تعلق صدام یونی ورسٹی عراق سے ہے۔

تیسرا مقالہ ''مساھمۃ الشیخ احمد رضا خان فی علم الحدیث الشریف و مقاومۃ البدع والرد علیھا'' پر پیش کیا گیا۔ یہ سیمی نار حدیث شریف سماجی مسائل حل کرنے میں کتنی موثر ہے اسی پر منعقد ہوا اور اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے حدیث شریف کے ذریعہ سماجی مسائل کو حل فرمایا، ہندستان کے غلط رسوم و بدعات پر اپنی گراں قدر تصنیفات لکھی ہیں۔ ☆☆☆

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی اور رضویات

غلام مصطفیٰ رضوی، مالیگاؤں
Cell.09325028586

زندگی بڑی مختصر ہے۔ یہ رب قدیر کی نعمت ہے۔ اس کا استعمال صحیح طریقے سے ہو تو وہ زندگی کام یاب ہے۔ اس عالم رنگ و بو میں کچھ ایسی شخصیات بھی گزری ہیں جن کے علمی کارناموں کی بہ دولت فکر و نظر کو روشنی اور قلب و جگر کو تازگی ملتی ہے۔ ان کے کارہاے نمایاں بعد والوں کے لیے رہ بر و رہ نما بنتے ہیں۔ ان کے نقوشِ فکر تعمیری سوچ کی تمہید ثابت ہوتے ہیں۔ ایسی ہی ایک شخصیت ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (رحلت ۱۵ ررمضان ۱۴۳۲ھ/۱۶ راگست ۲۰۱۱ء) کی تھی۔ جن کی خدمات کا دائرہ ''قلم'' کے حوالے سے بڑا وسیع ہے۔ ان کی تحریریں مقبولیت سے ہم کنار ہوئیں، جس کے متعدد اسباب تھے۔ جن میں چند اس طرح ہیں:

کردار کی تابندگی، مطالعے کی وسعت، فکر کی بلندی، اشاعتِ حق کا جذبۂ فراواں، اخلاص و اخلاق کا بانک پن...... پھر ان سب پر مستزاد ان کا اسلوبِ تحریر و شگفتہ بیانی۔ جس نے کتنے ہی ارباب علم، ادبا و دانش وروں کو اسیر بنا رکھا تھا۔ ان کے صداقت شعار قلم سے درجنوں علمی شہ پارے صفحۂ قرطاس پر ثبت ہوئے۔ راقم خود ان کی تحریریں پڑھ پڑھ کر علمی ذوق و قلمی شوق سے سرشار ہوا۔ ان سطور میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی تصانیف و تحقیقات علمیہ سے رضویات کے موضوع پر چند جواہر پاروں کا مختصر تعارف مقصود ہے۔

آپ کی تحقیقات و تدقیقات جدید معیار تحقیق کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔ جن میں عقیدت کی بجائے حقیقت پسندی کا اظہار زیادہ ہے اور موجودہ دور میں اسی کی ضرورت بھی ہے تا کہ اپنے بے گانے سبھی امام احمد رضا کی خدمات و تصنیفات سے استفادہ کریں اور یہی مطالعہ قبول حق کے لیے رہ بر بھی بن سکتا ہے۔ آپ کی علمی بصیرت اور تصنیفی خدمات کے حوالے سے معروف ادیب ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی (سابق صدر شعبۂ اردو بہار یونی ورسٹی مظفر پور) لکھتے ہیں:

''حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری پر پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے والوں کی تعداد میرے علم و اطلاع کے مطابق نصف درجن تک پہنچتی ہے، ان میں ایک اہم اور معتبر نام ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا ہے جو اسلامیات کے ممتاز اسکالر، اردو ادب کے ادا شناس، معروف اہل قلم اور بلند پایہ مصنف کی حیثیت

سے علمی اور دینی حلقوں میں اپنی پہچان رکھتے ہیں، اور قدر و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔'' (ابتدائیہ، اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص ۱۵، طبع کراچی)

اب ذیل میں رضویات کے ضمن میں آپ کے بعض علمی و تحقیقی مقالہ جات کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

(۱) اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی: ۶۷۷ رصفحات پر مشتمل مقالۂ ڈاکٹریٹ ہے، جسے ۱۹۹۴ء میں روہیل کھنڈ یونی ورسٹی میں معروف شاعر پروفیسر وسیم بریلوی کی نگرانی میں پیش کر کے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی۔ یہ مقالہ محض ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے نہیں لکھا گیا بلکہ موضوع سے متعلق زبردست تحقیقی مواد پیش کیا گیا ہے اور اردو ادب کے اثاثے میں خوب صورت اضافہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ مقالہ کی اشاعت ۲۰۰۸ء میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے شان دار طریقے سے کی۔ افسوس کی بات کہ ایک عرصے کے بعد یہ مقالہ چھپ سکا۔ اللہ کرے کہ ہند میں بھی اس کی اشاعت کی سبیل نکلے۔ وابستگانِ اعلیٰ حضرت بالخصوص خانوادۂ رضا کو چاہیے کہ کوچۂ رضا میں اپنی زیست تمام کرنے والے عاشق رضا کے اس مقالے کی اشاعت کرے۔ اہل ادب کے ذوق کی تسکین کا سامان مہیا کریں۔

مقالے کی اہمیت کا انداز اعزیزی صاحب کے دیباچے میں درج اس اقتباس سے لگائیں:

''راقم نے اس مقالہ میں عقیدت کو پیش نظر نہ رکھ کر حقیقت کو پیش نظر رکھا ہے اور پوری دیانت داری کے ساتھ جانچ پرکھ کی منزلوں سے گزرا ہے۔ روایتی انداز تنقید کے ساتھ ساتھ جدید زاویۂ تنقید سے بھی کلام رضا کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دلائل و شواہد اور حوالے بھی پیش کیے گئے ہیں۔'' (اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص ۲۹، طبع کراچی)

اس مقالے کو دبستانِ عظیم آباد سے تعلق رکھنے والے معروف ادیب، ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ نے ''فاضل بریلوی کی نعت گوئی پر لکھے گئے مقالوں میں گل سرسبد'' قرار دیا ہے، اور یہ تاثر بجا ہے، راقم خود اس کے مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ادب کا رمز شناس اس میں ادب کے کثیر جہات کو محیط پاتا ہے۔

(۲) امام احمد رضا اور علم طبیعیات: امام احمد رضا نے اشاعت دین کی خاطر معاصر علوم اور علوم جدیدہ کو بھی برتا اور ان علوم کے ذریعے غلبۂ اسلام کا کام لیا۔ علم طبیعیات (Physics) جس میں طبعی اشیا کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور در حقیقت فکر رضا کی روشنی میں دیکھا جائے تو مخلوق سے منسلک یہ مطالعہ خالق کائنات کی بارگاہ تک رسائی کا سبب بنتا ہے۔ ڈاکٹر عزیزی کا یہ مقالہ ۴۰ رصفحات پر مبنی ہے۔ علم طبیعیات میں امام احمد رضا کی مہارت کے جلوے کتب رضا سے دکھائے ہیں اور بتایا ہے کہ ایک صدی پیش تر امام احمد رضا نے جو نظریات پیش کیے تھے ان کی تائید جدید اصولِ طبیعیات سے ہوتی ہے۔ اسے رضا اسلامک اکیڈمی بریلی نے شائع کیا۔

(۳) رضا گائیڈ بک: روہیل کھنڈ یونی ورسٹی بریلی میں ایم۔ اے کے لیے رضویات کو شامل نصاب کیا گیا ہے۔ طلبا کی رہ نمائی کے لیے عزیزی صاحب نے ''رضا گائیڈ بک'' تحریر کی۔ یہ کتاب ۴۴ رصفحات پر مشتمل ہے جس میں امام احمد رضا کی نعت گوئی سے متعلق شامل نصاب گوشوں/نعتوں کی تفہیم کی گئی ہے۔ ضمناً محسنؔ کاکوروی کی نعت گوئی کا بھی ذکر ہے۔ آسان و سادہ نثر میں یہ کتاب لکھی گئی ہے غالباً نثر مرصع سے گریز کی ایک وجہ یہ رہی ہوگی کہ عزیزی صاحب نے دورانِ تصنیف طلبا کے نفسیات کا لحاظ رکھا ہوگا۔ اس کی اشاعت بھی رضا اسلامک اکیڈمی بریلی سے ہوئی۔ راقم کے پیش نظر دوسرا ایڈیشن ہے۔ جب کہ پہلے ایڈیشن میں اجمال ہے اور پیش نظر ایڈیشن میں تفصیل۔

(۴) امام احمد رضا کے القاب و آداب: امام احمد رضا چوں کہ اپنے عہد کے علما میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے اسی لیے اس عہد کے تمام حضرات میں آپ کو ''اعلیٰ حضرت'' کے نام سے یاد کیا گیا۔ نیز فنی و علمی اور دینی خدمات کی بنیاد پر اور مختلف شعبہ ہائے حیات میں آپ کے کارآمد نظریات کے سبب معاصرین میں بڑی اور جید شخصیات نے مختلف القاب و آداب سے یاد کیا۔ یہ بھی ایک علمی موضوع ہے جو عزیزی صاحب کی نگاہ سے اوجھل نہ رہ سکا۔ جس پر آپ کی یہ کتاب غماز ہے۔ ''امام احمد رضا کے القاب و آداب'' ایک مختصر مقالہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ امام احمد رضا کو عمدہ القاب سے یاد کرنے والے اپنے دور کے عظیم لوگ تھے جن میں صرف ہندستان ہی نہیں بلکہ عرب کے علما و مشائخ بھی شامل ہیں۔

(۵) امام احمد رضا اور نظریۂ صوت و صدا: یہ مقالہ طبیعیات سے متعلق ہے۔ جس میں طبعی اصول جو صوت و صدا (Sound) سے متعلق ہیں ان پر امام احمد رضا کی اسلامی تحقیقات کی جامعیت کو اجاگر کیا ہے اور بتایا ہے کہ جدید نظریہ امام احمد رضا کے ایک صدی پیش تر پیش کردہ نظریے کی تائید کرتا ہے۔ اس کی اشاعت اول ماہ نامہ جام نور دہلی میں ہوئی پھر کتابچے کی صورت میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کشمیر سے شایع ہوا۔

(۶) کلام رضا کے نئے تنقیدی زاویے: (سیریز-۳) ڈاکٹر موصوف نے امام احمد رضا کی ادبی و شعری بصیرت پر خوب لکھا اور کھل کر لکھا، جدید تنقیدی معیار پر امام احمد رضا کی شاعری کو جانچا اور پرکھا، اس پہلو سے ان کے مقالات کے دو مختصر مجموعے ''کلام رضا کے نئے تنقیدی زاویے'' کے نام سے بہ طور سیریز شایع ہوئے۔ یہ دونوں سیریز راقم کے ذخیرے میں نہیں اس لیے ان پر کوئی تبصرہ نہ کرتے ہوئے اسی سلسلے کے سیریز-۳ پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔ اس کی اشاعت ۴۸ رصفحات میں جنوری ۲۰۱۱ء میں رضا اسلامک اکیڈمی بریلی سے ہوئی۔ اس میں درج ذیل ۶ رمقالات شامل ہیں:

(۱) امام احمد رضا کا تصور حمد

(۲) امام احمد رضا کی سراپا نگاری

(۳) سلامِ رضا کے دو حسین جہات
(۴) اسلوبِ رضا کا بانک پن
(۵) امام احمد رضا کی ترکیب سازی
(۶) کلامِ رضا میں انگریزی الفاظ کا استعمال

ان مقالات میں سنجیدگی کے ساتھ تمام عنوانات کا اختصار میں احاطہ کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ ضمناً موضوع سے متعلق بعض اشعار کی تفہیم بھی کر دی گئی ہے۔ فنی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھ کر گفتگو کی گئی ہے جس سے ماہرینِ فن ضرور محظوظ ہوں گے۔ ان مقالات کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ انھیں بی۔اے اور ایم۔اے کے نصاب میں ادبیات کے پہلو سے شامل کیا جاسکتا ہے تو بے جا نہیں ہوگا۔ نصاب کے لیے متعین یونی ورسٹیز کی سلیکشن کمیٹی کو ان مقالات پر علمی نظر ڈالنی چاہیے۔

تمہید میں ڈاکٹر عزیزی نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ جدید تنقید کے حوالے سے ان کے مزید ۵ر مقالات ''کلامِ رضا کے نئے تنقیدی زاویے۔ سیریز ۲'' میں شایع کیے جائیں گے۔ لیکن ان کی رحلت سے یہ کام شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

(۷) امام احمد رضا اور منقبت نگاری: اسلامی ادب میں منقبت نگاری بھی فن کی حیثیت سے متعارف ہے۔ بہ قول ڈاکٹر عزیزی اردو میں منقبت نگاری کی روایت ابتدا ہی سے ملتی ہے۔ اس ضمن میں منقبت کے نقوش ہمیں قدیم شعرا کے ساتھ ساتھ جدید شعرا کے یہاں بھی ملتے ہیں گویا منقبت نگاری کا سفر تواتر کے ساتھ جاری رہا ہے۔ ڈاکٹر عزیزی نے اپنے مقالہ ''امام احمد رضا اور منقبت نگاری'' میں تحریر کیا ہے کہ:

''مرزا محمد رفیع سوداؔ، غلام ہمدانی مصحفیؔ، مومنؔ، شاہ نیاز بریلوی، شہیدیؔ، شہیدؔ، کافیؔ مرادآبادی، لطفؔ بریلوی، حسرتؔ، اقبالؔ، حفیظؔ جالندھری، جمیلؔ بریلوی وغیرہ نے منقبتیں کہی ہیں۔ خاندانِ رضا کے شعرا مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی، مولانا حامد رضا خاں حامدؔ بریلوی، مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوریؔ بریلوی وغیرہ نے بھی مناقب کہے ہیں۔'' (امام احمد رضا اور منقبت نگاری، ص ۴)

اس کے بعد موصوف نے امام احمد رضا کی منقبت نگاری کے جلوؤں کی اک جھلک دکھائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ امام احمد رضا نے درجنوں مناقب کہہ کر منقبت نگاری کے باب میں ایمان افروز اور ادب کے رخ سے گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ موصوف نے ہیئت، فنی مہارت، موضوعاتی تجزیہ جیسے پہلوؤں پر عمدہ لکھا ہے۔ اس مقالہ کی اشاعت رضا اسلامک اکیڈمی سے ۲۰۱۱ء میں عمل میں آئی۔ کل صفحات ۲۴ ر ہیں۔ موضوع کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ مقالہ بہت مختصر ہے لیکن ادب شناس اسکالرز کے لیے اسے منزل تو نہیں نشانِ منزل ضرور قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۸) تجلیات حجۃ الاسلام: خانوادۂ رضویہ پر خصوصیت سے عزیزی صاحب کا علمی کام لائقِ قدر ہے، اسی سلسلے کی ایک کڑی زیرِ تبصرہ کتاب ہے۔ ۲۰۴ر صفحات پر مشتمل یہ مقالہ ادارۂ اشاعت تصنیفاتِ رضا بریلی سے ۲۰۰۸ء میں مولانا منان رضا خاں (برادر اصغر فخر ازہر تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری) نے شایع کیا ہے۔ امام احمد رضا کے فرزند اکبر حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں (ولادت: ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء۔ وصال: ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) کی شخصیت بڑی سرگرم تھی، تصنیفی، تدریسی، علمی، فکری اور تنظیمی اعتبار سے آپ نے بڑے اہم کارنامے انجام دیے۔ اپنے عہد کی شخصیات میں آپ کا مقام ممتاز تھا۔ ڈاکٹر عزیزی نے حجۃ الاسلام کی سوانحِ حیات کے ساتھ ہی حجۃ الاسلام کے اصلاحی، سیاسی، معاشی افکار، ادبی بصیرت، شاعری، تاریخ گوئی و فتویٰ نویسی میں مہارت، عربی دانی، ترجمہ نگاری، عرب و عجم میں مقبولیت، درس و تدریس، تلامذہ، خاندانی احوال، مکاتیب جیسے موضوعات کا ۴ر ابواب میں احاطہ کیا ہے۔ زیادہ تر بنیادی حوالوں سے کام لے کر حیاتِ حجۃ الاسلام پر کافی مواد مہیا کر دیا ہے۔ افسوس کہ حجۃ الاسلام جیسی جلیل القدر شخصیت پر ہمارے یہاں نہیں کے برابر کام ہوا، اس مختصر کتاب کے ذریعے ڈاکٹر عزیزی نے فرضِ کفایہ ادا کیا ہے اور جماعت اہلِ سنت کے اربابِ قلم کو دعوتِ فکر دی ہے کہ اپنی تاریخ کے سلسلے میں اب بھی وقت ہے کہ سنجیدگی کے ساتھ قلم اٹھا لو تا کہ اسلاف کی سوانح محفوظ ہو جائے۔

(۸) مفتی اعظم ملت (۲۰۱۱ء): کئی سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔ جس کا مسودہ راقم کے توسط سے آپ نے سنی دعوت اسلامی ممبئی کے حوالے فروری ۲۰۱۱ء میں کیا۔ عن قریب سنی دعوت اسلامی اس کی اشاعت کرے گی۔ اس میں موصوف نے سوانحی پہلوؤں کو مشاہدے کے آئینے میں ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے آخری ایام میں راقم کو فون پر بتایا تھا کہ بہت سے واقعات کی تحقیق کے سلسلے میں حضرت تاج الشریعہ سے رجوع کیا گیا، نیز بریلی کی کئی معتبر شخصیات سے بھی تصدیق کی پھر کتاب کا مسودہ مکمل کیا۔ امید ہے کہ یہ کتاب سرکار مفتی اعظم کے سوانحی باب میں ایک اضافہ ہوگی۔ کتاب کا نام تاریخی ہے، جس سے ۲۰۱۱ء متخرج ہوتے ہیں۔

(۹) امام احمد رضا کا تصورِ عشق: جس دل میں اللہ کریم کا ادب اور نبی کریم کی تعظیم کا نقش ہوتا ہے وہ عشقِ رسالت پناہی میں وارفتہ ہو جاتا ہے۔ ایمان کے لیے محبت درکار ہے، حدیث کا ارشاد ہے:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (بخاری) تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہ ہوگا جب تک میں اس کو اس کے ماں باپ، بال بچے (بلکہ اس کی جان) اور سارے جہاں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

امام احمد رضا سچے عاشقِ رسول تھے، انھوں نے اپنا سب کچھ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم

کی ناموس مبارک پر نثار کر دیا تھا اور اظہار فرمایا تھا:

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے جہاں امام احمد رضا کی خدمات کی مختلف جہتوں پر لکھا، وہیں امام احمد رضا کے تصور عشق پر بھی لکھا جس میں فلسفۂ عشق، وارفتگی شوق، آرزوے طیبہ، سادات کا احترام، منسوبات نبوی کا ادب، اشاعتِ محبت رسالت کا جذبۂ جنوں خیز اور عشق کی سرفرازیوں پر عمدہ انداز میں روشنی ڈالی، تاہم موصوف نے مقالہ بہت ہی اختصار میں لکھا جب کہ یہ موضوع دو چار صفحے میں تمام جزئیات کو محیط نہیں ہوسکتا ہے۔ مستقل تصنیف کا متقاضی ہے۔ بہرکیف ''امام احمد رضا کا تصور عشق'' اچھوتا ہے، مقالے کے کل صفحات ۴۴ رہیں، اس کی اشاعت جناب افضل برکاتی (مالیگاؤں) اور بھساول کے ایک ادارے کے تعاون سے ۲۰۱۰ء میں ہوئی۔ اس میں موصوف نے نثر و نظم کے نمونے موضوع سے متعلق درج کیے ہیں اور امام ممدوح کے فلسفۂ عشق پر مدلل تحریر فرمایا ہے۔ یہ تحریر ایسی ہے کہ عوام و خوص سبھی کے ذوقِ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فروزاں کرنے کا سبب ہوگی۔ اس سے جہاں امام احمد رضا کی عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سرشاری و جاں نثاری کی جھلک سامنے آتی ہے وہیں مصنف کے جذبۂ دروں اور عشق تپاں کی گرمی بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔ جب کہ لسانی خوبیاں اور زبان و بیان کی چاشنی اپنی جگہ مسلّم ہے۔ [ماہ نامہ پیام حرم جمداشاہی میں قسط وار اشاعت ہو رہی ہے۔]

(۱۰) کنزالایمان خزانۂ علم و ادب و ایمان: امام احمد رضا نے ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۱ء) میں قرآن کریم کا ترجمہ کنزالایمان کے نام سے فرمایا۔ یہ ترجمہ امام احمد رضا کی رموز قرآن سے آگہی اور تفہیم قرآن میں مہارت کا شاہ کار ہے، اسی مبارک ترجمے پر ڈاکٹر عزیزی نے یہ کتاب ۶۴ صفحات پر مشتمل لکھ کر رضا اسلامک اکیڈمی بریلی سے ۲۰۱۰ء میں شایع کی۔ کتاب میں درج ذیل گوشوں سے کنزالایمان کا جائزہ لیا ہے:

☆......عقاید کی بابت کنزالایمان کا حزم و احتیاط

☆......لسانی خوبیاں اور ادبی و فنی حسن

☆......اردو تراجم قرآن میں انفرادی مقام

☆......دوسرے تراجم سے تقابل

☆......محاورات کی بہار، روزمرہ کا استعمال

☆......مقبولیت، اسباب مقبولیت

☆......حاسدین کی سازشیں اور رب کی عنایتیں جس سے ترجمہ کو درجۂ استناد عطا ہوا اور سارے جہاں

میں مقبولیت عام نصیب ہوئی۔

☆......کنزالایمان تحقیق و تدقیق کے جہان میں

(۱۱) حدائق بخشش کی بہار آفرینی: ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ ۲۰۱۰ء میں پہلی بھیت سے ۲۰ صفحات میں شایع ہوا۔ امام احمد رضا کے مجموعہ نعت حدائق بخشش (۱۳۲۵ھ) کے تعارف میں یہ مقالہ لکھا گیا ہے۔ فنی لحاظ سے بھی حدائق بخشش کی انفرادیت اجاگر کی ہے۔ پورا مقالہ ایک طرف ملک سخن کے شاہ سیدی احمد رضا کی شاعرانہ عظمت کا اظہار ہے ساتھ ہی نثر عزیزی کا شاہ کار بھی۔ کمپوزنگ کی غلطیاں طبع نازک پر بار گزرتی ہیں۔

(۱۲) اعلیٰ حضرت: اعلیٰ حضرت کیوں؟: عزیزی صاحب کا یہ مقالہ ۲۴ صفحات پر مشتمل نوری مشن مالیگاؤں نے کچھ برسوں قبل شائع کر کے علم دوست افراد میں بلا قیمت تقسیم کیا تھا، یہ مقالہ احقر کی فرمایش پر لکھا گیا تھا۔ اسے امام احمد رضا کا مختصر تعارف کہہ لیجیے۔ اس میں امام احمد رضا کی خدمات، بعض اہم تصانیف کا تعارف اور افکار کی جھلک دکھائی گئی ہے۔ خصوصیت سے امام احمد رضا کے ان ۷۰ رعلوم کی جدید لحاظ سے فہرست بھی درج کر دی گئی ہے جن میں امام ممدوح کی نگارشات و تحقیقات ملتی ہیں۔ اس طرح یہ مقالہ ایسا ہے کہ اس کی بار بار اشاعت ہونی چاہیے۔ بلکہ انگریزی و عربی اور ہندی میں ترجمہ کر کے اشاعت کی جانی چاہیے۔ آسان انداز اور دل کش اسلوب میں ایسی تحریروں کی ضرورت ہے۔

(۱۳) یقین کے دو ماہ مبین: خانقاہ برکاتیہ کی خدمات برصغیر کی تاریخ کا روشن باب ہے۔ سلسلۂ قادریہ کی اشاعت کے ساتھ ہی اس خانقاہ کے بزرگوں نے علمی و تصنیفی کام بھی انجام دیا، اسی خانقاہ کے دو بزرگ حضرت سید العلما آل مصطفیٰ میاں مارہروی و حضرت احسن العلما سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں مارہروی کے تذکار پر یہ کتاب مشتمل ہے، دونوں بزرگوں کی روحانی خدمات، فروغ رضویات، اسلوب تحریر، شعری و ادبی ذوق اور روحانی مشن پر دل چسپ انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ ڈاکٹر عزیزی کو بھی مارہرہ شریف کی مقدس خانقاہ سے قلبی لگاؤ تھا اور یہ اس لیے بھی کہ اسی مے کدۂ معرفت سے امام احمد رضا نے سیرابی حاصل کی اور عالم اسلام میں ایسا چمکے کہ مقبولیت کا آفتاب زوال اور گہن سے محفوظ ہے۔ اور یہ مقبولیت عطاے الٰہی ہی ہے...... ڈاکٹر عزیزی نے محققانہ انداز میں کتاب تصنیف کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے راقم سے ایک ملاقات میں خانقاہ برکاتیہ کی نوازشات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس خانقاہ سے روحانی فیض کے ساتھ ہی وابستگان کی مادی حاجت کی تشفی بھی کی جاتی ہے، میرے ساتھ بارہا حضور احسن العلما اور پھر ان کے بعد حضرت امین ملت ڈاکٹر سید امین میاں (موجودہ سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ) کا نوازش و کرم کا معاملہ دراز رہا ہے۔ اسی وابستگی نے ڈاکٹر صاحب کے قلم میں محبت کی مٹھاس پیدا کر دی ہے۔ ۵۶ صفحات کا یہ مقالہ ایک ہی نشست

میں ختم کر لینے کو جی چاہتا ہے۔ اس کی اشاعت محب مکرم الحاج محمد سعید نوری نے عمدہ انداز میں رضا اکیڈمی ممبئی سے کی جس کے لیے وہ شکریے کے مستحق ہیں۔

(۱۴) **تجلیات احسن العلما:** حضرت احسن العلما مارہروی خانقاہ برکاتیہ کے سجادہ نشین تھے، مقتدائے اہل سنت تھے، اپنے عہد کے خواص میں عظیم و فائق تھے، قادریت کے بڑے عظیم مبلغ اور روحانیت کے منبع تھے۔ خانقاہ برکاتیہ کی امانتوں کے امیں اور اہل سنت کے داعی جلیل تھے۔ ان کی شان میں یہ کتاب عزیزی صاحب نے مختصراً تحریر کی، اور اپنے ادارہ رضا اسلامک اکیڈمی سے شائع کی۔ کل صفحات ۲۴ر ہیں۔ اس میں حیات و خدمات احسن العلما کی ایک جھلک دکھادی ہے۔

(۱۵) **مفسر اعظم ہند:** خانوادۂ رضویہ کی دینی و علمی خدمات کا دائرہ تقریباً ڈیڑھ صدی پر پھیلا ہوا ہے۔ جس میں چندے آفتاب چندے ماہ تاب گزرے ہیں۔ انھیں میں مفسر اعظم کا مقام و مرتبہ بھی بڑا ہے لیکن عجیب بات ہوئی کہ رضویات پر علمی کام کرنے والوں نے مفسر اعظم کو فراموش کردیا، جو کچھ لکھا گیا وہ بہت کم ہے حالاں کہ علم کے میدان میں ان کا مقام و مرتبہ بھی بلند تھا۔ ان کی درس گاہی زندگی اس پر دال ہے، انھوں نے جامعہ منظر اسلام کو اپنے عہد میں ترقی دی اور قلمی کام بھی کیا۔ اس موضوع پر عزیزی صاحب نے مستند روایات کی روشنی میں لکھا۔ پیش نظر مقالہ میں عزیزی صاحب نے مفسر اعظم کا خاندانی پس منظر، حیات، علمی وجاہت، جدوجہد، علم و فن، کردار و افکار کی تابندگی، مسلک اہل سنت کے فروغ کے لیے جاں فشانی، خلفا و تلامذہ اور مقبولیت و شہرت پر بہت خوب لکھا ہے۔ کل صفحات ۱۱۲ر ہیں۔ انداز بیاں دل کو موہ لینے والا ہے جس میں سادگی بھی ہے۔ اس کی اشاعت رضا اسلامک مشن نے ۱۹۹۶ء میں کی۔ اب یہ کتاب مارکیٹ میں نہیں دوبارہ اشاعت ہونی چاہیے تاکہ مفسر اعظم کی خدمات سے قوم کو واقفیت حاصل ہو اور حوصلہ افزا تاریخ کا نقش جمیل ابھر کر سامنے آئے۔

(۱۶) **سفیر رضا:** مرد درویش حکیم محمد موسیٰ امرت سری چشتی مرحوم نے ۴۰ر دہائی قبل لاہور میں مجلس رضا قایم کی اور امام احمد رضا پر اشاعتی کام کی داغ بیل ڈالی جس سے شاخیں پھیلتی گئیں اور فکر رضا کی ترویج و اشاعت کی خاطر مختلف ناموں سے ادارے وجود میں آئے۔ حکیم اہل سنت نے قلم کاروں کو مربوط کیا۔ برصغیر میں خوش گوار انقلاب رونما ہوا۔ گویا دبستاں کھل گیا۔ اسی کاز کو آگے بڑھانے کے لیے پیرزادہ اقبال احمد فاروقی آگے آئے۔ مجلس رضا سے ماہ نامہ جہان رضا کا اجرا کیا۔ اپنے مشک بار قلم اور پر بہار تحریروں سے ذہن و فکر کو مہکا دیا، ان کی خدمات کا دائرہ پھیلتا گیا۔ ڈاکٹر عزیزی ان کی خدمات سے متاثر ہوئے۔ قلم فاروقی سے فکر رضا کی اشاعت ہوئی اور اعتراف خدمات کے لیے شہر بریلی کے ایک باسی (ڈاکٹر عزیزی) نے ایک کتاب ہی لکھ ڈالی جس کا نام ''سفیر رضا'' رکھا......

ڈاکٹر عزیزی کی یہ کتاب مکتبۂ نبویہ لاہور نے ۲۰۰۹ء میں شائع کی، صفحات ۲۲۴ر ہیں۔

طباعت دیدہ زیب ہے اور تحریر اس سے زیادہ حسین۔ ڈاکٹر عزیزی نے خدمات فاروقی کو پانچ ابواب میں سمیٹا ہے، جس کے تحت حضرت فاروقی کی حیات و شخصیت، فن صحافت، نگارشات کا علمی تجزیہ اور نثر و اسلوب پر فنی اصولوں سے لکھا ہے۔ مولانا کوکب نورانی نے کتاب کے ابتدایے میں سچ ہی لکھا ہے کہ ''عزیزی صاحب اہل زبان ہیں اور فاروقی صاحب تو لسان العصر ہیں۔'' (سفیر رضا، ص ۸) کتاب کی ابتدا میں تین تاثراتی تحریریں ہیں مولانا کوکب نورانی، ڈاکٹر مختار الدین احمد اور محمد زبیر قادری (ممبئی) کی۔ پھر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کا اقبال نامہ ۳ر صفحات پر محیط ہے۔ جس میں انھوں نے خود پر لکھی جانے والی کتاب پر اظہار تشکر کیا ہے اور اسے بھی فیض رضا جانا ہے، فاروقی صاحب نے اس کی ابتدا اس شعر سے کی:

منم اقبال فاروقی، ثنا خوانِ رضا ہستم
گلستانِ رضا را بلبلِ رنگیں نوا ہستم

سچ کہا وہ بلبل رنگیں نوا اور شیریں بیاں ہیں، جب ذکر رضا کرتے ہیں تو دل کی کلیاں کھل اٹھتی ہیں، فاروقی صاحب عزیزی خدمات کے ذکر میں لکھتے ہیں:

''اسی دوران اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے شہر بریلی سے ایک اسکالر اٹھا جس نے ہمیں قدر کی نگاہ سے دیکھا، محبت کی، پیار دیا، پھر بریلی شریف کے مکتب سے ایسے ایسے شاہ کار مضامین مہیا کیے، جس سے ماہ نامہ ''جہان رضا'' کے اوراق جگ مگا اٹھے، بریلی کے اس اسکالر نے ہمیں کئی بار اعلیٰ حضرت کی گلیوں میں جھولی پھیلائے دیکھا، وہ بریلی کی ایک گلی جسولی میں رہتا ہے، اس کا نام ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی ہے، جس نے ''اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی'' پر ڈاکٹریٹ کی، پھر بہت سے مقالات لکھے جو پاک و ہند کے اخبارات اور رسائل میں چھپتے رہے اور فکر رضا کو پھیلاتے رہے۔ اس ممتاز رضوی اسکالر نے ''جہان رضا'' کی تحریروں کی روشنیاں جمع کیں اور ان کو اپنے الفاظ کی قندیلوں میں سجا کر یہ کتاب مرتب کردی۔'' (سفیر رضا، ص ۱۹)

عزیزی صاحب اب نہیں لیکن فاروقی صاحب موجود ہیں اللہ کریم عمر فاروقی کو طویل کرے تاکہ بریلی کے گلستاں کے گیت گانے والا یہ لاہوری بلبل چہکتا رہے اور اپنی حسین تحریروں سے فکر رضا کی خوش بو پھیلاتا رہے۔ اور چمن کا ہر گوشہ تازہ بہ تازہ رہے۔

دل کش اسلوب میں تحریر کی گئی یہ کتاب ارباب علم کو متاثر کرے گی۔ افسوس ہندستان سے اب تک اس کی اشاعت نہ ہوسکی۔

(۱۷) **کلام رضا میں محاورات اور ضرب الامثال:** نوری مشن مالیگاؤں نے اس مقالے کی اشاعت ۲۰۰۸ء میں ۲۴ر صفحات پر کی۔ جسے علمی حلقوں میں پذیرائی ملی۔ اس میں عزیزی

صاحب نے کلام رضا میں محاورات اور ضرب الامثال کی بہار دکھائی ہے۔ اس میں تشریحی وتوضیحی نوٹ نے شائقین فن کے لیے ذوق کا سامان فراہم کیا ہے۔ یہ مقالہ بھی دوبارہ شائع نہ ہوسکا۔ تمہید میں راقم نے تعارف کے بہ طور لکھا ہے:

''اس مقالہ میں نعتوں کی ترتیب کے لحاظ سے ردیف وار محاورے تحریر فرمائے گئے ہیں۔ محاورہ معنی کی روایت کے ساتھ دیا گیا، پھر متعلقہ شعر اور کہیں کہیں مطلب بھی بیان کردیے گئے ہیں۔ حدائق بخشش سے ۱۹۶ رمحاورے اور ۳ رضرب الامثال اسی طرح ''الاستمداد'' سے ۳۷ رمحاورے اور ایک ضرب المثل، الاستمداد کے موضوعات اور اس کے پس منظر پر بھی روشنی ڈالی ہے۔'' (ص ۲)

(۱۸) امام احمد رضا اور محسنؔ و امیرؔ: اسے نوری مشن مالیگاؤں نے ۲۰۰۶ء میں ۲۴ رصفحات میں شائع کیا۔ تقدیم راقم نے تحریر کی، تقدیم سے ہی چند سطور اس مقالے کے تعارف میں پیش کیے دیتا ہوں:

''محمد محسنؔ کاکوروی اور امیرؔ مینائی گلستان نعت کے عندلیب خوش بیان اور شہرستان نعت کے قد آور شعرا کی حیثیت سے جانے مانے جاتے ہیں۔ دونوں نے فنی وادبی اور لسانی خوبیوں سے آراستہ نعت گوئی کی۔ تاہم فن نعت گوئی میں امام احمد رضا محدث بریلوی کی شان انفرادی وجداگانہ ہے۔ آپ واصفِ شاہ ہدیٰ ہیں اور ملک سخن کے شاہ، ملک کے مایۂ ناز محقق ومصنف اور مترجم وادیب جناب ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بریلی شریف) نے پیش نظر مقالہ ''امام احمد رضا اور محسنؔ وامیرؔ'' میں محسنؔ کاکوروی اور امیرؔ مینائی سے امام احمد رضا کی نعت گوئی کا تقابلی جائزہ لیا ہے۔ نیز دونوں نعت گو شعرا (محسنؔ وامیرؔ) کا مختصر سوانحی خاکہ بھی پیش کیا ہے اور ان کے عہد وآغاز نعت گوئی اور ادبی وفنی گوشوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ دونوں شعرا سے تقابلی جائزے میں امام احمد رضا کی سراپا نگاری، مضمون آفرینی، پیکر آرائی، منظر کشی، نکتہ سنجی، مضامین کی وسعت، اسالیب نو کی تمکنت پر گفتگو کی ہے اور بیان وبدیع میں امام احمد رضا کی رفعتِ فکر بھی آشکار ہوتی ہے۔ جابجا اشعار کے حوالے تحریر کے وزن کو بڑھاتے ہیں۔ اس سے ادب کی راہ کے مسافر ضرور لطف اندوز ہوں گے۔'' (ص ۲۔۳)

''یادگار رضا'' میں شائع مقالات

رضا اکیڈمی ممبئی کا سال نامہ ''یادگار رضا'' سات سال قبل الحاج محمد سعید نوری نے راقم کے سپرد کیا۔ تب سے اس کی اشاعت پابندی کے ساتھ ہورہی ہے۔ اسے دنیا کے سیکڑوں علما واسکالرز، علما ومحققین اور لائبریریوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ اس میں عزیزی صاحب کا ابتدا ہی سے تعاون رہا ہے۔ ہر سال ایک تازہ مقالہ لکھتے جو نئے پہلو پر محیط ہوتا اس سلسلے میں عزیزی صاحب نے درج ذیل مقالات لکھے اور اشاعت کے بعد انھیں علمی

حلقوں میں پسند بھی کیا گیا:

(۱) اشعار رضا میں دولہا دلہن لفظوں کا استعمال	شمارہ: ۲۰۰۵ء	ص: ۴۸تا۵۴
(۲) تذکار مفتی اعظم ہند	شمارہ: ۲۰۰۶ء	ص: ۳۸تا۴۶
(۳) مفتی اعظم! مجدد کیوں؟	شمارہ: ۲۰۰۶ء	ص: ۱۵۵تا۱۷۷
(۴) سلام رضا کے دوحسین جہات	شمارہ: ۲۰۰۷ء	ص: ۶۱تا۶۵
(۵) ملفوظات رضا اور مابعدالطبیعیاتی نظریات	شمارہ: ۲۰۰۸ء	ص: ۳۳تا۳۸
(۶) کنزالایمان کا ادبی ولسانی جائزہ	شمارہ: ۲۰۰۹ء	ص: ۱۶تا۲۲
(۷) امام احمد رضا اور علم اذکار	شمارہ: ۲۰۱۰ء	ص: ۵۷تا۶۸
(۸) امام احمد رضا کی ردیفیں	شمارہ: ۲۰۱۱ء	ص: ۱۹تا۳۱

علاوہ ازیں نعت رنگ کراچی، ماہ نامہ حجاز دہلی، ماہ نامہ/سال نامہ معارف رضا کراچی، ماہ نامہ سنی دنیا بریلی، ماہ نامہ کنزالایمان دہلی، ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور، ماہ نامہ جام نور دہلی، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی، ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی ممبئی، ماہ نامہ ماہ نور دہلی، ماہ نامہ جہان رضا لاہور، سہ ماہی افکار رضا ممبئی، اسلامک ٹائمز برطانیہ اور دیگر سنی رسائل وجرائد میں شامل ڈاکٹر عزیزی کے مقالہ جات کی ایک طویل فہرست ہے جنھیں یک جا شائع کردیا جائے تو ''رضویات'' کے باب میں مفید اضافہ ہوگا۔

☆☆☆

امام احمد رضا تشدد کے خلاف تھے

(سال نامہ "یادگار رضا" پر ایک تاثر)

محمد اسلم رضا قادری
باسنی، ناگور شریف (راجستھان)

اہل سنت و جماعت کی عظیم تحریک و تنظیم "رضا اکیڈمی" ممبئی کا ادبی و اصلاحی نقیب و ترجمان سال نامہ "یادگار رضا" (۲۰۱۱ء) اس وقت مطالعہ کی میز پر ہے۔ جس کے تمام تر مقالات و مضامین فکر رضا کی عصری اہمیت و معنویت کا واضح اشاریہ ہیں۔

بلا ریب! مجدد اعظم اعلیٰ حضرت سیدنا شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے افکار و نظریات اور ان کی علمی و فقہی تحقیقات کا جس پہلو سے بھی جائزہ لیا جائے وہ فکر و تحقیق کے ہر زاویۂ نگاہ سے امت مسلمہ کے بڑے ہی خیر خواہ اور ہم درد و مخلص نظر آتے ہیں۔ آج بھی اگر ہم ان کی فکر و نظر سے قلب و نگاہ کو روشن کرتے ہوئے عصری چیلنجز اور مسائل و حوادثات کا حل تلاش کریں تو یقیناً وہ ہماری رہ نمائی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم امعان نظر اور انصاف و دیانت کے ساتھ امام احمد رضا کے افکار کا مطالعہ کریں۔

یوں تو "یادگار رضا" کا ہر مقالہ و مضمون وقیع اور تحقیقی ہے، مگر جن مقالات و مضامین نے مجھے بے حد متاثر کیا وہ یہ ہیں:

(۱) تعارف حسام الحرمین...... حضرت مولانا عبد السلام رضوی

(۲) فکر رضا کے نئے زاویے...... حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

(۳) امام احمد رضا اور علامہ عبد الحکیم شرف قادری...... صاحب زادہ حضرت مولانا ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی

جن کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے اصحاب قلم نے ان مقالات کو بڑے سلیقے اور خوبی سے آراستہ کیا ہے اور خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی کا یہ جملہ بھی خوب لگا:

"میں نے مختلف فنون کی سیکڑوں کتابیں دیکھیں، اعلیٰ مصنفین و اصحاب کمال کے کمالات نظر سے گزرے مگر یہ دقیق و عمیق و جلیل کمال پوری وسعت و ہمہ گیری کے ساتھ صرف "فتاویٰ رضویہ جلد اول" میں نظر آتا ہے یہ صرف فہرست کا کمال ہے جو بے مثال ہے۔" (یادگار رضا ۲۰۱۱ء، ص ۱۱)

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خداوند قدوس نے امام احمد رضا محدث بریلوی کو علم و تحقیق، فکر و تنقید کے کس مقام پر فائز فرمایا تھا۔ اس کے باوجود بھی کچھ لوگ انھیں متشدد اور سخت مزاج کہتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ

ہے کہ امام احمد رضا منکسر المزاج اور با اخلاق تھے، اگر ان کی تحریرات میں کہیں شدت ہے بھی تو وہ دشمنانِ خدا و رسول، گستاخانِ انبیا و اولیا کے لیے ہے جو ان کے ایمان و عشق کے کمال کا نتیجہ ہے، جسے انھوں نے بہ حسن و خوبی نبھایا ہے، اپنے اشعار میں ایک جگہ وہ خود فرماتے ہیں:

دشمن احمد پہ شدت کیجیے
ملحدوں کی کیا مروت کیجیے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے

اس لیے ہمیں اس پہلو پر سنجیدگی سے غور و فکر کرتے ہوئے باشعور طبقہ کو یہ بتانا چاہیے کہ امام احمد رضا ملک و ملت کے بہت بڑے ہم درد و خیر خواہ کا نام ہے۔

دین اسلام تو تشدد کا سخت مخالف ہے، اس کے یہاں تو تشدد کا گزر ہی نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (سورۃ البقرۃ:۲۵۶) اور فرمان رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے "یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا" "نرمی کرو تنگی نہ کرو، خوش خبری سناؤ، نفرت نہ دلاؤ" (مسلم شریف) جس مقدس مذہب کی یہ تعلیم ہو اس کے پیروکار کس طرح سخت مزاج ہو سکتے ہیں؟ امام احمد رضا تو تشدد کے یہاں تک مخالف تھے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

"مقاصد شرع سے ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعت مطہرہ رفق و تیسیر پسند فرماتی ہے نہ معاذ اللہ تضییق و تشدید، لہٰذا جہاں ایسی دقتیں واقع ہوئی ہیں علمائے کرام انھیں روایات کی طرف جھکے ہیں جن کی بنا پر مسلمان تنگی سے بچیں۔" (فتاویٰ رضویہ، ۱۰۷/۵) لہٰذا یہ الزام امام احمد رضا محدث بریلوی پر بے بنیاد ہے کہ وہ متشدد تھے۔

سال نامہ "یادگار رضا" کے مرتب و مؤلف برادر گرامی جناب غلام مصطفیٰ رضوی مالے گاؤں، بہت عمدہ اور سلیقے سے اسے سنوارتے ہیں اور نکھارتے ہیں۔ اہل قلم سے مسلسل رابطہ کر کے تحقیقی و اصلاحی مقالات و مضامین لکھوا کر امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کا انوکھے اور نرالے انداز میں تعارف کرواتے ہیں۔ خدائے علیم و قدیر قبول فرمائے۔ اور ہم درد سنیت محترم الحاج محمد سعید نوری صاحب (بانی رضا اکیڈمی ممبئی) کا تو کہنا ہی کیا وہ تو ہر دم اپنے دل میں دین و سنیت، مذہب و مسلک کا درد رکھتے ہیں، انھیں کی سرپرستی اور نگرانی میں یہ مؤقر جریدہ کئی سالوں سے شائع ہو کر طبقۂ اہل علم سے داد و تحسین وصول کر رہا ہے۔

المختصر ۲۰۰ رصفحات پر پھیلا ہوا یہ شمارہ نہایت مستند اور تحقیقی مقالات پر مشتمل ہے جسے پڑھ کر ایک قاری بہ خوبی مجدد اعظم اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی کے افکار و نظریات، تحقیقات و تنقیدات کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ خدائے قدیر "یادگار رضا" کو خوب ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

رضا اکیڈمی کی مطبوعہ

تجلیات قمر: بلاشبہہ ایک بڑا کام ہے

محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی، ممبئی
Cell.09819433765

خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند، تلمیذ حافظ ملت، بین الاقوامی شہرت یافتہ مبلغ، اہل سنت کے ترجمان، مفکر اسلام علامہ قمرالزماں خاں اعظمی مصباحی دام ظلہ کی ذات وخدمات محتاج تعارف نہیں، آپ کے علمی واصلاحی خطبات سے ہندوپاک، انگلینڈ وافریقہ وامریکہ ممالک کے ہزاروں، لاکھوں عوام وخواص سب مانوس ومستفیض ہیں، اخلاق وکردار، بلندیِ افکار، آفاقی سوچ، دوربینی، دوراندیشی، سلیقہ مندی، علم وفضل، تدبر وتفکر، تحریر وخطابت، شعروشاعری اور انتظامی اُمور میں مفکر اسلام امتیازی شان رکھتے ہیں۔ ۶۵ رسالہ آپ کی دینی وملی، علمی وادبی خدمات کا دائرہ مختلف ممالک اور براعظموں میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے گہرے اثرات دوسری قوموں پر بھی پڑے ہیں، مسلک حق اہل سنت وجماعت اور افکار امام احمد رضا کی ترویج واشاعت میں علامہ قمرالزماں نے خون جگر صرف کیا ہے اور اُمتِ مسلمہ پر آنے والی مشکل گھڑیوں میں اپنی مدبرانہ شان اور حکیمانہ طرز عمل کا اظہار فرمایا ہے، ایک دردمند دل لے کر اُمتِ مسلمہ کے زخموں پر مرہم رکھا ہے، انھیں آفاقی ذہن عطا کیا ہے، مساجد ومدارس اور اسلامی مراکز کی بنیاد رکھی ہے، نئی نسل کو اسلاف کے کارناموں سے آگاہ کیا ہے، علم وہنر کے میدان میں کچھ کرگزرنے کا عزم وحوصلہ بخشا ہے۔ ضرورت تھی کہ ان کی ہمہ جہت خدمات کو منظر عام پر لایا جائے، ان کی شایانِ شان تعارف وتذکرہ کیا جائے، ان کی زندگی کے روشن پہلوؤں کو نمایاں کیا جائے تاکہ نسلِ نو کے لیے امید کی نئی کرن دکھائی دے، انھیں کچھ سیکھنے، سمجھنے، مذہب حق کو پھیلانے، قوم کو سنبھالا دینے اور عروج وارتقا کے حصول کے لیے ایک چراغ رہ گزر مل جائے، اس لیے رضا اکیڈمی ممبئی کے ارباب حل وعقد نے ''جشن خدمات قمر'' کے نام سے ۳ر مارچ ۲۰۱۱ء کو ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کرنے اور ان کی خدمات جلیلہ پر اہل قلم کے مقالات ومضامین اور علما ومشائخ کے تاثرات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب شایع کرکے انھیں ''مفتی اعظم گولڈ میڈل'' سے سرفراز کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس اہم اور قابل ستائش منصوبے کو انتہائی ذمہ داری اور ہوش مندی کے ساتھ زمین پر اتار دیا اور ''تجلیات قمر'' کے نام سے ساڑھے چار سو صفحات کی ضخامت لیے ہوئے عربی، اردو اور انگریزی زبان میں تحریر کیے گئے، مقالات وتاثرات کا حسین گلدستہ کتابی شکل میں منظر عام پر آ گیا اور اس وقت راقم کے خوانِ مطالعہ پر جلوہ فگن ہے، اور مجھ جیسے سیکڑوں قاری کو دعوت مطالعہ پیش کر رہا ہے، اولاً اجمالی طور

پر نگاہ دوڑائیں تو اس میں تعارف کے تحت ۲۳ر مختصر ومطول مقالات، خطابت کے ضمن میں چار مضامین اور نعت نگاری اور فکر وفن پر پانچ تحریریں، ایک عربی مقالہ، ۳۴ر نثری تاثرات، ۱۰ر منظوم گل ہائے عقیدت اور آٹھ مقالات انگریزی زبان میں ہیں، کتاب رضا اکیڈمی ممبئی سے مجلد شایع ہوئی ہے۔

ابتدائی آٹھ صفحات میں ملٹی کلر میں مفکر اسلام علامہ قمرالزماں اعظمی دام ظلہ کی کوششوں سے تعمیر شدہ مساجد ومراکز کی خوب صورت تصویریں سجائی گئی ہیں، الحاج محمد سعید نوری صاحب نے مختصراً ایک صفحہ میں ''ابتدائیہ'' کے تحت کتاب کے پس منظر اور پیش منظر کو بڑے واضح انداز میں بیان کیا ہے، صفحہ ۱۰ر سے اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے، اس مجموعے کے اہم مقالہ نگاروں میں خصوصیت کے ساتھ ان حضرات کی شمولیت نے کتاب کے استناد کو مؤقر بنا دیا ہے جنھیں علامہ موصوف کے ساتھ دیارِ غیر میں دینی وملی خدمات انجام دینے کا موقع ملا ہے اور علامہ کی تحریک وحوصلہ افزائی اور مفید ودانش مندانہ مشوروں نے میدان دعوت وتبلیغ میں کام یابی کی ضمانت بخشی ہے، مثلاً ''خطیب مشرق ومغرب علامہ قمرالزماں اعظمی'' (مفتی احمد القادری، امریکہ) ''علامہ اعظمی: حیات کے چند گوشے'' (علامہ بدرالقادری، ہالینڈ) ''امریکہ میں علامہ اعظمی کی دینی تحریکات'' (مولانا محمد قمرالحسن قادری، امریکہ) ''عالمی اُفق پر علامہ قمرالزماں اعظمی کی دینی خدمات'' (علامہ محمد فروغ القادری، برطانیہ) ''علامہ اعظمی کے چند خطوط'' (علامہ بدرالقادری، ہالینڈ) ''علامہ قمرالزماں اعظمی: فکر فردا کا امین'' (ڈاکٹر غلام زرقانی قادری، امریکہ) ''علامہ اعظمی: حضور مفتی کی دعاؤں کا محسوس پیکر'' (مولانا محمد شاکر نوری) ''علامہ اعظمی کی خدمات دینیہ مانچسٹر میں'' (ابوزہرہ رضوی، برطانیہ) ''حضرت قمرالملت: حیات اور کارنامے'' (مولانا عبدالمنان جامعی) ''مفکر اسلام کی دس سالہ رفاقت کے چند مشاہدات'' (مولانا قاری جلال الدین قادری) ''علامہ اعظمی ساؤتھ افریقہ میں'' (مولانا سید محمد علیم الدین مصباحی،) ''ہالینڈ میں علامہ اعظمی کی خدمات'' (الحاج محمد ابراہیم اشرفی) وغیرہ۔

مقالات میں تکرار مضامین کے باوجود وافر مواد موجود ہے اور ارباب قلم نے اپنے اپنے مشاہدات واحوال کی روشنی میں مبنی برحقیقت نتائج اخذ کرنے کی کام یاب کوشش کی ہے، جس میں ابتدائی پانچ مقالات کو اس مجموعے کی جان کہا جائے تو بجا ہے، مفتی احمد القادری، امریکہ نے اپنے مقالے میں علامہ موصوف سے ۱۹۹۷ء میں شکاگو میں لیا گیا طویل انٹرویو بھی شامل کیا ہے جس نے اس مقالے کی اہمیت ومعنویت کو دوچند کر دیا ہے، ۱۴ر صفحات پر مشتمل یہ تاریخی انٹرویو اس اعتبار سے اہم اور قابل قدر ہے کہ اس میں خود علامہ اعظمی نے اپنی ولادت، جائے پیدائش، پرورش وپرداخت، خاندانی پس منظر، تعلیم وتربیت، اساتذہ کرام، تدریسی خدمات، تحریک وتنظیم، تقریر وخطابت، اداروں کے قیام، بیرون ہند کے اسفار، دیارِ غیر میں اقامت کے دوران قائم کیے گئے مدارس ومساجد ودینی واسلامی تربیتی مراکز اہل سنت، قلمی واشاعتی خدمات، سیاسیات، عالمی کانفرنسوں میں شرکت اور دورے جیسے اہم ترین گوشوں پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ علامہ بدرالقادری نے قلم اٹھانے سے قبل اپنے ذہن میں موجود ماخذ کی روشنی میں علامہ اعظمی کے حضور جن اہم عنوانات کے تحت خراج عقیدت پیش کرنے کا

خاکہ تیار کیا تھا اگر وہ اپنے منتخب کردہ سانچوں میں دل جمعی کے ساتھ مواد سمونے کی کوشش کرتے تو قریب سو صفحات کی ایک کتاب تیار ہو جاتی اور علامہ موصوف سے متعلق ایک اہم دستاویز بن جاتی، مگر قلت وقت کی وجہ سے صرف آٹھ صفحات میں چند عنوانات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ جس سے قاری کی تشنگی باقی رہتی ہے اور تجسس بڑھ جاتا ہے، البتہ اپنے ایک دوسرے مضمون ''علامہ اعظمی کے چند خطوط'' میں مکتوبات اعظمی کی روشنی میں موصوف کے سوز دروں، اخلاق و اخلاص، سعی پیہم، جہد مسلسل اور مخلصانہ خدمات، حوصلہ افزائی اور شفقت و اصاغر نوازی کا جلوہ دکھا کر آسودگی فراہم کرنے میں کام یاب ہیں۔ علامہ محمد فروغ القادری جو قریب انیس برسوں سے مفکر اسلام کی رفاقت میں برطانیہ میں مستقل اقامت پذیر رہ کر اشاعت دین میں منہمک ہیں، نے اپنے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں ۲۸ صفحات پر محیط ایک انتہائی جامع مقالہ سپرد قرطاس کیا ہے اور خوب خوب لکھا ہے، یہ مقالہ بھی بڑا جامع اور حقایق سے مملو ہے، دیگر مقالہ نگاروں میں تاج محمد خاں ازہری (مفکر اسلام اور دینی خدمات) مولانا محمد سلمان رضا قادری (مفکر اسلام کا سوز دروں) مولانا محمد جنید نعیم بستوی (مفکر اسلام کی فکری بصیرت) محمد توفیق احسن برکاتی (مفکر اسلام: حرکت و عمل کا کوہ ہمالہ) محمد عرفان ابراہیم نمک والا (مفکر اسلام: ایک تعارف) مولانا صادق رضا مصباحی (عصری حسیت اور جدید آہنگ کا عالمی خطیب) غلام مصطفیٰ رضوی (علامہ اعظمی: ایک ہمہ وصف شخصیت) غلام مصطفیٰ قادری باسنوی (علامہ اعظمی: ایک دردمند مفکر اسلام) ڈاکٹر ایم قیصر (بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا) محمد زبیر قادری (قائد ہو تو ایسا) کے اسما قابل ذکر ہیں، درج بالا عنوانات سے پتا چلتا ہے کہ ان ارباب قلم نے علامہ موصوف کی حیات و خدمات کے کن کن گوشوں کو آشکار کیا ہے، ان مضامین کی الگ الگ خوبیاں تو اپنی جگہ ہیں اور ان کا تنوع بھی ہمیں تسلیم ہے، البتہ کئی مضامین میں تکرار ضرور قارئین کی ذہنی کوفت کا سبب بنے گی اور کتاب کی یہ خامی اگر چہ حلقۂ ارادت میں کوئی نقص نہ مانی جائے، لیکن کسی سوانحی کتاب کی ترتیب و تدوین کے شایان شان نہیں، مقالوں کی ترتیب و انتخاب میں بھی کسی حسن کاری کا مظاہرہ نہیں کیا گیا ہے، اگر ایسا ہو جاتا تو کتاب کی اہمیت دو چند ہو جاتی اور ملک کی کسی بھی اردو لائبریری میں سوانح و تذکرہ کے باب میں منتخب کیے جانے کی حق دار ہوتی، کسی مرتب کے نام کی عدم وضاحت بھی لائق غور ہے۔

مولانا تاج محمد ازہری نے عربی زبان میں چار صفحات پر محیط ایک جامع مقالہ "داعیۃ العصر" کے عنوان سے مفکر اسلام کی حیات اور علمی و دینی خدمات پر تحریر فرمایا ہے جس کا اختتام مفکر اسلام کی قلمی خدمات کی اجمالی وضاحت کے ساتھ بہ حسن و خوبی ہوا، ان کا یہ عربی مقالہ ان ہی کے اردو مضمون بہ عنوان ''مفکر اسلام اور دینی خدمات'' کا ترجمہ اور خلاصہ معلوم ہوتا ہے، اس کی شمولیت کا جواز یہ ہے کہ عربی داں طبقہ بھی مفکر اسلام کی حیات و خدمات سے متعارف ہو، ازہری صاحب نے اپنے اردو مضمون میں بڑی خوش آئند اور مسرت افزا بات لکھی ہے کہ ''کچھ عرصہ قبل حضرت علامہ کی شخصیت اور خدمات کے تعلق سے مصر کے ہفت روزہ عربی اخبار "صوت الازھر" نے اپنے خاص شمارے میں ایک تفصیلی اور تحقیقی مضمون شائع کیا ہے۔ یہ بڑی اچھی بات

ہے کہ مفکر اسلام کی شخصیت مصری صحافت کا حوالہ بن چکی ہے، ابھی گزشتہ برس ایک انگریزی ہندستانی اخبار ''ٹائمز آف انڈیا'' نے مفکر اسلام کے ایک تفصیلی انٹرویو کو اپنی اشاعت میں جگہ دی تھی اور ان کے پیغامات انگریزی داں طبقے میں اس اخبار کے توسط سے پہنچ کر تعارف کا ذریعہ بنے۔

مفکر اسلام علامہ اعظمی کی ایک نمایاں اور منفرد خوبی ان کی خطابت مانی جاتی ہے، آپ کا انداز خطابت، زبان و بیان کی خوبی اور موضوعات کا تنوع ضرب المثل بن چکا ہے، کتاب کے دوسرے باب ''خطابت'' میں علامہ شاہد رضا نعیمی برطانیہ، صاحب زادہ سید حامد سعید کاظمی، علامہ فروغ القادری اور مولانا صادق رضا مصباحی کے رشحات قلم شامل ہیں اور علامہ موصوف کے طرز خطابت اور حسن تقریر پر کئی جہتوں سے روشنی ڈالتے ہیں اگر چہ باب اول کے بیش تر مقالوں میں اس خوبی خطابت پر گفتگو کی گئی ہے، لیکن مذکورہ چاروں ارباب قلم کی تجزیاتی کاوش بھی اپنی جگہ بڑی اہم اور قابل ستائش ہے، علامہ کے خطابت کے مجموعے ''خطبات مفکر اسلام'' پر مولانا صادق رضا مصباحی کا تفصیلی تبصرہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مفکر اسلام جہاں ایک کام یاب عالمی خطیب و جہاں دیدہ دانش ور ہیں وہیں ایک کام یاب نعت نگار کی حیثیت سے بھی بزم نعت میں جانے جاتے ہیں، اس لیے کتاب کے تیسرے باب ''نعت نگاری'' میں ڈاکٹر سید حسن مثنیٰ انور علیگ، مولانا شعبان علی حبابی، ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد، ڈاکٹر مشاہد اور وسیم احمد رضوی نے آپ کی نعتیہ شاعری کا خوب صورت محاکمہ کیا ہے اور شعری کائنات کے ماہ و نجوم سے قرطاس ابیض کو روشنی بخشی ہے، ''خیابان مدحت'' کی اولین اشاعت پر راقم الحروف نے بھی ''خیابان مدحت: ایک مطالعہ'' کے عنوان سے چار صفحات پر مشتمل ایک تجزیاتی مضمون لکھا تھا جو اس وقت سہ ماہی سنی دعوت اسلامی ممبئی کی کسی اشاعت میں چھپ چکا ہے، ابھی حال ہی میں حیدر آباد سے ''خیابان مدحت'' کا تازہ ایڈیشن کچھ اضافے کے ساتھ خوب صورت ٹائٹل میں مجلد شائع ہوا ہے، جو کسی بھی علمی و ادبی اردو لائبریری کی زینت بن سکتا ہے، اور کوئی بھی ناقد اس پر اپنی تنقید نچھاور کر سکتا ہے۔ کتاب کا چوتھا باب منثور تاثرات کے لیے منتخب کیا گیا ہے اور پانچواں باب میں منظوم تاثرات کو جگہ دی گئی ہے، جس میں آپ کے اساتذہ سے لے کر ہندو پاک، امریکہ و برطانیہ کے اہم اہم مشائخ، مفتیان کرام، ارباب دانش اور اہل قلم شامل ہیں جن میں کچھ تاثرات تو کئی کئی صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں جنھیں بہ آسانی مضمون کی شکل دی جا سکتی تھی اور اسی طرح مقالوں میں بھی کچھ ایسے ہیں جنھیں تاثرات کے باب میں جگہ دی جا سکتی تھی، بہر حال رضا اکیڈمی سے شایع ہونے والی اس مجلد کتاب کے لیے میں تمام ارباب قلم، دانش وران ملت، مشائخ طریقت اور اہل ذوق کو بالخصوص رضا اکیڈمی کے ارباب حل و عقد کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے مفکر اسلام کی حیات و خدمات پر ضخیم مجموعہ شائع کر کے ایک اہم دینی و ملی اور اخلاقی فریضہ انجام دیا ہے، ترتیب و انتخاب مضامین میں دقت نظر کا مظاہرہ کیا گیا ہوتا تو اس کتاب کی اہمیت دو چند ہو جاتی، امید ہے کہ نئی اشاعت میں ان امور پر توجہ دی جائے گی۔ ☆☆☆

مرکزی مجلس رضا لاہور کی خدمات پر ایک نظر

وسیم احمد رضوی
رکن نوری مشن مالیگاؤں
Cell. 09226868075

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے وصال (۱۹۲۱ء/۱۳۴۰ھ) کے بعد اہل سنت بالخصوص خواجہ تاشانِ رضویت پر کتب رضا کی اشاعت وتحقیقات رضویہ کے لحاظ سے ایک جمودی دور پیش آیا، ملکی ہنگامی حالات وحوادثِ کائنات نے اس بات کی مہلت نہ دی کہ تصانیف رضا کی اشاعت تسلسل کے ساتھ کی جائے۔ جب کہ دوسری طرف مخالفینِ رضا نے تمام تر مادی وسائل سے لیس ہو کر امام احمد رضا کی شخصیت، حیات اور علمی کارناموں کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، گویا امام احمد رضا کو اس دور کی سب سے ''مظلوم شخصیت'' کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا...... ایسے ماحول میں لاہور کی سرزمین پر ایک مردِ حق آگاہ حکیمِ اہلِ سنت حکیم محمد موسیٰ امرت سری نے ۱۹۷۰ء میں ''مرکزی مجلسِ رضا'' کی بنیاد رکھی۔ اور قافلۂ رضا کی حُدی خوانی کی۔

چند مخلص افراد کو ساتھ لے کر حکیمِ اہلِ سنت نے امامِ سنت کو علمی حلقے میں ان کا جائز مقام دلوانے کا عزم کیا۔ اس سلسلے میں ہر سال ''یومِ رضا'' منایا جانے لگا۔ لاہور کے ''برکت علی ہال'' میں اس غرض سے یوم رضا کا اہتمام کیا جاتا کہ جو افراد مساجد و مدارس اہلِ سنت میں آنے سے کتراتے ہیں وہ بھی بلا جھجک اور بے تکلف آسکیں۔ دینی وعصری دانش گاہوں کے ماہرین امام احمد رضا کی ذات، علمی وادبی اور دینی کارناموں پر خطاب کرتے پھر مجلس کے تحت ان مقالات وتقاریر کو مرتب کر کے اہلِ علم اور دانش وروں تک پہنچایا جاتا نیز ''رضا شناسی'' کے لیے مستعد رہنے والوں تک بھی ترسیل کی جاتی، حق کے متلاشیوں کو حقائق سے آگاہ کیا جاتا۔ یوں اپنوں اور بے گانوں میں سنجیدہ اور علمی طور پر امام احمد رضا کا تعارف کروانے کی ابتدا ہوئی۔ یوم رضا کے انعقاد اور ''مقالاتِ یومِ رضا'' کی اشاعت نے رضا شناسی کے لیے راہ ہموار کی اور بعد والوں کو کام کی راہ دکھائی۔

گویا دبستان کُھل گیا: کسی شخصیت اور اس کے کارناموں کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی کتابِ حیات کا مطالعہ کیا جائے، اس کے افکار وخیالات اور نظریات سے آگاہی حاصل کی جائے اور اس کی خدمات اور اثرات کا جائزہ لیا جائے۔ مجلس رضا کے قیام کا ایک اہم مقصد امام احمد رضا پر علما و اسکالرز سے تحقیقی و علمی مقالات لکھوا کر شائع کرنا تھا نیز تصانیفِ رضا کی اشاعت کو بھی فوقیت دی گئی۔ ایسے دور میں جب کہ میڈیا

اور عصری درس گاہوں پر مخالفینِ رضا قابض تھے، اور موقع بہ موقع امام موصوف کی شخصیت کو مجروح کرنے کی ناپاک کوششیں کر رہے تھے، تعلیمی اداروں اور صحافتی شعبوں میں امام موصوف کا ذکر کرنا بلکہ ان کے دفاع میں کچھ بولنا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ مجلس رضا نے ''رضویات'' پر کتب ولٹریچر شائع کر کے اصحابِ ذوق تک پہنچایا تو اندھیرے چھٹنے لگے، روشنی پھیلنے لگی اور فکرِ رضا کی تاب ناک کرنوں سے حق پسند قلوب منور و مجلی ہونے لگے۔ فکرِ رضا کی جولانی وتابانی نے نگاہوں کو خیرہ کر دیا۔ گویا دبستاں کُھل گیا!

چراغ سے چراغ جل اُٹھے: مجلسِ رضا کی کام یاب اشاعتی تحریک نے جماعتی سطح پر بے داری پیدا کی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے فروغِ رضویات کا جذبۂ صالح لیے متعدد اشاعتی اور تحقیقی ادارے وجود میں آنے لگے اور کام کی رفتار بڑھ گئی۔ بلاشبہ یہ حکیمِ اہلِ سنت کا احسان ہے کہ انھوں نے علامہ عبدالحکیم شاہ جہاں پوری، علامہ عبدالحکیم شرف قادری اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی علیہم الرحمۃ والرضوان جیسے اصحابِ لوح وقلم قوم کو عطا کیے۔ جنھوں نے حکیمِ اہلِ سنت کی تحریک پر مجلس کے پلیٹ فارم سے رضویات پر علمی وتحقیقی کام کا آغاز کیا اور اس میدان میں وہ عظیم کارنامے انجام دیے جن کے احسانات سے رضویات کا کوئی طالبِ علم اپنا سر اٹھا نہیں سکتا۔

ماہ نامہ جہانِ رضا: فروغِ رضویات کے لیے مجلسِ رضا کے تحت تقریباً بیس سال پہلے ''ماہ نامہ جہانِ رضا'' کا لاہور سے اجرا ہوا۔ جو رضویات پر تحقیقی مضامین اور مقالات کو اپنے دامن میں سمیٹے اربابِ علم ودانش کو متوجہ کرتا رہا ہے۔ اس کے صفحات نے اکنافِ عالم میں منتشر اہلِ قلم جو کہ رضویات کا شغف رکھتے تھے، انھیں یک جا کرنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ اس کے مدیر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مدظلہٗ نے اپنی سحر طراز تحریروں اور منفرد اسلوبِ نگارش سے نئے آفاق فتح کیے۔ کشورِ دل پر عظمت ومحبتِ رضا کے پھریرے لہرائے اور رضویاتی خوش بوؤں سے دل ودماغ معطر ومعنبر کر دیے۔ فاروقی صاحب نے محققینِ رضویات کو جمع کیا اور اپنی تنظیمی صلاحیتوں کو بہ روئے کار لا کر مجلس کو نئی آن، بان، شان اور جان بخشی۔

ضیا پھیلنے لگی: امام احمد رضا کے افکار وخیالات کا مرکز احیائے دینِ متین اور تحفظِ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس لیے ظاہری بات ہے کہ افکارِ رضا کی اشاعت سے دینی مزاج بھی پروان چڑھے گا اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جذبۂ ایمانی حرارت بھی پائے گا۔ مجلس کی خدمات اور فکرِ رضا کی کام یاب ترویج سے عالمِ اسلام کو کیا فایدہ پہنچا اس کا ذکر کرتے ہوئے فاروقی صاحب رقم طراز ہیں:

''مرکزی مجلسِ رضا کی ان کوششوں سے الحمدللہ دینِ اسلام کی حقیقی روشنیاں پھیل رہی ہیں۔ اب نا ہموار زبانیں گستاخیِ رسول سے رکنے لگی ہیں۔ غیر ذمہ دار تحریروں کا رخ بدل گیا ہے۔ گستاخیِ رسول کرنے والوں کے خلاف قانون سازی ہو رہی ہے۔ مرتدین واجب القتل قرار دیے گئے ہیں۔ اب گستاخانہ تحریریں، عامیانہ گفتگو اور مناظرین کی بے لگام تقریروں میں اعتدال آ گیا ہے۔ آج بدعقیدہ اسکالرز اور بدزبان مصنف بھی اپنی کتابوں کو عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مقامِ رسول (کے ذکر) سے مزین کرنے لگے ہیں اور بڑی

اعتدالی زبان استعمال کر رہے ہیں اور سابقہ رویوں کو چھوڑ کر آداب رسول کا خیال رکھا جانے لگا ہے۔ ؎

بڑھ چلی تیری ضیا اندھیر عالم سے گھٹا''

(ماہنامہ جہان رضا لاہور، جنوری ۲۰۰۵ء، ص ۵)

تہدیہ: آج فکر رضا اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں اور رعنائیوں کے ساتھ فکر و نظر کو نہال کر رہی ہے۔ اپنی عظمت و اہمیت کا لوہا منوا رہی ہے۔ امام احمد رضا کے افکار و خیالات اور علمی و ادبی اور دینی کارناموں سے آگاہی حاصل کر کے دنیا ان کی خدمات کو سلام پیش کر رہی ہے۔ افکار رضا کی اشاعت کے لیے متعدد متحرک و فعال ادارے سرگرم عمل ہیں اور بلاشبہ ان اداروں کی شریانوں میں مجلس رضا اور حکیم اہل سنت کے سوز دروں اور جہد مسلسل کا لہو دوڑ رہا ہے۔ مجلس نے لاکھوں کی تعداد میں امام احمد رضا کی تصانیف اور ان پر لٹریچر کی اشاعت کر کے جس انقلابی فکر کی ترسیل کا فریضہ انجام دیا بحمد اللہ آج اس کے خوش گوار نتائج سامنے آ رہے ہیں، درجنوں ممالک میں سیکڑوں ادارے فکر رضا کی ترویج و اشاعت کا پاکیزہ کارنامہ انجام دے کر ایمان و ایقان کی کھیتی کو تازگی عطا کر رہے ہیں۔ آج بھی پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کی نگرانی میں مجلس کا سفر شوق جاری ہے، جہان رضا کے دریچوں سے افکار رضا کی روشنیاں پھیل رہی ہیں، امیدوں کے چراغ دلوں کے طاق پر روشن ہیں۔ اور مجلس کی خدمات مشعل راہ بن چکی ہے۔

☆☆☆

۲۰۱۱ء میں رضا اکیڈمی کی کارکردگی

۱۰ر جنوری: مالیگاؤں بم دھماکے میں گرفتار لوگوں کی رہائی کے لیے وزیر داخلہ مہاراشٹر آر آر پاٹل سے رضا اکیڈمی کے وفد کی ملاقات۔

۱۸ر جنوری: سونیا گاندھی کے مشیر احمد پٹیل سے مالیگاؤں کے محروسین کی رہائی کے سلسلے میں رضا اکیڈمی کے وفد کی ملاقات۔

۲۴ر جنوری: دیوبندی مولوی وستانوی کی نریندر مودی کی مدح سرائی پر رضا اکیڈمی کی مذمت۔

۳۰ر جنوری: ۹۲رواں عرس اعلیٰ حضرت کھتری مسجد (پائیدھونی ممبئی) میں منایا گیا۔

۳۰ر جنوری: عرس رضوی بریلی شریف میں اسلامیہ انٹر کالج میں رضا اکیڈمی کے اسٹال سے ۲۵ر کتابوں کا سیٹ فی کتاب ۴۰ر روپیہ کے حساب سے ۱۰۰۰ر روپے کا۔ مارکیٹ کی قیمت کے حساب سے اسٹال سے تقریباً ۴۰ر لاکھ روپے کی کتابیں فروخت ہوئیں۔

۳ر فروری: دہلی میں رضا اکیڈمی کے وفد نے کانگریس کے جنرل سیکریٹری ڈگ وجے سنگھ سے ملاقات کر کے مالیگاؤں کے اسیروں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔

۳ر فروری: رضا اکیڈمی کی جانب سے ڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک ممبئی میں یکم ربیع الاول شریف تا بارہ ربیع الاول بارہ روزہ جشن آمد رسول ﷺ کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں مولانا نور محمد صاحب رضوی نے تقاریر کیں۔

۱۲ر فروری: مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ پرتھوی راج چوہان سے رضا اکیڈمی کے وفد کی اسیران مالیگاؤں کے سلسلے میں ملاقات۔

۲۸ر فروری: ''حرمین شریفین پر سارے مسلمانان عالم کا حق ہے، سعودی حکمران جلد شورائی نظام قائم کریں'' پریس کلب (سی ایس ٹی ممبئی) میں سعودی حکومت کو وارننگ۔

۷ر مارچ: رضا اکیڈمی کی جانب سے مدن پورہ کی سنی بڑی مسجد میں ''جشن قادری رضوی'' منایا گیا، جس میں پاکستان کے مشہور نعت خواں اویس رضا قادری، سید صبیح رحمانی، مشہور مقرر علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی اور مولانا سید مظفر شاہ نے نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

۲۴ر مارچ: امریکہ کے ملعون پادری کی قرآن سوزی کی ناقابل برداشت حرکت پر رضا اکیڈمی کا سخت احتجاج۔

۳ر اپریل: علامہ قمر الزماں اعظمی کی دینی خدمات کے اعزاز میں ''جشن خدمات قمر'' کا انعقاد کیا گیا، جس میں علامہ قمر الزماں اعظمی کو ''مفتی اعظم گولڈ میڈل ایوارڈ'' پیش کیا گیا۔ اسی دن راشٹریہ سہارا اخبار کے ایک مکمل

صفحے پر علامہ قمر الزماں اعظمی پر علما و مشائخ کے تاثرات شائع کیے گئے۔

۹؍اپریل: امریکہ میں قرآن سوزی کے خلاف گورنر مہاراشٹر سے ملاقات کر کے رضا اکیڈمی کے وفد نے دنیا بھر میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تنازعہ پیدا ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا۔ اور پاکستان میں مزاراتِ اولیا کی بے حرمتی و بم دھماکے کے خلاف اپنا احتجاج درج کرایا۔

۱۴؍اپریل: فرانس میں برقع پر پابندی کے خلاف رضا اکیڈمی کا عیسائیوں سے احتجاج کا مطالبہ۔

۱۸؍اپریل: سلمان خورشید وزیر برائے اقلیتی اُمور کے شریعت کے خلاف بیان ''اوقاف کی آمدنی سے غیر مسلموں کو بھی امداد کی جائے گی'' پر رضا اکیڈمی کا سخت بیان۔

۳؍مئی: حضور غوث اعظم سیدنا عبد القادر جیلانی کے سجادہ نشین سید عبد الرحمٰن گیلانی (بغداد) کو اسلام جمخانہ (ممبئی) میں استقبالیہ دیا گیا۔ ساتھ ہی ان کا ۵۷؍واں جشن یوم ولادت بھی منایا گیا۔

۳؍مئی: کوکا مک ورلڈ نمبر ۸۷ کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خیالی تصویر کی اشاعت پر رضا اکیڈمی نے اس کے ناشر کے خلاف شکایت درج کرائی۔

۱۱؍مئی: وِکی لیکس کے تبلیغی جماعت کے بارے میں انکشاف پر رضا اکیڈمی کا تبلیغی جماعت پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ۔

۱۴؍مئی: جھانسی کورٹ (مدھیہ پردیش) میں ذاکر نائک کے لیے غیر ضمانتی وارنٹ جاری کیے جانے پر پولیس کمشنر کو اس کا پاس پورٹ ضبط کرنے کے لیے مکتوب روانہ کیا گیا۔

۱۵؍مئی: جالنہ میں رضا اکیڈمی کی تمام شاخوں کا اجلاس۔

۲۵؍مئی: رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام ''جشنِ فتاویٰ رضویہ'' محمدیہ ہائی اسکول ہال، بھنڈی بازار، ممبئی ۳ میں منعقد کیا گیا۔ جس میں دو شخصیات (۱) مولانا عبد الرؤف صاحب بلیاوی اور مفتی عبد المنان صاحب اعظمی کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔

۲؍جون: احمد آباد میں خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خیالی تصویر کی اشاعت پر رضا اکیڈمی نے سخت نوٹس لیا۔

۸؍جون: ۶؍رجب المرجب جشنِ عرسِ غریب نواز رضا اکیڈمی کی جانب سے بیگ محمد باغ محمد علی روڈ پر منایا گیا۔

۱۵؍جون: لوک پال بل کو پارلیمنٹ میں پیش کرنے سے قبل علما کو دکھانے کا رضا اکیڈمی کا مطالبہ۔ وقف بل ۲۰۱۰ء خامیوں سے پُر ہونے کی وجہ سے ابھی پاس نہ کیے جانے کا بھی مطالبہ۔

۲۲؍جون: ۲؍شعبان کو امام اعظم کی ولادت کا دن ہے۔ رضا اکیڈمی نے مسلمانوں سے ''یومِ امام اعظم'' منائے جانے کی اپیل کی۔

۲۵؍جون: حج کمیٹی آف انڈیا کی ڈپٹی چیف اگزیکٹیو آفیسر روحی خان کو بنائے جانے پر اعتراض اور وزیر داخلہ ایس ایم کرشنا کو خط روانہ کیا گیا۔

یکم تا ۵؍جولائی: روزنامہ راشٹریہ سہارا میں امام اعظم ابو حنیفہ کی نسبت سے ''۵؍روزہ امام اعظم انعامی مقابلے کا انعقاد''

۴؍جولائی: ''جشنِ امام اعظم'' ممبئی میں محمدیہ ہائی اسکول ہال، بھنڈی بازار میں منایا گیا۔

۸؍جولائی: شب برات کے موقع پر ریاستی حکومت سے ۳۹؍قبرستانوں کے لیے سیکوریٹی کے پختہ انتظامات کے لیے رضا اکیڈمی کا مطالبہ۔

۱۴؍جولائی: ۱۳؍جولائی ۲۰۱۱ء کو ممبئی کی ڈائمنڈ مارکیٹ (اوپیرا ہاؤس) میں ہونے والے بم دھماکے کی مذمت۔

۲۸؍جولائی: رویت ہلال کی شہادت دینے والے کو ہوائی جہاز کا کرایہ دینے کا اعلان۔

۲۷؍ستمبر: تمام سفارت خانوں اور اہم شخصیات کو رویت ہلال سے متعلق اُمّہ چینل کے مذاکرات کی سی ڈی اور دستاویز روانہ کیے گئے، جس میں ثابت کیا گیا کہ سعودی عرب میں ۲۰؍برسوں سے چاند کا اعلان غلط اور من چاہی تاریخوں میں کر کے مسلمانوں کے روزے اور حج سے کھلواڑ کیا جا رہا ہے۔

۳؍اکتوبر: رضا اکیڈمی نے رودر پور، اُترا کھنڈ میں قرآن پاک کی بے حرمتی اور فساد کی سخت مذمت کی۔

۸؍اکتوبر: ہندی فلم ''اذان'' کا نام تبدیل کیے جانے کا مطالبہ۔

۴؍نومبر: فرانس کے ایک مزاحیہ اخبار چارلی ہیڈو میں حضور اکرم ﷺ کے مزاحیہ خاکے کی اشاعت پر وزیر اعظم من موہن سنگھ کے فرانس دورے سے فوراً واپسی کا مطالبہ۔

۱۱؍نومبر: ۱۱-۱۱-۱۱ کو حضور مفتی اعظم ہند کا ۲۷۱؍واں ماہانہ عرس شریف رضا اکیڈمی کے دفتر میں منایا گیا۔

۱۴؍نومبر: امریکی صدر اوباما کو بوسیدہ جوتا روانہ کیا گیا۔

۲۲؍نومبر: عشرت جہاں اور دیگر فرضی انکاؤنٹر کیس کا پردہ فاش ہونے پر رضا اکیڈمی کا مودی حکومت کی برخاستی کا مطالبہ۔

۲۲؍نومبر: وزیر داخلہ آر آر پاٹل سے فیس بک پر کعبۃ اللہ کی بے حرمتی......اور تسلیمہ نسرین پر سخت گرفت کرنے کا مطالبہ۔

یکم دسمبر: قبلۂ اوّل کو درپیش خطرات پر جامعہ قادریہ (دوٹانکی) میں علمائے کرام کی ایک اہم میٹنگ۔

۶؍دسمبر: بابری مسجد کی ۱۹؍ویں برسی کی یاد میں اذانیں دی گئیں اور مجرموں کی گرفتاری کا مطالبہ۔

۹؍دسمبر: بریلی شریف میں حضور مفتی اعظم کے ۳۱؍ویں عرس کے موقع پر حاضرین کو قرعہ کے ذریعے عمرہ کا ٹکٹ، لیپ ٹاپ کمپیوٹر، فتاویٰ رضویہ، جامع الاحادیث وغیرہ مختلف ۲۵؍انعامات پیش کیے گئے۔

۲۰؍دسمبر: فلسطین میں اذان پر پابندی کے منصوبے کے خلاف اسرائیلی سفارت خانہ کے قریب اذان دی گئی۔ جس کے بعد بہ شمول الحاج محمد سعید نوری ۲۰؍افراد کی گرفتاری عمل میں آئی۔

۲۸؍دسمبر: آر ایس ایس کی پشت پناہی میں کرپشن اور بدعنوانی کے خلاف مہم چلانے والے انا ہزارے کے خلاف رضا اکیڈمی کا مراٹھی پتر کار سنگھ میں انا ہزارے کے بائی کاٹ کا مطالبہ۔ ☆☆☆

عرس رضوی ۲۰۱۲ء کے موقع پر

رضا اکیڈمی کی مطبوعات

شمار	نام کتاب	مصنف
۱	جان جاناں صلی اللہ علیہ وسلم	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
۲	حدائق بخشش	امام احمد رضا محدث بریلوی
۳	فضائل صحابہ واہل بیت	علامہ شاہ تراب الحق قادری
۴	فقہ اسلامی	مولانا عبدالاول رضوی
۵	سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	محمد امام الدین
۶	غزوات میں معجزات رسول	سید فیاض حسین شاہ
۷	مفتی اعظم کی استقامت وکرامت	مفتی عابد حسین مصباحی
۸	ازالۂ فریب	مفتی محمد اختر حسین قادری
۹	دیوبند کا نیا دین	مولانا مشتاق احمد نظامی
۱۰	اسلامی زندگی	مفتی احمد یار خاں نعیمی
۱۱	الاستمداد	امام احمد رضا محدث بریلوی
۱۲	شان حبیب الرحمٰن	مفتی احمد یار خاں نعیمی
۱۳	خون کے آنسو	مولانا مشتاق احمد نظامی
۱۴	فضائل درود	علامہ اسمٰعیل نبہانی
۱۵	امام اعظم	علامہ شاہ تراب الحق قادری
۱۶	خطبات غزالی	امام غزالی
۱۷	مقام غوث اعظم	مفتی عابد حسین مصباحی
۱۸	کربلا کا مسافر	مولانا مشتاق احمد نظامی
۱۹	عقائد اہل سنت	مولانا مشتاق احمد نظامی
۲۰	اسلام میں پردہ	مفتی خلیل خاں برکاتی
۲۱	پیغام معراج	علامہ مفتی محمد طیب
۲۲	ایمانی تقریریں	مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی
۲۳	نورانی تقریریں	مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی

شمار	نام کتاب	مصنف
۲۴	عرفانی تقریریں	مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی
۲۵	حقانی تقریریں	مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی
۲۶	قرآنی تقریریں	مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی
۲۷	شرح حدائق بخشش (اول)	علامہ فیض احمد اویسی رضوی
۲۸	شرح حدائق بخشش (دوم)	علامہ فیض احمد اویسی رضوی
۲۹	شرح حدائق بخشش (سوم)	علامہ فیض احمد اویسی رضوی
۳۰	شرح حدائق بخشش (چہارم)	علامہ فیض احمد اویسی رضوی
۳۱	شرح حدائق بخشش (پنجم)	علامہ فیض احمد اویسی رضوی
۳۲	دیوبند کی خانہ تلاشی	مولانا مشتاق احمد نظامی

۲۰۱۲ء میں رضا اکیڈمی سے شائع ہونے والی دیگر کتابیں

شمار	نام کتاب	شمار	نام کتاب
۳۳	سولہ سورۂ رضویہ	۴۰	بدمذہبوں سے رشتے
۳۴	نوری مجموعہ وظائف	۴۱	اعلام بہ لزوم والتزام
۳۵	اربعین شدت (انگریزی اسکرپٹ)	۴۲	دلائل الخیرات
۳۶	درمیانی امت	۴۳	تذکرۂ محدث سورتی
۳۷	اسمائے بدریین	۴۴	الصلاۃ وأدعیتھا المأثورہ
۳۸	بخاری شریف (جلد اول)	۴۵	3 Blessed Months
۳۹	بخاری شریف (جلد دوم)		

عرس رضوی ۲۰۱۲ء میں "فتاویٰ رضویہ" کی اشاعت

امام احمد رضا محدث بریلوی کے مشہور زمانہ فتاویٰ ''فتاویٰ رضویہ'' کی دینی وعلمی دنیا میں ڈیمانڈ روز افزوں ہے، یہی سبب ہے کہ اس کی اشاعت مسلسل اور مستقل ہو رہی ہے۔ چوں کہ ماضی میں رضا اکیڈمی نے فتاویٰ رضویہ کو نہایت کم قیمت پر فراہم کیا تھا اس وجہ سے تقاضا تھا کہ فتاویٰ رضویہ معمولی قیمت میں امسال بھی مہیا کرایا جائے۔ علما، طلبا، دینی وعلمی اداروں اور اہل علم ودانش کے اسرار پر رضا اکیڈمی نے عرس رضوی پر فتاویٰ رضویہ جو ۱۲ر جلدوں پر مشتمل ہے کی نہایت خوب صورت انداز میں اشاعت کی۔ اور رعایتی قیمت صرف ۱۷۰۰ر روپے میں فراہم کیا۔ الحمدللہ! ہزاروں کی تعداد میں فتاویٰ کے سیٹ خریدے گئے۔

رضا اکیڈمی نے علمائے اہل سنت کی تصانیف (۳۲ر کتابوں پر مشتمل) کا سیٹ جس کی اصل قیمت زائد از ۳۰۰۰ر روپے ہے کو صرف ۶۵۰ر روپے میں فراہم کیا۔ اسے بھی پورے ملک میں مقبولیت حاصل ہوئی۔

عرس رضوی ۲۰۱۳ء کے موقع پر

رضا اکیڈمی کی مطبوعات

۱ ذوقِ نعت (علامہ حسن رضا بریلوی)
۲ وسائلِ بخشش (علامہ حسن رضا بریلوی)
۳ صمصامِ حسن بردابرفتن (علامہ حسن رضا بریلوی)
۴ قند پارسی (علامہ حسن رضا بریلوی)
۵ قطعات و اشعارِ حسن (علامہ حسن رضا بریلوی)
۶ دینِ حسن (علامہ حسن رضا بریلوی)
۷ نگارستانِ لطافت (علامہ حسن رضا بریلوی)
۸ تزکِ مرتضوی (علامہ حسن رضا بریلوی)
۹ آئینۂ قیامت (علامہ حسن رضا بریلوی)
۱۰ بے موقع فریاد کے مہذب جواب
۱۱ سوالات حقائق نما بروس ندوۃ العلماء (علامہ حسن رضا بریلوی)
۱۲ فتاوی القدوہ لکشف دفین الندوہ (علامہ حسن رضا بریلوی)
۱۳ ندوہ کا تیجہ روداد سوم کا نتیجہ (علامہ حسن رضا)
۱۴ ہدایتِ نوری (علامہ حسن رضا بریلوی)
۱۵ اظہار روداد (علامہ حسن رضا بریلوی)
۱۶ کوائف اخراجات (علامہ حسن رضا بریلوی)
۱۷ باقیاتِ حسن (علامہ حسن رضا بریلوی)
۱۸ ثمرِ فصاحت (علامہ حسن رضا بریلوی)
۱۹ ختم نبوت اور تحذیر الناس
۲۰ تقدیس الوکیل (مولانا غلام دستگیر قصوری)
۲۱ الصواعق المحرقہ
۲۲ پانچ بت
۲۳ مناظرۂ اہل سنت
۲۴ صحاح ستہ اور عقائد اہل سنت
۲۵ حیاتِ اعلیٰ حضرت (مکمل) (علامہ ظفر الدین قادری رضوی)
۲۶ تحقیق التراویح (حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی)
۲۷ الخصائص الکبریٰ (جلد اول)
۲۸ الخصائص الکبریٰ (جلد دوم)

عرس رضوی ۲۰۱۳ء کے موقع پر رضا اکیڈمی کی پیش کش تفسیر نعیمی (۱۸ جلدیں)

از: مفتی احمد یار خاں نعیمی......اصل قیمت: ۵۵۰۰......رعایتی قیمت: ۲۰۰۰

تفسیر نعیمی عرس رضوی میں ۲۰۰۰ روپے میں مہیا ہوگی، رضا اکیڈمی ممبئی سے طلب کرنے والوں کو ۲۱۰۰ روپے میں، بذریعہ ٹرانسپورٹ ۲۳۰۰ روپے میں دی جائے گی۔

فتاویٰ رضویہ (۱۲ جلدیں)

از: مجدد اسلام امام احمد رضا محدث بریلوی......اصل قیمت: ۵۰۰۰......رعایتی قیمت: ۱۷۰۰

فتاویٰ رضویہ عرس رضوی میں ۱۷۰۰ روپے میں، رضا اکیڈمی ممبئی سے ۱۸۰۰ روپے میں اور بذریعہ ٹرانسپورٹ ۲۱۰۰ روپے میں دیا جائے گا۔

فروغ اہل سنت کے لئے امام اہل سنت کا دس نکاتی پروگرام

- عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ با قاعدہ تعلیمیں ہوں۔
- طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔
- مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں۔
- طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے۔ معقول وظیفہ دیکر اس میں لگایا جائے۔
- ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دیکر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً و تقریراً و وعظاً و مناظرۃً اشاعت دین و مذہب کریں۔
- حمایت مذہب و رد بد مذہباں میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دیکر تصنیف کرائے جائیں۔
- تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوشخط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کیے جائیں۔
- شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں، آپ سرکوبیٔ اعداء کے لئے اپنی فوجیں، میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں۔
- جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔
- آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

حدیث کا ارشاد ہے کہ "آخر زمانہ میں دین کا کام بھی درم و دینار سے چلے گا" اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق و مصدوق ﷺ کا کلام ہے۔

(فتاوی رضویہ: جلد ۱۲، ص ۱۳۳)

RAZA ACADEMY

52, Dontad Street, Khadak, Mumbai-9, Ph.: 022-66342156, 66659236